Done

سلسلۂ نصابات تعلیم جامعہ عثمانیہ

تاریخِ اہلِ انگلستان

جلد دوم

یعنی

جان رچرڈ گرین کی "اے شارٹ ہسٹری آف دی انگلش پیپل" کا اردو ترجمہ
انٹرمیڈیٹ کے لئے

مترجمہ
قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے
رکن سررشتۂ تالیف و ترجمہ
جامعہ عثمانیہ

سنہ ۱۳۳۹ھ م سنہ ۱۳۳۰ف م سنہ ۱۹۲۱ء

مطبوعۂ دارالطبع سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب میکملن کمپنی کی اجازت سے
جن کو حقوق کاپی رائٹ حاصل ہیں
طبع کی گئی ہے

مُقدّمہ

دنیا میں ہر قوم کی زندگی میں ایک ایسا زمانہ آتا ہے جب کہ اُس کے قوائے ذہنی میں انحطاط کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں، ایجاد و اختراع اور غور و فکر کا مادّہ تقریباً مفقود ہو جاتا ہے، تخیل کی پرواز اور نظر کی جولانی تنگ اور محدود ہو جاتی ہے، علم کا دار و مدار چند رسمی باتوں اور تقلید پر رہ جاتا ہے۔ اُس وقت قوم یا تو بیکار اور مردہ ہو جاتی ہے یا سنبھلنے کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ دوسری ترقی یافتہ اقوام کا اثر قبول کرے۔ تاریخ عالم کے ہر دَور میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔ خود ہمارے دیکھتے دیکھتے جاپان پر یہی گذری اور یہی حالت اب ہندوستان کی ہے۔

جس طرح کوئی شخص دوسرے بنی نوع انسان سے قطعِ تعلق کر کے تنہا اور الگ تھلگ نہیں رہ سکتا اور اگر رہے تو پنپ

نہیں سکتا اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی قوم دیگر اقوام عالم سے بے نیاز ہو کر پھولے پھلے اور ترقی پائے۔ جس طرح ہوا کے جھونکے اور ادنیٰ پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کے اثر سے وہ مقامات تک ہرے بھرے رہتے ہیں جہاں انسان کی دسترس نہیں اسی طرح انسانوں اور قوموں کے اثر بھی ایک دوسرے تک اڑ کر پہنچتے ہیں۔ جس طرح یونان کا اثر روم اور دیگر اقوام یورپ پر پڑا جس طرح عرب نے عجم کو اور عجم نے عرب کو اپنا فیض پہنچایا، جس طرح اسلام نے یورپ میں تاریکی اور جہالت کو مٹا کر علم کی روشنی پہنچائی اسی طرح آج ہم بھی بہت سی باتوں میں مغرب کے محتاج ہیں۔ یہ قانون عالم ہے جو یوں ہی جاری رہا اور جاری رہیگا۔

"دئے سے دیا یوں ہی جلتا رہا ہے"

جب کسی قوم کی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور وہ آگے قدم بڑھانے کی سعی کرتی ہے تو ادبیات کے میدان میں پہلی منزل ترجمہ ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جب قوم میں جدت اور اپج نہیں رہی تو ظاہر ہے کہ اس کی تصانیف معمولی، ادھوری، کم مایہ اور ادنیٰ ہونگی۔ اُس وقت قوم کی بڑی خدمت یہی ہے کہ ترجمہ کے ذریعہ سے دنیا کی اعلیٰ درجہ کی تصانیف اپنی زبان میں لائی جائیں۔ یہی ترجمے خیالات میں تغیر اور معلومات میں اضافہ کریں گے، جمود کو توڑیں گے اور قوم میں ایک نئی حرکت پیدا کریں گے اور پھر آخر یہی ترجمے تصنیف وتالیف

کے جدید اسلوب اور ڈھنگ سُجھائیں گے۔ ایسے وقت میں ترجمہ تصنیف سے زیادہ قابل قدر، زیادہ مفید اور زیادہ فیض رساں ہوتا ہے۔

اسی اصول کی بنا پر جب عثمانیہ یونیورسٹی کی تجویز پیش ہوئی تو ہز اکزالٹڈ ہائینس رستمِ دوراں ارسطوئے زماں سپہ سالار آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ نوابِ میر عثمان علیخان بہادر فتح جنگ جی۔سی۔اس۔آئی۔جی۔سی۔بی۔ای۔والی حیدرآباد دکن خلّد اللہ ملکہ و سلطنتہ نے جن کی علمی قدر دانی اور علمی سرپرستی اس زمانہ میں احیائے علوم کے حق میں آب حیات کا کام کر رہی ہے، بہ تقاضائے مصلحت و دوربینی سب سے اول سررشتۂ تالیف و ترجمہ کے قیام کی منظوری عطا فرمائی جو نہ صرف یونیورسٹی کے لئے نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کریگا بلکہ ملک میں نشر و اشاعتِ علوم و فنون کا کام بھی انجام دیگا۔ اگرچہ اس سے قبل بھی یہ کام ہندوستان کے مختلف مقامات میں تھوڑا تھوڑا انجام پایا مثلاً فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں زیر نگرانی ڈاکٹر گِلکرسٹ، دہلی سوسائٹی میں، انجمن پنجاب میں زیر نگرانی ڈاکٹر لائٹنر و کرنل ہالرائڈ، علی گڑھ سائنٹفک انسٹیوٹ میں جس کی بنا سر سیّد احمد خاں مرحوم نے ڈالی۔ مگر یہ کوششیں سب وقتی اور عارضی تھیں۔ نہ اُنکے پاس کافی سرمایہ اور سامان تھا نہ اُنہیں یہ موقع حاصل تھا

اور نہ انہیں اعلیٰحضرت و اقدس جیسے علم پرور فرمانروا کی سرپرستی کا شرف حاصل تھا۔ یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو علوم و فنون سے مالا مال کرنے کے لئے باقاعدہ اور مستقل کوشش کی گئی ہے۔ اور یہ پہلا وقت ہے کہ اردو زبان کو یہ رتبہ ملا ہے کہ وہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار پائی ہے۔ احیائے علوم کے لئے جو کام آگسٹس نے روما میں، خلافت عباسیہ میں ہارون الرشید و مامون الرشید نے ہسپانیہ میں عبدالرحمٰن ثالث نے، بکرماجیت و اکبر نے ہندوستان میں، الفرڈ نے انگلستان میں، پیٹر اعظم و کیتھرائن نے روس میں اور مُت شی ہٹو نے جاپان میں کیا، وہی فرمانروائے دولت آصفیہ نے اس ملک کے لئے کیا۔ اعلیٰحضرت واقدس کا یہ کارنامہ ہندوستان کی علمی تاریخ میں ہمیشہ فخر و مباہات کے ساتھ ذکر کیا جائیگا۔

منجملہ اُن اسباب کے جو قومی ترقی کا موجب ہوتے ہیں ایک بڑا سبب زبان کی تکمیل ہے۔ جس قدر جو قوم زیادہ ترقی یافتہ ہے اُسی قدر اُس کی زبان وسیع اور اس میں نازک خیالات اور علمی مطالب کے ادا کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے، اور جس قدر جس قوم کی زبان محدود ہوتی ہے اُسی قدر تہذیب و شایستگی بلکہ انسانیت میں اس کا درجہ کم ہوتا ہے۔ چنانچہ وحشی اقوام میں الفاظ کا ذخیرہ بہت ہی کم پایا گیا ہے۔ علمائے فلسفہ و علم اللسان نے یہ ثابت کیا ہے کہ زبان، خیال اور

خیال، زبان ہے اور ایک مدت کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انسانی دماغ کے صحیح تاریخی ارتقا کا علم، زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ الفاظ ہمیں سوچنے میں ویسی ہی مدد دیتے ہیں جیسی آنکھیں دیکھنے میں۔ اس لئے زبان کی ترقی درحقیقت عقل کی ترقی ہے۔

علمِ ادب اسی قدر وسیع ہے جس قدر حیاتِ انسانی۔ اور اس کا اثر زندگی کے ہر شعبہ پر پڑتا ہے۔ وہ نہ صرف انسان کی ذہنی، معاشرتی، سیاسی ترقی میں مدد دیتا، اور نظر میں وسعت دماغ میں روشنی، دلوں میں حرکت اور خیالات میں تغیر پیدا کرتا ہے بلکہ قوموں کے بنانے میں ایک قوی آلہ ہے۔ قومیت کے لئے ہم خیالی شرط ہے اور ہم خیالی کے لئے ہم زبانی لازم۔ گویا یک زبانی قومیت کا شیرازہ ہے جو اسے منتشر ہونے سے بچائے رکھتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب کہ مسلمان اقطاع عالم میں پھیلے ہوئے تھے لیکن اُن کے علمِ ادب اور زبان نے انہیں ہر جگہ ایک کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں انگریز ایک دنیا پر چھائے ہوئے ہیں لیکن باوجود بُعدِ مسافت و اختلافِ حالات یک زبانی کی بدولت قومیت کے ایک سلسلے میں منسلک ہیں، زبان میں جادو کا سا اثر ہے اور صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ اقوام پر بھی اُس کا وہی تسلّط ہے۔

یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا صحیح اور فطرتی ذریعہ اپنی ہی زبان ہو سکتی ہے۔ اس امر کو اعلیٰحضرت واقدس نے

پہچانا اور جامعۂ عثمانیہ کی بنیاد ڈالی۔ جامعۂ عثمانیہ ہندوستان میں پہلی یونیورسٹی ہے جس میں ابتدا سے انتہا تک ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان ہوگا۔ اور یہ زبان اردو ہوگی۔ ایک ایسے ملک میں جہاں "بھانت بھانت کی بولیاں" بولی جاتی ہیں، جہاں ہر صوبہ ایک نیا عالم ہے، صرف اردو ہی ایک عام اور مشترک زبان ہو سکتی ہے۔ یہ اہل ہند کے میل جول سے پیدا ہوئی اور اب بھی یہی اس فرض کو انجام دیگی۔ یہ اس کے خمیر اور وضع و ترکیب میں ہے۔ اس لئے یہی تعلیم اور تبادلہ خیالات کا واسطہ بن سکتی اور قومی زبان کا دعوے کر سکتی ہے۔

جب تعلیم کا ذریعہ اردو قرار دیا گیا تو یہ کھلا اعتراض تھا کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کتابوں کا ذخیرہ کہاں ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ اردو میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس میں علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم ہو سکے۔ یہ صحیح ہے کہ اردو میں اعلیٰ تعلیم کے لئے کافی ذخیرہ نہیں۔ اور اردو ہی پر کیا منحصر ہے، ہندوستان کی کسی زبان میں بھی نہیں۔ یہ طلب و رسد کا عام مسئلہ ہے۔ جب مانگ ہی نہ تھی تو رسد کہاں سے آتی۔ جب ضرورت ہی نہ تھی تو کتابیں کیونکر مہیا ہوتیں۔ ہماری اعلیٰ تعلیم غیر زبان میں ہوتی تھی، تو علوم و فنون کا ذخیرہ ہماری زبان میں کہاں سے آتا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ اب ضرورت محسوس ہوئی ہے تو کتابیں بھی

مہیا ہو جائیں گی۔ اسی کمی کو پورا کرنے اور اسی ضرورت کو
رفع کرنے کے لئے سررشتۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ یہ
صحیح نہیں ہے کہ اردو زبان میں اس کی صلاحیت نہیں۔
اس کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں. سررشتۂ
تالیف و ترجمہ کا وجود اس کا شافی جواب ہے۔ یہ سررشتہ
یہی کام کر رہا ہے۔ کتابیں تالیف و ترجمہ ہو رہی ہیں
اور چند روز میں عثمانیہ یونیورسٹی کالج کے طالب علموں
کے ہاتھوں میں ہونگی اور رفتہ رفتہ عام شائقینِ علم تک
پہنچ جائیں گی۔

لیکن اس میں سب سے کٹھن اور سنگلاخ مرحلہ وضع
اصطلاحات کا تھا۔ اس میں بہت کچھ اختلاف اور بحث
کی گنجائش ہے۔ اس بارے میں ایک مدت کے تجربہ اور
کامل غور و فکر اور مشورہ کے بعد میری یہ رائے قرار پائی
ہے کہ تنہا نہ تو ماہرِ علم صحیح طور سے اصطلاحات وضع کر سکتا
ہے اور نہ ماہرِ لسان۔ ایک کو دوسرے کی ضرورت ہے۔ اور
ایک کی کمی دوسرا پورا کرتا ہے۔ اس لئے اس اہم کام کو صحیح طور
سے انجام دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں یک جا جمع کئے
جائیں تاکہ وہ ایک دوسرے کے مشورہ اور مدد سے ایسی اصطلاحیں
بنائیں جو نہ اہل علم کو ناگوار ہوں نہ اہل زبان کو۔ چنانچہ اسی
اصول پر ہم نے وضع اصطلاحات کے لئے ایک ایسی مجلس بنائی
جس میں دونوں جماعتوں کے اصحاب شریک ہیں۔ علاوہ ان کے

ہم نے اُن اہلِ علم سے بھی مشورہ کیا جو اس کی خاص اہلیت رکھتے ہیں اور بُعدِ مسافت کی وجہ سے ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے ۔ اس میں شک نہیں کہ بعض الفاظ غیر مانوس معلوم ہوں گے اور اہل زبان انہیں دیکھ کر ناک بھوں چڑھائیں گے ۔ لیکن اس سے گزیر نہیں ۔ ہمیں بعض ایسے علوم سے واسطہ ہے جن کی ہوا تک ہماری زبان کو نہیں لگی۔ ایسی صورت میں سوائے اس کے چارہ نہیں کہ جب ہماری زبان کے موجودہ الفاظ خاص خاص مفہوم کے ادا کرنے سے قاصر ہوں تو ہم جدید الفاظ وضع کریں ۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے محض ٹالنے کے لئے زبردستی الفاظ گھڑ کر رکھ دئے ہیں، بلکہ جس نہج پر اب تک الفاظ بنتے چلے آئے ہیں اور جن اصولِ ترکیب و اشتقاق پر اب تک ہماری زبان کاربند رہی ہے ، اس کی پوری پابندی ہم نے کی ہے ۔ ہم نے اُس وقت تک کسی لفظ کے بنانے کی جراُت نہیں کی جب تک اُسی قسم کی متعدّد مثالیں ہمارے پیشِ نظر نہ رہی ہوں ۔ ہماری رائے میں جدید الفاظ کے وضع کرنے کی اس سے بہتر اور صحیح کوئی صورت نہیں۔اب اگر کوئی لفظ غیر مانوس یا اجنبی معلوم ہو تو اس میں ہمارا قصور نہیں ۔ جو زبان زیادہ تر شعر و شاعری اور قصص تک محدود ہو، وہاں ایسا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں۔ جس ملک سے ایجاد و اختراع کا مادّہ سلب ہو گیا ہو جہاں لوگ نئی چیزوں کے بنانے اور دیکھنے کے عادی نہ ہوں، وہاں جدید الفاظ کا

غیر مانوس اور اجنبی معلوم ہونا موجب حیرت نہیں۔ الفاظ کی حالت بھی انسانوں کی سی ہے۔ اجنبی شخص بھی رفتہ رفتہ مانوس ہو جاتے ہیں۔ اول اول الفاظ کا بھی یہی حال ہے۔ استعمال آہستہ آہستہ غیر مانوس کو مانوس کر دیتا ہے اور صحت و غیر صحت کا فیصلہ زمانہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ ہمارا فرض یہ ہے کہ لفظ تجویز کرتے وقت ہر پہلو پر کامل غور کرلیں، آئندہ چل کر اگر وہ استعمال اور زمانہ کی کسوٹی پر پورا اترا تو خود ٹکسالی ہو جائیگا اور اپنی جگہ آپ پیدا کرلیگا۔ علاوہ اس کے جو الفاظ پیش کئے گئے ہیں وہ الہامی نہیں کہ جن میں ردّ و بدل نہ ہو سکے، بلکہ فرہنگِ اصطلاحاتِ عثمانیہ جو زیر ترتیب ہے پہلے اس کا مسودہ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جائے گا اور جہاں تک ممکن ہوگا اس کی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جائے گا۔

لیکن ہماری مشکلات صرف اصطلاحات علمیہ تک ہی محدود نہیں ہیں۔ ہمیں ایک ایسی زبان سے ترجمہ کرنا پڑتا ہے جو ہمارے لئے بالکل اجنبی ہے، اس میں اور ہماری زبان میں کسی قسم کا کوئی رشتہ یا تعلق نہیں۔ اس کا طرز بیان، ادائے مطلب کے اسلوب، محاورات وغیرہ بالکل جدا ہیں۔ جو الفاظ اور جملے انگریزی زبان میں بالکل معمولی اور روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں، اُن کا ترجمہ جب ہم اپنی زبان میں کرنے بیٹھتے ہیں تو سخت دشواری پیش آتی ہے۔ ان تمام دشواریوں پر

غالب آنے کے لئے مترجم کو کیسا کچھ خونِ جگر کھانا نہیں پڑتا۔ ترجمہ کا کام، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، کچھ آسان کام نہیں ہے۔ بہت خاک چھاننی پڑتی ہے تب کہیں گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے۔

اس سررشتہ کا کام صرف یہی نہ ہوگا (اگرچہ یہ اس کا فرضِ اولین ہے) کہ وہ نصاب تعلیم کی کتابیں تیار کرے، بلکہ اس کے علاوہ وہ ہر علم پر متعدد اور کثرت سے کتابیں تالیف و ترجمہ کرائے گا، تاکہ لوگوں میں علم کا شوق بڑھے، ملک میں روشنی پھیلے، خیالات و قلوب پر اثر پیدا ہو، جہالت کا استیصال ہو۔ جہالت کے معنی اب لاعلمی ہی کے نہیں بلکہ اس میں افلاس، کم ہمتی، تنگ دلی، کوتہ نظری، بے غیرتی، بد اخلاقی سب کچھ آجاتا ہے۔ جہالت کا مقابلہ کرکے اسے پس پا کرنا سب سے بڑا کام ہے۔ انسانی دماغ کی ترقی علم کی ترقی ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ علم کی اشاعت و ترقی کی تاریخ ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک انسان نے جو کچھ کیا ہے، اگر اس پر ایک وسیع نظر ڈالی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ جوں جوں علم میں اضافہ ہوتا گیا، پچھلی غلطیوں کی صحت ہوتی گئی، تاریکی گھٹتی گئی، روشنی بڑھتی گئی، انسان میدانِ ترقی میں قدم آگے بڑھاتا گیا۔ اسی مقدس فرض کے ادا کرنے کے لئے یہ سررشتہ قائم کیا گیا ہے اور وہ اپنی بساط کے موافق اس کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرے گا۔

لیکن غلطی، تحقیق و جستجو کی گھات میں لگی رہتی ہے۔ ادب کا

کامل ذوق سلیم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے نقاد اور مبصر فاش غلطیاں کر جاتے ہیں۔ لیکن اس سے ان کے کام پر حرف نہیں آتا۔ غلطی ترقی کے مانع نہیں ہے، بلکہ وہ صحت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ پچھلوں کی بھول چوک آنے والے مسافر کو رستہ بھٹکنے سے بچا دیتی ہے۔ ایک جاپانی ماہر تعلیم (بیرن کی کوچی) نے اپنے ملک کا تعلیمی حال لکھتے ہوئے اس صحیح کیفیت کا ذکر کیا ہے جو ہونہار اور ترقی کرنے والے افراد اور اقوام پر گزرتی ہے۔

"ہم نے بہت سے تجربے کئے اور بہت سی ناکامیاں اور غلطیاں ہوئیں، لیکن ہم نے ان سے نئے سبق سیکھے اور فائدہ اٹھایا۔ رفتہ رفتہ ہمیں اپنے ملک کی تعلیمی ضروریات اور امکانات کا صحیح اور بہتر علم ہوتا گیا اور ایسے تعلیمی طریقے معلوم ہوتے گئے جو ہمارے اہل وطن کے لئے زیادہ موزوں تھے۔ ابھی بہت سے ایسے مسائل ہیں جو ہمیں حل کرنے ہیں، بہت سی ایسی اصلاحیں ہیں جو ہمیں عمل میں لانی ہیں، ہم نے اب تک کوشش کی اور ابھی کوشش کر رہے ہیں اور مختلف طریقوں کی برائیاں اور بھلائیاں دریافت کرنے کے درپے ہیں، تاکہ اپنے ملک کے فائدے کے لئے اچھی باتوں کو اختیار کریں اور رواج دیں اور برائیوں سے بچیں۔"

اس لئے جو حضرات ہمارے کام پر تنقیدی نظر ڈالیں انہیں وقت کی تنگی، کام کا ہجوم اور اس کی اہمیت اور ہماری مشکلات پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ یہ پہلی سعی ہے اور پہلی سعی میں کچھ نہ کچھ خامیاں

ضرور رہ جاتی ہیں، لیکن آگے چل کر یہی خامیاں ہماری رہنما بنیں گی اور پختگی اور اصلاح تک پہنچائیں گی۔ یہ نقش اول ہے، نقش ثانی اس سے بہتر ہوگا۔ ضرورت کا احساس علم کا شوق، حقیقت کی لگن، صحت کی ٹوہ، جد و جہد کی رسائی خود بخود ترقی کے مدارج طے کرلے گی۔

جاپانی بڑے فخر سے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے تیس چالیس سال کے عرصے میں وہ کچھ کر دکھایا جس کے انجام دینے میں یورپ کو اتنی ہی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ کیا کوئی دن ایسا آئے گا کہ ہم بھی یہ کہنے کے قابل ہوں گے؟ ہم نے پہلی شرط پوری کردی ہے یعنی بیجا قیود سے آزاد ہو کر اپنی زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ لوگ ابھی ہمارے کام کو تذبذب کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور ہماری زبان کی قابلیت کی طرف مشتبہ نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیکن وہ دن آنے والا ہے کہ اس ذرّے کا بھی ستارہ چمکے گا، یہ زبان علم و حکمت سے مالا مال ہوگی اور **اعلیحضرت واقدس** کی نظر کیمیا اثر کی بدولت یہ دنیا کی مہذب و شایستہ زبانوں کی ہمسری کا دعوے کرے گی۔ اگرچہ اُس وقت ہماری سعی اور محنت حقیر معلوم ہوگی، مگر یہی شامِ غربت صبح وطن کی آمد کی خبر دے رہی ہے، یہی شب بیداریاں روزِ روشن کا جلوہ دکھائیں گی، اور یہی مشقت اُس قصرِ رفیع الشان کی بنیاد ہوگی جو آئندہ تعمیر ہونے والا ہے۔ اس وقت ہمارا کام صبر و استقلال سے میدان صاف کرنا،

داغ بیل ڈالنا اور نیو کھودنا ہے، اور فرہاد وار شیرینِ حکمت کی خاطر سنگلاخ پہاڑوں کو کھود کھود کر جوئے علم لانے کی سعی کرنا ہے۔ اور گو ہم نہ ہوں گے مگر ایک زمانہ آئیگا جب کہ اس میں علم و حکمت کے دریا بہیں گے اور ادبیات کی افتادہ زمین سرسبز و شاداب نظر آئے گی۔

آخر میں میں سررشتہ کے مترجمین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اپنے فرض کو بڑی مستعدی اور شوق سے انجام دیا۔ نیز میں ارکانِ مجلسِ وضعِ اصطلاحات کا شکر گزار ہوں کہ اِن کے مفید مشورے اور تحقیق کی مدد سے یہ مشکل کام بخوبی انجام پا رہا ہے۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ یہ سررشتہ جناب مسٹر محمد اکبر حیدری بی۔ اے معتمد عدالت و تعلیمات و کوتوالی و امور عامّہ سرکار عالی کا ممنون ہے جنھیں ابتدا سے قیام و انتظام جامعۂ عثمانیہ میں خاص انہماک رہا ہے۔ اور اگر ان کی توجہ اور امداد ہمارے شریک حال نہ ہوتی تو یہ عظیم الشان کام صورت پذیر نہ ہوتا۔ میں سید راس مسعود صاحب بی۔ اے (آکسن) آئی۔ اِی۔ ایس۔ ناظم تعلیمات سرکار عالی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی توجہ اور عنایت ہمارے حال پر مبذول رہی اور ضرورت کے وقت ہمیشہ بلا تکلف خوشی کے ساتھ ہمیں مدد دی۔

عبد الحق

ناظمِ سررشتۂ تالیف و ترجمہ (عثمانیہ یونیورسٹی)

ارکانِ دارالترجمہ

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ ناظم۔
قاضی محمد حسین صاحب۔ ایم۔ اے۔ رینگلر۔۔۔۔ مترجم ریاضیات
چودھری برکت علی صاحب بی۔ ایس۔ سی۔۔۔۔۔ مترجم سائینس
مولوی سید ہاشمی صاحب۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مترجم تاریخ۔
مولوی محمد الیاس صاحب برنی ایم۔ اے۔۔۔۔ مترجم معاشیات
قاضی تلمذ حسین صاحب یم۔ اے۔۔۔۔۔۔۔ مترجم سیاسیات
مولوی ظفر علی خاں صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم تاریخ۔
مولوی عبدالماجد صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔۔ مترجم فلسفہ ومنطق
مولوی عبدالحلیم صاحب شرر۔۔۔۔۔۔۔۔ مولف تاریخ اسلام
مولوی سید علی رضا صاحب بی۔ اے۔۔۔۔۔ مترجم قانون۔
مولوی عبداللہ العمادی صاحب۔۔۔۔۔۔۔ مترجم کتب عربی

علاوہ ان مذکورۂ بالا مترجمین کے مولوی حاجی صفی الدین صاحب ترجمہ شدہ کتابوں کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے لئے اور نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طبا طبائی) ترجموں پر نظر ثانی کرنے کے لئے مقرر فرمائے گئے ہیں۔

اراکین مجلس وضع اصطلاحات

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب — وظیفہ یاب سرکار عالی (سابق ناظم مردم شماری)

مولوی حمید الدین صاحب بی۔اے — صدر دار العلوم

نواب حیدر یار جنگ (مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی)

مولوی وحید الدین صاحب سلیم

مولوی عبد الحق بی۔اے — ناظم سررشتہ تالیف و ترجمہ

علاوہ ان مستقل ارکان کے، مترجمین سررشتہ تالیف و ترجمہ نیز دوسرے اصحاب سے بلحاظ اُنکے فن کے مشورہ کیا گیا۔ مثلاً

خان فضل محمد خانصاحب ایم۔اے رنیگلر (پرنسپل سٹی ہائی اسکول حیدرآباد)

مولوی عبد الواسع صاحب (پروفیسر دار العلوم حیدرآباد)

پروفیسر عبد الرحمٰن صاحب بی۔ایس۔سی (نظام کالج)

مرزا محمد ہادی صاحب۔بی۔اے (پروفیسر کرسچن کالج لکھنؤ)

مولوی سلیمان صاحب ندوی

سید راس مسعود صاحب بی۔اے (ناظم تعلیمات حیدرآباد) وغیرہ

فہرست

باب پنجم	جنگ صد سالہ	۱-۱۵۲
جزو اول	اڈورڈ سوم	۱
جزو دوم	ینگ پارلیمنٹ	۴۰
جزو سوم	جان وکلف	۵۱
جزو چہارم	کسانوں کی شورش	۷۶
جزو پنجم	رچرڈ دوم	۱۰۷
جزو ششم	خاندان لینکسٹر	۱۳۶
باب ششم	شاہی جدید	۱۵۳-۳۵۱
جزو اول	جین آف آرک	۱۵۳
جزو دوم	گلابوں والی لڑائی	۱۷۸
جزو سوم	شاہی جدید	۱۹۶
جزو چہارم	علوم جدیدہ	۲۳۱
جزو پنجم	وولزی	۲۷۵
جزو ششم	ٹامس کرامول	۳۰۴
باب ہفتم	”اصلاح“	۳۵۲-۶۶۲
جزو اول	فرقہ پروٹسٹنٹ	۳۵۲

جزو دوم	شہیدان اختلاف	۳۸۳
جزو سوم	ایلزبتھ	۴۰۶
جزو چہارم	انگلستان اور میری اسٹوارٹ	۴۴۱
جزو پنجم	ایلزبتھ کا انگلستان	۴۶۷
جزو ششم	آرمیڈا	۵۰۳
جزو ہفتم	عہد الزبتھ کے شعرا	۵۴۴
جزو ہشتم	فتح آئرلینڈ	۶۰۵
	ضمیمہ	۶۵۳

باب پنجم

جنگ صد سالہ

۱۳۳۶ — ۱۴۳۱

جزو اوّل

اڈورڈ سوم

۱۳۳۶ — ۱۳۶۰

[اسناد۔ والٹر (ہمنبرہ یا ہمنفرڈ) کے وقائع کا آخری حصہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعات کی خبریں جس طرح مصنف کو پہنچتی گئیں وہ اسی طرح انہیں درج کرتا گیا۔ جنگ کریسی پر یہ وقایع ختم ہو جاتا ہے۔ ہرن نے رابرٹ ایوسبری کا ایک دوسرا بیان اسی زمانہ کا شایع کیا ہے جو ۱۳۵۶ء تک کا ہے۔ نائٹن (کینن لیسٹر) تیسرا شخص ہے جس کے مضمون ٹوسٹن کے مجموعہ میں ملینگے۔ اس صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے

اوائل میں والسنگھم نے خانقاہ سنٹ البنز کے "اخبار" کو ہسٹوریا اینگلیکینا تاریخ انگلشیہ Historia Anglicana کی شکل میں ڈھال دیا ہے۔ یہ تاریخ اسی کے نام سے مشہور ہے اور اس کی کیفیت تالیف وغیرہ سلسلۂ صحائف" کے کرانیکا مونیسٹیرائی سنٹ البینی (وقایع خانقاہ سنٹ البنز Chronica Monasterii St. Albani کے دیباچوں میں ملے گی۔ رائمر کی فڈیرا (Foedera) میں اسناد وغیرہ بہت کثرت سے دئے گئے ہیں اور اس زمانے سے پارلیمنٹری رولز صحائف پارلیمنٹ Parliamentary Rolls میں سیاسی و تمدنی اطلاعات کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ خود فرانسیسی جنگ کے لئے ہماری اولین سند جیہن لی بل کا وقائع ہے۔ یہ شخص لی ایژ میں سنٹ لیمبرٹ کا کینن تھا اور اڈورڈ کی مہم اسکاٹلینڈ میں بذات خاص موجود تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے بقیہ ایام جان (ہیناسٹ) کے دربار میں گزارے تھے۔ یہ وقائع عہدنامہ برٹیگنی پر ختم ہوتا ہے اور اس موقع تک فرواسارٹ نے اپنی تصنیف میں بالکل اسی کی نقل کی ہے اور اسی میں اپنی خاص تحقیقات کا اضافہ کرتا گیا ہے۔ فلینڈرز اور برٹینی کی مہم اور کریسی کے حالات میں اس کی تحقیقات خصوصیت سے ممتاز ہے۔ فرواسارٹ ویلانسی اینس خاندان ہینالٹ سے تھا اس باعث سے ۱۳۶۱ء سے ۱۳۶۹ء تک ملکہ فلپا کے خانگی ملازمین میں داخل رہا اور اسی عالم میں اس نے اپنے مشہور وقائع کا پہلا اڈیشن تیار کیا۔ بعد کے ایک دوسرے ایڈیشن میں انگریزوں کی طرف اوس کا میلان بہت کم ہوگیا اور تیسرا اڈیشن جسے اس نے انگلستان سے بہت دنوں باہر رہنے کے بعد اپنے بڑھاپے میں شروع کیا تھا' صاف طور پر فرانسیسیوں کی جانبداری کی طرف مائل تھا۔ فرواسارٹ کی زندہ دلی اورخوش بیانی ہمیں اس کے جزیات کی عدم صحت کی طرف سے اندھا بنادیتی ہے۔ تاریخی استناد کے لئے وہ کچھ بھی قابل قدر نہیں ہے۔ کریسی اور ویلینی کے بعد کے تذکرے جو حملات انگلنڈ کے متعلق اس عظیم الشان وقائع میں آگئے ہیں زیادہ تر اہم ہیں۔ اس عہد کے متعلق زمانہ حال کی تصانیف

میں سب سے بہتر تصنیف مسٹر ڈبلیو. انگ مین کی ہسٹری آف اڈورڈ دی تھرڈ (تاریخ اڈورڈ سوم Hist. of Edward III) ہے۔ مسٹر (لارڈ) مارلی نے "مصنفان انگلستان" کے ضمن میں چاسر کے حالات بہت تفصیل سے لکھے ہیں]

(اس باب کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹوشنل ہسٹری ("تاریخ دستوری Constitutional History) جلد دوم شایع ہوئی۔ یہ جلد اس تمام دور پر شامل ہے)

انگلستان اڈورڈ سوم کے عہد میں

آخری نارمن بادشاہ کے عہد میں قومی اتحاد کی جو تحریک عظیم پیدا ہوئی تھی وہ بظاہر چودھویں صدی کے وسط میں اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور فاتح و مفتوح کے کامل طور پر مل کر ایک انگریزی قوم بن جانے کا بدیہی ثبوت یہ تھا کہ اعلیٰ طبقات تک میں فرانسیسی زبان متروک ہوگئی تھی باوجود ابتدائی مدارس (گریمر اسکولوں) کی کوششوں اور وضعداری کے نباہ کے اڈورڈ سوم کے عہد میں انگریزی زبان اس آخری فتح کے لئے راستہ صاف کر رہی تھی جس کی تکمیل اڈورڈ کے پوتے کے وقت میں ہوئی۔ عہد سابق کا ایک مصنف لکھتا ہے کہ "تمام قوموں کے دستور کے خلاف ہمارے مدارس میں بچے مجبور کئے جاتے ہیں کہ اپنی زبان کو چھوڑ کر اپنے سبق کے اسماء فرانسیسی زبان میں یاد کریں نارمنوں کی آمد کے وقت سے یہی ہو رہا ہے، امرا کے لڑکے جس وقت گہوارے میں جھولتے ہوتے ہیں اسی وقت سے انہیں فرانسیسی زبان سکھلائی جاتی ہے اور دیہات کے لوگ بھی ان امیروں کے

شل تھے اور اپنی وقت بڑھانے کے لئے بڑی مشکلوں سے
فرانسیسی بولنا سیکھتے ہیں"۔ رچرڈ کے وقت کا ایک مترجم
اس پر یہ اضافہ کرتا ہے کہ" پہلی وبا (سنہ ۱۳۴۹ء) کے قبل یہ
طریقہ زیادہ رائج تھا' اور اس کے بعد سے کچھ بدل گیا ہے'
کیونکہ جان کارنوال ایک ماہر قواعد نے ابتدائی مدارس کے
طریقہ تعلیم اور فرانسیسی کو بہ تکلف انگریزی میں ڈھالنے کے
طریقہ کو بدل دیا' رچرڈ پنکرگ نے تعلیم کا یہ طریقہ اس سے
سیکھا اور دوسروں نے پنکرگ سے حاصل کیا۔ چنانچہ اب سنہ ۱۳۸۵ء
میں فتح کے بعد سے نویں بادشاہ' رچرڈ کے دوسرے سنہ جلوس
میں' انگلستان کے تمام مدارس کے لڑکوں نے فرانسیسی زبان
سیکھنی چھوڑ دی ہے اور وہ انگریزی ہی میں پڑھتے اور ترجمہ
کرتے ہیں"۔ اس تغیر کی ایک زیادہ باضابطہ یادداشت
اس حکم میں ملتی ہے جو عدالتوں میں انگریزی زبان
جاری کرنے کے لئے سنہ ۱۳۶۲ء میں نافذ ہوا تھا "کیونکہ
فرانسیسی زبان بہت کم لوگ جانتے تھے"۔ دوسرے
سال چانسلر نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت اسی زبان
انگریزی کا استعمال کیا' اساقفہ انگریزی میں وعظ کہنے لگے
اور وکلف کے انگریزی رسالوں نے ایک بار پھر
اسے علمی زبان بنا دیا۔ قومی زبان کے اس عام
استعمال نے علم ادب پر بہت ہی زبردست اثر ڈالا۔
چودھویں صدی کے اوائل میں فرانسیسی افسانوں نے ہر جگہ محض

فرانسیسی کو علمی زبان بنانے میں مدد دی اور انگلستان میں اس اثر کو ہنری سوم اور ہر سہ اڈورڈ کے دربار کے فرانسیسی انداز سے تقویت حاصل ہو گئی تھی، مگر اڈورڈ سوم کے آخر عہد میں درجۂ نائٹ کے امرا کے لئے بھی بڑے بڑے فرانسیسی افسانوں کو انگریزی میں ترجمہ کرنے کی ضرورت پیش آنے لگی "عہدنامہ محبت" کا مصنف کہتا ہے کہ "پادری لاطینی میں لکھیں اور اسی میں بات چیت کریں۔ اہل فرانس بھی اپنے عجیب و غریب الفاظ فرانس میں بولا کریں، کیونکہ انہیں یہی آسان معلوم ہوتا ہے، مگر ہمیں اپنے تخیلات اسی زبان میں ظاہر کرنے چاہئیں جسے ہم نے اپنی ماؤں سے سیکھا ہے" لیکن نئی قومی زندگی میں اب انگریزی ادب محض "تخیلات" تک محدود نہیں تھا۔ اس کے لئے کچھ اور اعلیٰ و ارفع سامان مہیا ہو گیا تھا۔ قومی اتحاد کے مکمل ہونے کے ساتھ ہی قومی آزادی کا خیال بھی مکمل ہو گیا تھا۔ اڈورڈ اول کے عہد میں پارلیمنٹ نے محصول کی نگرانی پر اپنا حق قائم کرلیا تھا۔ اڈورڈ دوم کے وقت میں اس کے اختیارات وزرا کی علیحدگی سے گزر کر بادشاہ کے معزول کر دینے تک ترقی کر گئے تھے اڈورڈ سوم کے عہد میں پارلیمنٹ صلح و جنگ کے معاملات پر رائے دیتی، اخراجات کی نگرانی کرتی اور ملکی انتظامات کے طریقے معین کرتی تھی۔ تمدنی لحاظ سے انگریزی زندگی کی قوت، کاروبار کی وسعت، اون کی تجارت کی

روز افزوں ترقی، اور جنوبی ساحل پر فلینڈرز سے آئے ہوئے جولاہوں کے آباد ہو جانے سے مصنوعات کی کثرت عیاں تھی۔ یہی کیفیت شہروں کی ترقی میں بھی ظاہر ہوئی جہاں حرفتی انجمنوں نے تازہ فتح حاصل کی تھی۔ علیٰ ہذا زراعت کا نشو و نما زمینوں کی تقسیم اور مستاجر کسانوں اور آزاد اراضیداروں کے عروج سے ہویدا تھا۔ قوم کی مستعدی کی زیادہ اصلی نشانیاں قومی آزادی اور اخلاقی صداقت کے اس جوش سے ظاہر ہوئیں جو وکلف کے اعلان سے پیدا ہو گیا تھا خیال و احساس کی نئی قوتیں جن کا اثر انگریزی تاریخ کے عہد مابعد پر پڑنے والا تھا' نظام جاگیرات کو مٹا کر لولارڈوں کے انقلاب معاشرۃ کی صورت میں نمایاں ہوئیں اور فوجی عظمت و شوکت کے ایک فوری جوش نے کریسی اور پوائیٹرز کے عہد کو چمکا دیا۔

قوم کی اس نئی زندہ دلی کا جوش ہم جافری چاسر کی نظم میں بھی پاتے ہیں۔ چاسر سنہ ۱۳۴۰ء کے قریب پیدا ہوا تھا' وہ لندن کے ایک مے فروش کا لڑکا تھا جس کا مکان ٹیمز اسٹریٹ میں واقع تھا اور لندن ہی میں اس کی زندگی کا بیشتر زمانہ بسر ہوا تھا' اس کے خاندان کا شمار اگرچہ امرا میں نہیں تھا مگر اسے کچھ وقعت ضرور حاصل تھی کیونکہ چاسر کو امور دنیاوی میں قدم رکھتے ہی دربار سے تقرب حاصل ہو گیا۔ سولہ برس کی عمر میں وہ لایونل (کلیرنس) کی بیوی کا پیش خدمت مقرر ہوا۔ انیس برس کی عمر میں اس نے پہلی بار سنہ ۱۳۵۹ء کی

مہم میں ہتیار اٹھایا، مگر سوء اتفاق سے قید ہو گیا، اور معاہدہ بریٹگنی کے بعد رہا ہو کر پھر اس نے کبھی اپنے زمانہ کی فوجی اوالعزمیوں میں شرکت نہیں کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو پھر دربار سے تعلق ہو گیا تھا، اور یہی زمانہ تھا جب اسکی ابتدائی نظمیں شایع ہوئیں، اور اس وقت سے جان آف گانٹ کو اس کا مربی سمجھنا چاہئے۔ سات سفارتوں پر وہ روانہ کیا گیا تھا جو غالباً سب کی سب بادشاہ کے معاملات مال سے متعلق تھیں اور ان میں سے تین (یعنی ۱۳۷۲ء، ۱۳۷۷ء، ۱۳۷۸ء) کی سفارتیں اٹلی کو گئی تھیں۔ وہ جینوا گیا اور ملان میں ویسکانٹی کے شاندار دربار میں حاضر ہوا۔ فلورنس میں اسے بوکاچیو کی ملاقات کا موقع ملا ہوگا۔ وہاں دانتی کی یاد ابھی تازہ تھی جسے چاسر اپنی نظم میں ادب کے ساتھ "استاد اعظم" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ غالباً پیڈوا میں اسنے اپنے آکسفورڈ کے محرر کے مانند خود پٹرارکا کی زبان سے گریسیلڈس کا قصہ سنا ہوگا۔ وہ ایک مشغول الوقت اور کام کرنے والا آدمی تھا۔ وہ ۱۳۷۴ء میں محصولات بحری کا اور ۱۳۸۲ء میں محصولات متفرق کا محاسب تھا، ۱۳۸۶ء میں وہ پارلیمنٹ کا رکن ہو گیا، اور ۱۳۸۹ء سے ۱۳۹۱ء تک شاہی تعمیرات کا محرر رہا۔ اس زمانے میں اسے وسٹ منسٹر ونڈسر، اور ٹاور کے تعمیرات میں مصروف رہنا پڑا۔ اسکی صرف ایک تصویر ہم تک پہنچی ہے۔ اس میں ہمیں اسکی

چگی ڈاڑھی، اس کا تاریک رنگ لباس، پیٹی میں چاقو و قلمدان نظر آتے ہیں اور اس تصویر میں ہم خود اسی کے چند صاف بیانات کا اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس کے سکوت آمیز اور پر اسرار چہرے، تیز چال، موٹے موٹے گال، بھدی سی کمر سے ایک نرم مزاج خوش مذاق شخص کا انداز ظاہر ہوتا تھا لیکن لوگ اس کی خاموشی اور اس کے مطالعہ کے شغف پر مزاح کیا کرتے تھے۔ افسانہ کینٹربری میں (Host ہوسٹ (میزبان) ہنسکر کہتا ہے کہ "تم اس طرح دیکھتے ہو گویا تم کسی خرگوش کی تلاش میں ہو، میں دیکھتا ہوں کہ تم ہمیشہ زمین ہی پر نظر گاڑے رہتے ہو۔" جب دفتر کا کام ختم ہو جاتا تو وہ اپنے آس پاس کے لوگوں کی گفتگو کی طرف بہت کم توجہ کرتا تھا، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ "تو جلد جلد اپنے گھر کو جاتا ہے اور پتھر کی طرح خاموش رہتا ہے، تو دوسری کتاب لیکر بیٹھ جاتا ہے یہاں تک کہ تیرا چہرہ بالکل پریشان ہو جاتا ہے تو زاہد کی طرح زندگی بسر کرتا ہے، مگر تجھ میں پرہیزگاری کا اثر بہت کم معلوم ہوتا ہے۔" اس شوخ فقرے کے اضافہ نے خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔ لیکن اپنے ہم جنسوں سے اس طرح علیحدہ رہنے کا کوئی ثبوت اس کی نظم میں نہیں ملتا۔ کوئی نظم چاسر کی نظم سے زیادہ انسانیت کی ظاہر کرنے والی نہیں ہے کوئی اور نظم اس صفائی اور ملائمت کے ساتھ پڑھنے والوں کے دل

اثر نہیں کرتی۔ اس کے نغمہ کی پہلی ہی لے تازگی و مسرت کی لے ہے۔ اس کی زندگی ہی میں گاور نے اپنی ایک نظم میں لکھا ہے کہ "مسرت آمیز راگ و نغمے جو اس نے ہمارے لئے بنائے ہیں ان سے تمام ملک بھر گیا ہے" اور اس مسرت آفرینی کا اثر آج چار سو برس گزر جانے پر بھی ویسا ہی تازہ ہے جیسا اس وقت تھا۔ چاسر کی تصنیف کی تاریخی حیثیت صاف عیاں ہے! اور جس شاعرانہ ادب سے یہ تصنیف پیدا ہوئی ہے اس کے بالکل خلاف ہے۔ طول طویل فرانسیسی افسانے دولت و ثروت، کاہلانہ عجائب پسندی ایک وہی و تعیش پسند زمانہ کا نتیجہ تھے۔ ازمنہ وسطیٰ کی طرز زندگی جن قومی جذبات سے مرکب تھی ان میں سے مذہبی جوش نے مریم پرستی کی خفیف الحرکت تنزل کی حیثیت اختیار کرلی تھی اور جنگ کا جوش "فروسبت" کے لاف و گزاف سے ذلیل ہوگیا تھا۔ ایک "محبت" فی الحقیقت باقی رہ گئی تھی۔ در بدر پھرنے والے نغمہ سراؤں اور مثنوی خوانوں کا یہی ایک رنگ عام ہوگیا تھا گریہ محبت، محض نزاکت آفرینیوں افسانہ وار بیوقوفیوں، نمایشی مباحث، شہوانی لذائذ کے اظہار کا ذریعہ تھی، جذبات قلبی کے بجائے وہ ایک طرح کا کھیل بن گئی تھی۔ فطرت کو انسان کی مسرت آمیز بے فکری کے رنگ میں ڈھالا جاتا تھا۔ مغنیوں کے راگ میں زمانہ بہار دائماً موجود رہتا تھا۔ گھاس ہمیشہ سبز رہتی تھی، لوے اور بلبل کی نواسنجی کھیتوں اور جھاڑیوں

میں ہمیشہ جاری رہتی تھی۔ عالم خوشی میں انسان کی زندگی کے موقر اخلاق و ذہنی کاموں سے بے پروائی اختیار کرلی گئی تھی۔ زندگی اس قدر دلچسپ، خوش گوار، مسرت آمیز، فرحت انگیز، اور قیل و قال سے لبریز تھی، کہ سنجیدگی پیدا ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ یہ زمانہ باتوں کا زمانہ تھا۔ ہوسٹ (میزبان) کہتا ہے کہ "پتھر کی طرح صم بکم چلا جانا خوش دلی نہیں ہے" مغنیوں کی کوشش صرف یہ ہوتی تھی کہ ان کی باتیں سب سے زیادہ دل لبھانے والی ہوں۔

اس زمانے کے افسانے، سر ٹرسٹرام کی نظمیں، "قصہ گل" رنگ آمیزی اور مضمون آفرینی سے بھرے ہوئے ہیں ان کی تفصیل و جزئیات کی کوئی حد نہیں ہے مگر اس اطناب میں بھی ایک طرح کی فضول نمائش پائی جاتی ہے۔ خارجی اشیا کے بیان میں موشگافیاں ہوتی ہیں مگر باطنی دنیا کی نزاکت پر پہنچ کر ان کا بیان مبہم ہو جاتا ہے، یہی علم ادب تھا جس سے اب تک چاسر کو سابقہ پڑا تھا۔ اپنی ابتدائی تصانیف میں اس نے اسی کی پیروی کی تھی مگر ملان اور جنیوا جانے کے بعد سے اس کے خیالات فرانس کی قریب مرگ نظم کو چھوڑ کر اطالیہ کی پر زور اور روز افزوں شاعری کی طرف مائل ہوگئے تھے، دانتی کا عقاب، بلندی سے اس کی طرف دیکھتا تھا۔ ملک الشعرا فرانسس پٹرارک اس کے نزدیک وہ شخص ہے جس کی شاعری
۱۳ نے تمام اطالیہ کو نظم سے بھر دیا تھا" ٹرائلس (Troilus)
بوکاچیو کے فلوسٹراٹو (Filostrato) کا ایک بہت بڑھایا ہوا

انگریزی ترجمہ ہے "قصہ نائٹ" (Knight's Tale) میں ٹسیڈ (Tescide) کے کچھ کچھ آثار پائے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت ڈیکمیرن (Decameron) وہ کتاب ہے جس سے "افسانہائے کینٹربری کی ہیئت تک کا خاکہ لیا گیا ہے۔ مگر جس وقت چاسر انگریزی شاعری کے قالب کو بدل رہا تھا اس وقت بھی اس نے اپنی نمایاں شخصیت کو قائم رکھا۔ اگرچہ وہ سرتھوپیر کی نظم میں فراسیسی افسانہ کی ناگوار فضولیوں کی ہنسی اڑاتا ہے مگر فرانسیسی طرز میں باقی رکھنے کے لائق جو کچھ تھا اسے اس نے باقی رکھا، فرانسیسی ادب کی تیزی و جولانی اس کے ادائے مطلب کی لطافت، و درخشانی، اس کا ظاہری تمسخر، اس کی خوش دلی و خوش مزاجی، اس کی ناقدانہ تمکنت و خود داری، یہ تمام خصوصیات چاسر کی نظم میں بدستور باقی ہیں، فرانسیسی جودت نے تمام انگریزی مصنفین سے زیادہ اسی کے قوی احساس اور نیز طبیعت پر اثر ڈالا ہے۔ اس نے اس کے مبالغات کی اصلاح کی ہے اور اس کے ایک گونہ ثقیل اخلاق کو سبک کر دیا ہے۔ لیکن جب وہ فرانسیسی انداز کو چھوڑ کر اطالوی قصہ کی مسرت آمیز بے فکری کی طرف مائل ہوتا ہے تو انگریزوں کی سنجیدگی اخلاق سے اس کی تلافی کر دیتا ہے، وہ بوکیشیو کی پیروی کرتا ہے مگر اس کے تمام تغیرات پاکیزگی کی طرف مائل ہوتے ہیں، اور جہاں اس باشندہ فلورنس کی تصنیف عورت کے تلون مزاجی کے استہزاء پر ختم ہوتی ہے

وہاں چاسر ہمیں خدا کی طرف دیکھنے اور اس کی ناتغیر حالت
پر غور کرنے کا حکم دیتا ہے"۔

افسانہائے کنٹربری

لیکن چاسر کی طبیعت نہ فرانسیسی تھی نہ اطالوی ان
دونوں زبانوں سے اس نے فائدہ ضرور اٹھایا پھر بھی وہ
ازسرتاپا ایک انگریز تھا، اور ۱۳۸۴ء کے بعد سے غیر ملکی
اثر کے تمام و کمال نشان اس کی تحریروں سے ناپدید ہوگئے
تھے۔ اس کی وہ طولانی نظم جس پر اس کی شہرت کا مدار
ہے" اطالیہ کے پہلے سفر کے بعد شروع ہوئی تھی اور اس کے
بہترین قصے ۱۳۸۴ء اور ۱۳۹۱ء کے مابین لکھے گئے تھے، اسکی
زندگی کے آخری دس برس میں چند اور قصوں کا اضافہ ہوا،
مگر اس کی طاقت کم ہو رہی تھی اور ۱۴۰۰ء میں اس نے
ان محنتوں کو ترک کر کے اپنے آخری مکان میں آرام لیا،
یہ مکان وسٹ منسٹر میں معبد سنٹ میری کے باغ میں واقع
تھا۔ اس نے لندن سے کینٹربری کے سفر زیارت کا ایک
خاکہ تیار کیا اور اس سے نہ صرف بہت سے قصے جو مختلف
وقتوں میں مرتب ہوئے تھے ایک سلسلے میں منسلک ہوگئے
بلکہ اس سے اس کی شاعرانہ طبیعت نقالانہ تغیر پذیری اور ہمہ گیر
ہمدردی کی عجیب خصوصیات کا تمام و کمال اظہار ہو گیا،
اس کے قصے ازمنہ وسطی کی شاعری کے تمام اصناف پر
محیط ہیں۔ قسیس کی داستان، نائٹ کا افسانہ، مسافر کے عجائب
و غرائب، مقفیٰ قصوں کے وسیع مذاق تجنیسی و تشبیہی بیانات

اظہار کے لئے سب اس میں موجود ہیں۔ اپنی ذہانت کے اظہار کے لئے اسے ان قصہ گویوں کی شخصیت کے بیان میں اور بھی زیادہ وسیع میدان ہاتھ آگیا ہے، وہ تیس زائر جو مئی کے مہینے کی ایک صبح کو ٹیبرڈ واقع ساوتھ وارک سے روانہ ہوئے تھے۔ ان میں انگریزی سوسائٹی کے ایک امیر سے لیکر ایک ہل چلانے والے تک کی مثال موجود ہے۔ انہیں میں ہمیں ایک "نہایت مکمل شریف نائٹ" چغہ اور زرہ پہنے ہوئے ملتا ہے اس کے ساتھ اس کا گھونگروالے بالوں کا خادم ہے جس کا چہرہ صبح بہار کے مانند تازہ ہے، ان کے پیچھے ایک تیرہ رنگ معمولی سپاہی پیشہ شخص ہے جس کے جسم میں کوٹ سر پر سبز قبہ نما ٹوپی اور ہاتھ میں ایک عمدہ کمان ہے۔ مذہبی لوگوں کا ایک گروہ ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی حالت ہمارے سامنے روشن کرتا ہے۔ ان میں ایک قوی الاعضا شکار دوست راہب ہے جس کی لگام کی جھنکار کلیسا کی گھنٹی کی آواز کی طرح بلند و صاف ہے۔ بے فکر فرائر جو دیہات کے گداگروں اور ساز نوازوں میں سب سے مقدم ہوتا تھا، لمبی ڈاڑھی والا، عالم و مرتاض غریب پیش نماز جو حضرت عیسیٰؑ اور ان کے بارہ حواریوں کے عقائد کی تعلیم دیتا تھا اور خود سب سے اول ان پر عمل کرتا تھا۔ انہیں میں سرخ چہرہ والا عدالت کا پیادہ، "تھیلیوں میں معافیاں بھرے گرماگرم روما سے آنے والا معافی دہندہ" زندہ دل

رئیسہ خانقاہ جس کا لب و لہجہ فرانسیسی دربار کا سا تھا اور اس کا
چھوٹا سا چہرہ نازک و سرخ تھا، اور اس کے سینے پر گل بوٹے ہیں
منقوش تھا کہ "محبت ہر شے کو فتح کر لیتی ہے"۔ علم کی قائم مقامی
ایک عالم طب کی کیم شحیم شخصیت سے ہوتی تھی جو وبا
کے زمانے کی آمدنی سے دولتمند ہو گیا تھا، مشغول کار قانون
پیشہ جو ہمیشہ ضرورت سے زیادہ خود کو مصروف ظاہر کرتا
تھا، آکسفورڈ کا پچکے گالوں والا پادری جسے کتابوں سے الفت
تھی اور جس کے چھوٹے چھوٹے تیز جملوں سے اس کی باطنی
نرم مزاجی پر ایک پردہ پڑا ہوا تھا بالآخر یہ نرم مزاجی
گریسیلڈس کے قصہ میں ظاہر ہوئی۔ ان لوگوں کے ارد گرد
انگلستان کے ہر پیشے اور حرفت کے لوگ جمع تھے۔ ان میں
ایک تاجر تھا، ایک زمیندار تھا جس کے گھر میں برف باری
کے زمانہ میں بھی گوشت و شراب کا دور چلتا تھا، ایک
ملاح تھا جو رود بار کی لڑائیوں سے حال ہی میں واپس
آیا تھا، انہیں میں مقام باتھہ کی خوش مزاج بیگم تھی ایک
چوڑے سینہ کا چکی پیسنے والا تھا، بساطی، نجار، جولاہا، رنگریز،
قالین ساز، سب اپنی اپنی طرز خاص کے لباس میں نظر
آتے تھے۔ اور سب سے آخر میں وہ ایماندار ہل والا تھا،
جو غریبوں کے لئے بلا اجرت پشتہ بندی اور کھدائی کا کام
کر دیتا تھا۔ انگریزی شاعری میں یہ پہلا موقع ہے کہ ہمیں
خیالی و تمثیلی اور گذشتہ زمانے کے اشخاص سے واسطہ

نہیں پڑتا۔ بلکہ موجود الوقت اور زندہ لوگوں کے حالات سننے اور دیکھنے میں آتے ہیں۔ یہ لوگ جس قدر اپنی صورت شکل اپنے لباس اور اپنی طرز گفتگو میں ایک دوسرے سے مختلف تھے اسی قدر ان کے انداز طبیعت اور خیالات میں اختلاف تھا اور ہر ایک کا یہ امتیاز تمام قصہ میں ہزاروں گوناگوں خیال و عمل کے ذریعہ سے محفوظ رکھا گیا ہے۔ نیز یہی پہلا موقع ہے کہ ہم ڈراما کی اس قوت سے دو چار ہوتے ہیں، جس میں ہر شخص میں ایک خصوصیت ہی نہیں پیدا کی گئی ہے بلکہ اسے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ملا بھی دیا گیا ہے، جس میں ہر قصہ ہر مذاق نہ صرف کہنے والے کی طینت کے موافق رکھا گیا ہے بلکہ سب کو ایک متحدہ نظم میں ڈھال دیا گیا ہے۔ "افسانہائے کینٹربری" میں ہمیں اپنے ہر جانب زندگی کے آثار اس کی وسعت اس کے تنوع اور اس کے مشکلات کے اثر نمایاں نظر آتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ بعض قصوں میں جو ذرا پہلے مرتب ہوئے تھے قدیمی افسانہ نویسی کی گرانی اور عالمانہ نمائش پائی جاتی ہے، مگر یہ نظم ایک صاحب علم کی نہیں بلکہ ایک صاحب عمل کی تصنیف ہے۔ چاسر کو جنگ، دربار، کاروبار اور سفر کے تجربات سے تعلیم حاصل ہوئی تھی۔ اس کی تعلیم کتابی نہیں بلکہ عملی تھی، اور عملی طرز زندگی ہی سے وہ محبت رکھتا تھا، زندگی کے جذبات کی نزاکت،

اس کے لہو و لعب کی وسعت، اس کی مسرت، اور اس کے رنج، گریسلڈس کی سی نرم دلی، آسیا سا اور قیسیوں کو سمولٹ کے مانند محاورات کا شوق، اس کے افسانوں کی جان ہیں۔ یہی فراخ دلی اور وسیع رواداری ہے جس کی وجہ سے وہ انسان کا نقشہ اس سلیقے سے کھینچتا ہے کہ سوا شکسپیر کے کسی اور میں یہ سلیقہ نہیں پایا جاتا اور اسے بھی اس نے ایسے موثر زود اثر اور تلطف آمیز مذاق اور تازگی و مسرت کے احساس کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شکسپیر بھی اس پر سبقت نہ لیجا سکا۔

مقام تعجب ہے کہ اس کمال کی صدائے بازگشت بعد کے نظم لکھنے والوں میں نہ سنی گئی بلکہ جس طرح اس زمانے کی شان و شوکت اور امیدوں کا دفعتہً بالکل خاتمہ ہو گیا اسی طرح انگریزی نظم کا یہ پہلا جوش بھی چاسر کے ساتھ ہی کلیتہً فنا ہو گیا۔ کریسی اور "افسانہائے کینٹربری" کی مختصر چمک دمک کے بعد سو برس تک نہایت ہی سخت پژمردگی چھائی رہی اڈورڈ سوم کے بعد سے جون آف آرک کے وقت تک کا زمانہ انگریزی تاریخ میں سب سے زیادہ تیرہ و تار اور غمناک زمانہ ہے۔ انگریزی نظم معاشرت کے ہر درجہ میں جو امید و رفعت اس زمانہ کے اوائل میں پیدا ہو گئی تھی وہ اس کے اختتام میں بے عملی اور نا امیدی میں مبدل ہو گئی۔ دنیاوی زندگی فی الحقیقت اپنے انداز پر چلتی رہی، کاروبار میں بھی وسعت ہوتی گئی، مگر یہ ترقی قومی بہبودی کے تمام اعلیٰ عناصر سے علیحدہ ہو گئی تھی۔

شہر و قصبات میں پھر معدودے چند اشخاص کا دور دورہ ہو گیا۔ وابستگان اراضی جو آزادی کی طرف بڑھ رہے تھے پھر نیم غلامانہ حالت میں جا پڑے جس کے آثار اب تک اس سرزمین پر باقی ہیں۔ علم ادب انتہائی پستی کو پہنچ گیا، لولارڈ کی تجدید مذہب بزور شمشیر پامال کی گئی اور کلیسا ایک خودغرض دنیاوی قبیلیت کی حالت میں محدود ہو گیا۔ ملکی مناقشہ کی زد میں آکر سیاسی آزادی کا بالکل ہی خاتمہ ہو گیا، اور جو عہد نیک پارلیمنٹ سے شروع ہوا تھا وہ شاہان ٹیوڈر کی مطلق العنانی پر ختم ہوا،

انگلستان فرانس

اس تغیر کے راز کا پتہ اس مہلک جنگ سے چلتا ہے جس نے سو برس سے زائد تک انگریزی قوم کی طاقت کو ضائع اور اس کی حالت کو تباہ کیا۔ اسکاٹلینڈ کے حملہ کا حال ہم دیکھ چکے ہیں کہ اس کا انجام تباہی پر ہوا، مگر اس کشمکش کا یہیں خاتمہ نہیں ہو گیا بلکہ اس نے انگلستان کو ایک دوسرے جھگڑے میں پھنسا دیا جس کی طرف اب ہم متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ مناقشہ اس سے زیادہ تباہی کا باعث ہوا جسے اڈورڈ اول نے شروع کیا تھا۔ اسکاٹلینڈ ہی کی جنگ کی وجہ سے فرانس سے وہ کشاکش شروع ہوئی جو سو برس تک جاری رہی۔ فرانس اول ہی سے شمال میں اپنے رقیب کی کامیابی کو غور سے دیکھتا رہا تھا۔ کچھ تو حسد کی وجہ سے مگر زیادہ تر اس وجہ سے کہ فرانس کو اس وقت موقع تھا کہ الینر کی وراثت کا جو حصہ شاہان انگلستان کے پاس باقی رہ گیا تھا یعنی جنوب فرانس کی

الارتھائے گی رین و گیسکنی، ان پر قابض ہو جائے چنانچہ اسکاٹلینڈ کے اپنے شہنشاہ اڈورڈ اول کے دعول سے روگردانی کرتے ہی فرانس نے نارمنڈی اور سنک پورٹز کے ملاحوں کی باہمی رقابت کو وجہ مخالفت قرار دے کر جنگ کا بہانہ پیدا کرلیا، ایک بہت بڑی بحری جنگ واقع ہوئی اور آٹھ ہزار فرانسیسی اس
۱۲۹۳ جنگ میں کام آئے۔ فرانس کے مناقشہ سے بچنے کی اڈورڈ کو اس قدر فکر تھی کہ اس کی دھکیوں نے انگریزی ملاحوں میں خاص سرکشی پیدا کردی۔ ملاحوں نے اپنے عذر میں لکھا تھا کہ "بادشاہ کی مجلس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر حق کے خلاف ان پر کسی طرح سے بھی زیادتی یا سختی کی گئی تو وہ فوراً ہی اپنے بیوی بچوں اور تمام چیزوں کو چھوڑ کر سمندر میں جہاں ان کا نفع نظر آئے گا چلے جائیں گے۔" اس لئے باوجود اڈورڈ کی کوششوں کے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی اور فلپ کو موقع ملا کہ اپنے حق شاہی کے خلاف ان ناصواب کارروائیوں کی جوابدہی کے لئے بادشاہ کو اپنے دربار پیرس میں طلب کرے۔ اب بھی اڈورڈ نے جنگ سے بچنا چاہا اور ضابطہ پورا کرنے کے لئے چالیس روز کے اندر اندر صوبہ گی رین فلپ کے حوالہ کردیا، مگر شاہ فرانس نے پھر اس صوبے کے واپس دینے سے انکار کردیا اس سے سوا جنگ کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا۔ اسکاٹلینڈ کے بیرنوں کا اس کی طلب پر ہتیار اٹھانے سے انکار کردینے اور بیلیل کے باغی ہو جانے سے ثابت ہو گیا کہ فرانسیسی چیرہ دستی

حملہ کی ایک مجوزہ و طے شدہ تجویز کی پہلی ضرب تھی۔ ایک وقت
تک اڈورڈ کے پاس اتنی فوج ہی نہیں تھی کہ وہ اسے فرانس
میں ضائع کرے اور جب اسکاٹلینڈ کی پہلی فتح سے اسے فرانس
میں کارروائی کرنیکا موقع ملا تو بیرنوں کے مناقشہ نے فلینڈرز کے
اس اتحاد کو بیکار کر دیا جو گی رین کے واپس لینے کے لئے کیا گیا
تھا۔ فلپ سے عارضی صلح ہو جانے سے اسے جدید شمالی مشکلات
کے مقابلہ کرنے کا موقع ملا فالکرک کی فتح کے بعد بھی فرانس
کی تہدید اور اسکاٹلینڈ کے حلیف بانیفیس ہشتم کی مداخلت نے
مزید چھ برس کے لئے اسکاٹلینڈ کی آزادی کو بچا لیا' اور ان
دونوں اتحادیوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کے باعث ہی
اڈورڈ' اسکاٹلینڈ کو پوری طرح مطیع کر سکا۔ بروس کی سرکردہ ۱۳۰۴ء
بغاوت کو پھر فرانس کی امداد اور گینی کے مناقشہ کے تازہ
ہو جانے سے تقویت حاصل ہو گئی۔ یہ مناقشہ اڈورڈ دوم
کے عہد میں بھی انگلستان کی راہ میں حائل رہا اور بالواسطہ
اڈورڈ کے مصیبتناک انجام کا باعث ہوا۔ اڈورڈ سوم کی تخت نشینی
سے ایک وقت کے لئے امن حاصل ہو گیا مگر اس کے
عہد کے شروع ہوتے ہی اسکاٹلینڈ پر حملہ ہو جانے سے مخاصمت
ازسرنو پیدا ہو گئی۔ نوعمر شاہ ڈیوڈ کو فرانس میں پناہ ملی
اور اس کے حامیوں کی تقویت کے لئے وہاں سے ہتھیار، روپیہ
آدمی بھیجے گئے۔ عین اس وقت کہ کامیابی اڈورڈ کا قدم
چومنے کو تھی فرانس کی اس در اندازی سے اسکاٹلینڈ کی

۱۳۴۲ اطاعت کی امیدیں خاک میں مل گئیں۔ فلپ (والوا) کے صاف طور پر یہ اعلان کر دینے سے کہ از روے معاہدات وہ اپنے قدیم حلیف کو موثر مدد دینے پر مجبور ہے، اور اس کے ساتھ ہی
۱۳۴۳ فرانسیسی بیڑے کے آبنائے میں جمع ہو جانے سے اڈورڈ کو شمال کے جھگڑوں سے پلٹ کر اس طوفان کے مقابلہ کے لئے جانا پڑا جسے اب وہ نامہ و پیام سے روک نہیں سکتا تھا۔

ابتداے جنگ ۱۳۳۷

اول ہی سے اس جنگ نے تمام یورپ کو اپنے حد اثر میں لے لیا تھا۔ شہنشاہی کی کمزوری اور دربار پوپ کے اوینیون میں مقید ہو جانے سے یورپ میں فرانس کا کوئی مد مقابل نہیں رہا تھا، تعداد اور دولت دونوں میں فرانسیسی قوم اپنے آبنائے پار کے ہمسایوں سے بہت بڑھی ہوئی تھی۔ انگلستان میں مشکل سے چالیس لاکھ آدمیوں کی آبادی ہوگی درانحالیکہ فرانس کو دو کروڑ کی آبادی کا فخر حاصل تھا۔ اڈورڈ صرف آٹھ ہزار زرہ پوش میدان جنگ میں لا سکتا تھا اس کے برخلاف فلپ اس حال میں بھی کہ اس کی ایک ثلث فوج کسی اور جگہ مشغول کار ہو چالیس ہزار سپاہ اس کے مقابلے میں بھیج سکتا تھا۔ اڈورڈ کی تمام کوشش اس امر پر صرف ہو رہی تھی کہ مختلف سلطنتوں کے اتحاد کے ذریعہ سے فرانس کا مقابلہ کرے شہنشاہی کے وہ بڑے بڑے باجگذار جو فرانس سے متصل تھے سب ڈر رہے تھے کہ مبادا فلپ ان کی ریاستوں کو فرانس سے ملحق نہ کر لے۔ اس خوف اور نیز شہنشاہ و پوپ کے مناقشہ

سے اڈورڈ کی تجویز کو بہت مدد مل گئی۔ گوڈالفن اور پٹ نے زمانہ
مابعد میں جو طرز اختیار کی اس میں اڈورڈ نے ان سے تقدم حاصل
کرلیا تھا۔ وہ جرمن کے تہیدست رئیسوں کا میر بخشی بن گیا،
اس کی امداد کے باعث ہینالٹ، گلڈرس اور یولش اس کے
معاون ہوگئے۔ ساٹھ ہزار کراؤن ڈیوک بریبانٹ کے حصے میں
آئے۔ اور تین ہزار طلائی فلورن کے وعدے نے خود شہنشاہ کو
دو ہزار مسلح اشخاص مہیا کردینے پر آمادہ کردیا۔ اس تمام جوڑ توڑ
اور فیاضانہ اخراجات سے بادشاہ کو اس کے سوا کچھ بھی حاصل ۱۳۳۸
نہ ہوا کہ اسے رائن سے بائیں جانب کے حصہ شاہی کے
وکار جنرل کا خطاب مل گیا، کبھی شہنشاہ پیچھے رہ جاتا
کبھی رفقا حرکت کرنے سے انکار کردیتے تھے۔ آخرکار
جب فوج نے سرحد کو عبور کیا تو شاہ فرانس کو ۱۳۳۹
مقابلہ پر لانا اڈورڈ کے لئے ناممکن ہوگیا مگر جب
شہنشاہ کے معاونت کی امید کم ہونے لگی تو ایک
اور جانب سے بادشاہ کے دل میں ایک تازہ امید
پیدا ہوگئی۔ فلینڈرز کو قدرت نے اس کا رفیق
بنا دیا تھا، ممالک مغرب میں سب سے زیادہ اُون
انگلستان میں پیدا ہوتی تھی مگر اُون کے کپڑے
انگلستان میں بہت ہی کم بنتے تھے۔ جولاہوں
کی انجمنوں کی تعداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ
یہ تجارت آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی اور اڈورڈ نے اپنے

عہد کے شروع ہوتے ہی اس کی ہمت افزائی کی کارروائیاں جاری کردی تھیں۔ اس نے فلینڈرز کے جولاہوں کو اپنے ملک میں آباد ہونے کے لئے بلایا اور ان جولاہوں نے مشرقی صوبوں کو اپنی تجارت کا مرکز بنانا پسند کیا اڈورڈ نے انہیں اپنی خاص حفاظت میں لے لیا، مگر انگریزی صنعت ابھی بالکل ابتدائی حالت میں تھی اور انگلستان کی اون کے دس میں سے نو حصے بروژ اور گنٹ کے کارگھوں میں جاتے تھے۔ اس تجارت برآمد کی روز افزوں ترقی کا اندازہ ہم اس سے کر سکتے ہیں کہ صرف اون کے محصول سے ایک برس میں بادشاہ کو تیس ہزار پونڈ سے زیادہ وصول ہوئے۔ اس برآمد کے روک دینے سے فلینڈرز کے بڑے بڑے شہروں کی نصف سے زائد آبادی بیکار ہو جاتی۔ فلینڈرز، انگلستان کے اتحاد کی طرف صرف تجارتی غرض ہی سے مائل نہیں تھا بلکہ شہروں کے جمہوری جذبات جو فرانس کے نظام جاگیرات سے برسر پرخاش تھے، وہ بھی اس اتحاد کے موئد تھے۔ ڈیوک برابانٹ اور فلینڈرز کے شہروں کے درمیان ایک معاہدہ مکمل ہو گیا تھا، اور ایک نئی مہم کے لئے
۱۳۴۰ تیاریاں شروع ہو چکی تھیں فلپ نے بمقام سلوئس دوسو جہازوں کا ایک بیڑہ جمع کیا تاکہ اڈورڈ کو رودبار کے عبور کرنے سے روک دے مگر اڈورڈ نے نسبتاً بہت ہی کم طاقت کے ایک بیڑے سے فرانسیسی جہازوں کو تباہ کر دیا اور ٹورنے کے محاصرے کے لئے روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کا محاصرہ بے نتیجہ ثابت ہوا، اس کی

کثیر التعداد فوج شکست کھا گئی اور روپیہ کی کمی نے ایک برس کی عارضی صلح کے لئے اسے مجبور کر دیا۔ ۱۳۴۱ء میں امارت برٹینی کی جانشینی کا جھگڑا پیدا ہو گیا اور دو رقیب دعویداروں میں سے ایک کی حمایت فلپ نے اور دوسرے کی اڈورڈ نے کی، یہ جھگڑا سالہا سال چلتا رہا۔ فلینڈرز میں انگریزوں کے معاملات خراب ہو رہے تھے اور مدبر اعظم وین آرٹیوٹ کی موت اڈورڈ کے منصوبوں کے لئے ایک مہلک ضرب ثابت ہوئی۔ بادشاہ کے مشکلات آخر کار اپنی انتہا کو پہنچ گئے فلورنس کے بڑے بڑے ساہوکاروں کا قرضہ انگریزی سکۂ حال کے حساب سے پانچ لاکھ تک پہنچ گیا، صلح کی بابت اس کی سبقت، حقارت کے ساتھ مسترد کر دی گئی۔ اس کے تاج فرانس کے دعویٰ کی گینٹ کے چند باشندوں کے سوا کسی ایک شخص نے بھی حمایت نہیں کی۔ فی الحقیقت اس قسم کے دعوے کا قائم کرنا بہت مشکل تھا۔ فلپ دی فیر (حسین) کے تینوں بیٹے لاولد انتقال کر گئے تھے، اور اڈورڈ نے فلپ کی لڑکی ازابیلا کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے تاج کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن ازابیلا کے بھائیوں نے اگر بیٹے نہیں چھوڑے تھے تو انکی بیٹیاں موجود تھیں اور اگر عورت کی جانشینی تسلیم کی جاتی تو فلپ کے بیٹوں کی یہ لڑکیاں فلپ کی لڑکی کے بیٹے پر مقدم تھیں۔ ازابیلا نے اس مشکل کا جواب یہ دیا کہ عورت جانشینی کا حق منتقل کر سکتی ہے مگر خود اس حق پر قابض

نہیں ہو سکتی اور اس کا بیٹا فلپ کے موجودہ اخلاف ذکور میں سب سے قریب تر ہے، اور وہ فلپ کی زندگی ہی میں پیدا ہو چکا تھا اس لئے وہ اُن اولاد اناث کے مقابلہ میں جو فلپ کے تعلق کے لحاظ سے اس سے برابر درجہ میں ہیں حق مرجح رکھتا ہے، مگر فرانسیسی متقنین کے زیادہ حصے نے یہی رائے دی کہ صرف مرد کی جانشینی کے وسیلہ سے تخت کا حق حاصل ہو سکتا ہے، اس اصول پر خود فلپ کے وسیلہ سے حق وراثت ختم ہو گیا اور تاج اسکے بھائی چارلس (والوا) کے بیٹے کی طرف منتقل ہو گیا، اور وہ امن و امان کے ساتھ فلپ ششم کے لقب سے تخت نشین ہوا، دونوں جانب یہ خیال کیا جاتا تھا کہ اڈورڈ کا دعویٰ محض ایک رسم کا ادا کرنا تھا اور فی الواقع بادشاہ نے گی ین کی امارت کے لئے اپنے حریف کی کامل اطاعت کا اظہار
۱۳۳ گیا۔ لیکن جب جرمنی سے اس کی تمام امیدیں منقطع ہو گئیں اور فلینڈرز کے شہروں سے وفادارانہ امداد کے حاصل کرنے میں اس کا دعوےٰ مفید ثابت ہوتا نظر آیا اس وقت اس نے اس دعوے کو پوری قوت کے ساتھ پیش کیا +

غیروں سے ناامید ہو کر اڈورڈ کو خود انگلستان کے وسائل سے کام لینا پڑا۔ تیس ہزار سپاہ ساتھ لئے ہوئے وہ لاہوگ میں اترا اور وہاں سے آگے بڑھا۔ اس کے اس کوچ نے جنگ کی تمام صورت ہی بدل دی، فرانسیسی

فوجیں اس انگریزی فوج کے روکنے میں مشغول تھیں جو گی رین میں اتری تھی اور جب اڈورڈ نے نارمنڈی کی طرف بڑھنا شروع کیا تو شاہ فرانس بالکل اضطراب میں پڑ گیا کیونکہ اڈورڈ نشیبی سین کے پلوں کو ٹوٹا ہوا پاکر سیدھا پیرس کی طرف بڑھ گیا تھا، اس نے پوایسی کے پل کو دوبارہ تعمیر کرلیا اور پائے تخت کو خطرے میں ڈال دیا۔ لیکن اس نازک وقت میں فرانسیسیوں کو جرمن سواروں کے ایک دستہ سے غیر متوقع مدد مل گئی۔ پوپ نے بویریا کے شہنشاہ لیوس کو معزول کرکے بوہیمیا کے بادشاہ (جان) کے ایک بیٹے کو شہنشاہی کا تاج پہنا دیا تھا۔ یہی شہنشاہ چارلس چہارم "زرین فرمان" کے نام سے مشہور ہوا، مگر پوپ کے اسطرح پر جرمن تاج کے عطا کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لینے سے تمام جرمنی ایک شخص واحد کی طرح اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، اور چارلس کو فلپ سے امداد حاصل کرنیکے لئے بھاگنا پڑا۔ وہ اس وقت مع اپنے باپ اور پانچسو سواروں کے فرانس میں موجود تھا، اس جرمن فوج نے پیرس کی جانب عاجلانہ کوچ کرکے اس فوج کی بنیاد قائم کردی جو بتدریج سنٹ ڈینس میں جمع ہوئی۔ اس فوج کو جنیوا کے پندرہ ہزار کمان داروں سے بھی مزید تقویت پہنچ گئی، یہ کمان دار ژبیں موناکو (واقع ریویرا) سے اجرتاً لئے گئے تھے اور عین اس ضرورت کے وقت آپہنچتے تھے گی رین سے

فرانسیسی فوجیں بھی مدد کے لئے بلائی گئی تھیں۔ اپنے سامنے تیزی کے ساتھ اس جمعیت کثیر کو جمع ہوتے دیکھ کر اڈورڈ نے پیرس کی طرف بڑھنا ترک کر دیا اور دریائے سین کو عبور کر کے فلینڈرز والوں کی فوج سے مل جانا چاہا جو گراولینز میں جمع ہوئی تھی تاکہ شمال میں اس مہم کی کارروائی جاری رکھے، مگر اس راستہ میں دریا کو بہت خوبی کے ساتھ محفوظ کیا گیا تھا اور جو کثیر فوج عاجلانہ کوچ کرتی ہوئی اس کے تعاقب میں آرہی تھی خود کو اس کے حوالہ کر دینے کی مجبوری سے اڈورڈ صرف اس طرح بچا کہ دریائے سوم کی شلخ بلانشش ٹاک کو اس نے اچانک لے لیا، لیکن جب اس کے وسائل آمد و رفت محفوظ ہو گئے تو وہ فوراً قریہ کریسی واقع پانتھو میں رک کر نبرد آزمائی کے لئے آمادہ ہو گیا، اس کی فوج کی تعداد متواتر یلغاروں کی وجہ سے بہت کم ہو گئی تھی، اور جو تھی اس میں بھی نصف کے قریب آئرلینڈ و ویلز کے ہلکے ہتھیاروں سے مسلح پیدل تھے، باقی حصہ کثیر انگریزی کمان داروں پر مشتمل تھا۔ بادشاہ نے اپنے زرہ پوش سواروں کو گھوڑے سے اتر پڑنے کا حکم دیا، اور ایک قدرے اونچی زمین پر (جو جنوب مشرق کی طرف بتدریج ڈھلتی گئی تھی)، اپنی فوجوں کو صف آرا کیا۔ اس کی بلندی پر ایک ہوائی چکی تھی جہاں سے وہ خود تمام میدان کا نظارہ کر سکتا تھا۔ عین اس کے نیچے اس کی مستحفظ فوج تھی اور ڈھال کے دامن میں خاص

فوج دو حصوں میں مرتب کی گئی تھی' دست راست کی فوج
اڈورڈ شہزادہ ویلز یعنے شہزادہ اسود" کے تحت میں تھی اور
دست چپ کی فوج ارل نارتھیمپٹن کے زیر حکم تھی ایک کریسی
چھوٹی سی کھائی انگریزی مورچوں کی حفاظت کرتی تھی اور ۲۶ اگست ۱۳۴۶
اس کے عقب میں تیر انداز ہلالی شکل میں کھڑے ہوئے تھے
اور ان کے بیچ بیچ میں چھوٹے چھوٹے دستے گولہ اندازوں
کے تھے جو "گھوڑوں کو ڈرانے کے لئے آگ کے ذریعہ سے
لوہے کے گولے پھینکتے تھے"۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میدان جنگ
میں توپخانہ کا استعمال ہوا' انگریزی فوج کے رک جانے نے
قلب کو گھبرا دیا' اور اس نے اولاً یہ چاہا کہ اپنی فوج کو
آگے بڑھنے سے روک لے' مگر وہ بے ترتیب غول انگریزی
صف تک پہنچ ہی گیا۔ اپنے دشمنوں کو دیکھ کر نفرت کی
وجہ سے بادشاہ کا خون بھی جوش میں آگیا اور شام ہوتے ہوتے
لڑائی چھڑ گئی۔ جینوا کے کمانداروں کو حملہ کی ابتدا کرنے کا
حکم دیا گیا مگر یہ لوگ کوچ کی وجہ سے تھکے ہوئے تھے
اور یک بیک بارش ہو جانے سے ان کی کمانیں بھیگ کر
بیکار ہو گئی تھیں فرانسیسی جس قدر شور مچاتے ہوئے مقابلہ
کے لئے بڑھے انگریزی فوج نے اسی قدر استقلال و خاموشی کا
اظہار کیا مگر ان کی پہلی ہی تیر اندازی کا جواب نہایت
سخت دیا گیا۔ انگریزی فوج کے تیر اس طرح چل رہے
تھے کہ "معلوم ہوتا تھا برف گر رہی ہے" اہل جینوا جب

پیچھے ہٹے تو فلپ چلا اٹھا کہ "ان بدمعاشوں کو مار ڈالو" اور اس کے مسلح سپاہی ان کی شکستہ صفوں میں قتل عام کرتے ہوئے ٹوٹ پڑے دوسری جانب الانسان اور فلینڈرز کے کاؤنٹ فرانسیسی سواروں کے ساتھ شہزادے کی صف پر حملہ آور ہوئے ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کی مختصر فوج کا بالکل خاتمہ ہو جائیگا مگر اڈورڈ نے مدد بھیجنے سے انکار کر دیا' اس نے قاصد سے پوچھا کہ" آیا وہ مرگیا ہے' یا اس قدر زخمی ہو گیا ہے کہ وہ خود اپنی مدد نہیں کر سکتا" قاصد نے جواب دیا کہ" حضور ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی بلکہ شہزادے کی فوج سخت نرغہ میں آگئی ہے اور مدد کی بیحد ضرورت ہے" بادشاہ نے کہا کہ" سر ٹامس جن لوگوں نے تمہیں بھیجا ہے ان کے پاس واپس جاؤ اور ان سے کہدو کہ جب تک میرا بیٹا زندہ ہے تمہیں پھر میرے پاس نہ بھیجیں اس لڑکے کو نام آوری حاصل کرنے دو' اگر خدا کو منظور ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آج کی فتح اسی کے نام پر ہو اور یہ عزت اسے اور نیز ان لوگوں کو حاصل ہو جن کی سپردگی میں میں نے اس لڑکے کو دیا ہے" فی الحقیقت اڈورڈ اپنی بلند جگہ سے دیکھ رہا تھا کہ صورت حال اچھی ہے۔ انگریزی کماندار اور زرہ پوش اپنی جگہ پر ثابت قدمی سے قائم تھے۔ اور اہل ویلز ہنگامہ جنگ میں فرانسیسی گھوڑوں کو خنجر مار رہے تھے' اور سوار کے بعد سوار زمین پر گرتا جاتا تھا۔

بہت جلد فرانسیسی فوج میں ہولناک اضطراب برپا ہو گیا۔ بوہیمیا کے نابینا بادشاہ نے اپنے گرد کے جرمن امرا سے بآواز بلند کہا کہ "میرے دوستو! تم میرے ماتحت ہو، میں تم سے التجا اور درخواست کرتا ہوں کہ اس لڑائی میں مجھے اتنی دور لے چلو کہ میں اپنی اس تلوار سے ایک اچھی ضرب لگا سکوں۔" اپنے گھوڑوں کی لگامیں ایک دوسرے کے ساتھ باندھ کر یہ مختصر گروہ اس حصے میں گھس گیا جہاں سب سے زیادہ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی اور اپنے ہمراہیوں کی طرح وہ بھی سب کے سب کام آگئے۔ جنگ کا رخ برابر فرانسیسیوں کے خلاف ہو رہا تھا، آخرکار فلپ نے خود میدان سے فرار اختیار کیا اور شکست تباہی کی صورت میں بدل گئی۔ بارہ سو سوار اور تیس ہزار پیدل میدان جنگ میں کھیت رہے۔ یہ تعداد پوری انگریزی فوج کے برابر تھی۔

سنٹ ڈینس کا وقائع نگار، جب اس فوج عظیم کی بربادی کا ذکر کرتا ہے جسے اس نے اپنی خانقاہ کی دیواروں کے نیچے جمع ہوتے دیکھا تھا، تو وہ بے اختیار رنج سے چلا اٹھا ہے کہ "خدا نے ہمیں ہمارے گناہوں کی سزا دی ہے۔" فرانس کا یہ زوال اگرچہ ایک فوری و غیر متوقع زوال تھا مگر اس ایک ضرب سے نظام جاگیرات کے طریق جنگ اور اس پر قائم شدہ نظام سیاسی و معاشرتی

کی تباہی و بربادی اس سے بھی زیادہ فوری و غیر متوقع تھی - جاگیرداروں کے جاگیردارانہ اصول جنگ کی بنیاد یہ تھی کہ سوار امرا پیدل سپاہیوں پر فوقیت رکھتے تھے جنگی قوت سواروں پر موقوف تھی مگر انگلستان کے معمولی سپاہی پیشہ عوام۔اور چھوٹے زمیندار جو اس قومی جنگ میں کمان سے کام لیتے تھے انہوں نے اپنے اس ہتیار کو جنگ کا ایک مہلک آلہ بنا دیا' درحقیقت انگریزی تیراندازوں کی شکل میں اڈورڈ ایک نئے قسم کے سپاہی فرانس کے میدان جنگ میں لے گیا تھا - عوام نے امرا کو زیر کردیا معمولی سپاہی شدائد جنگ میں نائٹ پر فوقیت لے گئے۔ کریسی کے دن سے نظام جاگیرات متنزلزل ہوگیا' اور باہستگی مگر بالیقین اس نے قبر کا راستہ لیا' انگلستان کے لئے یہ فوجی عظمت کے دور کی ابتدا تھی' یہ عظمت و شوکت اگرچہ قوم کے اعلیٰ جذبات و اغراض کے لئے مہلک ثابت ہوئی مگر اس نے بروقت ایسی قوت پیدا کردی کہ اس سے قبل انگلستان کو کبھی ایسی قوت نصیب نہیں ہوئی تھی فتح پر فتح ہونے لگی' کریسی کے چند ماہ بعد اسکاٹلینڈ کی ایک فوج شمال میں گھس آئی تھی وہ نوائل کراس میں برباد کردی گئی' اور اسکاٹلینڈ کا بادشاہ ڈیوڈ بروس گرفتار ہوگیا' اس کے ساتھ ہی گارون سے فرانسیسیوں کے ہٹ جانیکے باعث انگریزوں کو پواٹو پر دوبارہ قبضہ کر لینے کا موقع

[...]لس کراس ۱۳۴[...]

مل گیا، اسی اثنا میں اڈورڈ نے رودبار پر قبضہ حاصل کرکے
فرانس کی بحری فوقیت کے توڑنے پر توجہ کی۔ کیلے بحری
قزاقوں کا ایک بڑا ملجا و ماوا تھا، صرف ایک برس کے اندر
بائیس جہاز قزاقی کے لئے اس بندر سے روانہ ہوئے تھے۔
اس بندرگاہ کے قبضہ سے بادشاہ کو فلینڈرز سے سلسلہ قائم رکھتے اور
فرانس کے مقابلہ میں جنگی کارروائیاں کرنے میں بھی آسانی
ہو جانے کی توقع تھی۔ محاصرہ ایک برس تک قائم رہا۔
اور جب فلپ اس کی مدد سے عاجز ہو گیا اس وقت
شہر کو فاقہ کشی سے مجبور ہو کر اطاعت قبول کرنی پڑی،
قلعہ کی فوج اور اہل شہر کو اس شرط سے معافی دی گئی
کہ چھ شہری بلا کسی شرط کے خود کو بادشاہ کے حوالہ
کر دیں، اڈورڈ نے نہایت سخت نفرت کے ساتھ کہا تھا کہ
"انہیں پر میں اپنا غصہ نکالوں گا" جیہن لے بل کہتا ہے
کہ شہر کے گھنٹہ کی آواز سن کر شہر کے لوگ قاصد شرائط
کے گرد جمع ہو گئے" وہ سب بھوک سے دیوانے ہو رہے
تھے اور اچھی خبر سننے کے متوقع تھے" جب اس قاصد نے
انہیں یہ خبر سنائی تو وہ اس زور سے رونے اور چلانے
لگے کہ ان کی حالت پر بہت ہی رحم آتا تھا، اس وقت
شہر کا سب سے دولتمند باشندہ ماسٹر یوسٹاش دے سین پییر
نامی کھڑا ہوا، اور اس نے سب کے سامنے یہ تقریر کی کہ
"صاحبو! نہایت رنج و الم کا مقام ہوگا اگر اس شہر کے

لوگ قحط سے یا اور کسی طرح پر مرنے کے لئے چھوڑ دیئے جائیں اور وہ شخص خداوند کی طرف سے بڑے رحم و ثواب کا مستحق ہوگا جو انہیں مرنے سے بچالے۔ مجھے خدا سے قوی امید ہے کہ اگر میں اپنی جان فدا کرکے ان لوگوں کو بچا سکوں تو میرے گناہوں کی بخشش ہو جائیگی۔ اس لئے میں ان چھ شخصوں میں کا پہلا شخص ہوں گا اور میں اپنی خوشی سے برہنہ یا ایک قمیص پہنکر اور گلے میں رسی ڈال کر خود کو شاہ اڈورڈ کی مرضی پر چھوڑ دونگا" چھ فدائیوں کی فہرست جلد تیار ہو گئی اور فدیہ بادشاہ کے حضور میں روانہ کردیا گیا۔ تمام فوج جمع ہوئی بڑی کشمکش تھی' بہت سے لوگ انہیں علانیہ پھانسی دینا چاہتے تھے اور بہت سے رحم کی وجہ سے رو رہے تھے۔ بادشاہ عالی جاہ اپنے کاؤنٹوں اور بیرنوں کے جلو میں اس جگہ آیا اور ملکہ بھی اس کے پیچھے پیچھے آئی وہ اگرچہ حاملہ تھی مگر اسے یہ دیکھنے کا شوق تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ چھوں شہری فوراً بادشاہ کے سامنے جھکے اور ماسٹر یوستاش نے عرض کی کہ نیکدل بادشاہ ہم چھ شخص حاضر ہیں' ہم لوگ کیلے کے قدیم باشندے ہیں اور بڑے بڑے سوداگر ہیں' ہم کیلے کے شہر اور قلعہ کی کنجی لائے ہیں اور حضور کی مرضی سے اسے حضور کے حوالہ کرتے ہیں ہم خود کو بالکلیہ حضور کی مرضی کے حوالہ کرتے ہیں تاکہ باقی لوگ جنہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائی

ہیں بچ جائیں، بس حضور اپنے علوے مرتبت کے صدقے
میں ہم پر رحم فرما کر ہماری جان بخشی فرمائیں" یقیناً اس وقت
وہاں کوئی امیر یا نائٹ ایسا نہیں تھا جو رحم سے رو نہ دیا ہو
یا جس نے رحم کی درخواست نہ کی ہو، مگر بادشاہ نے غصے سے
اپنے دل کو ایسا سخت کر لیا تھا، کہ بہت دیر تک اس نے
کچھ جواب نہ دیا اور آخر اس نے ان کے سر قلم کرنیکا
حکم دیا۔ تمام نائٹ اور امرا نے رو رو کر ان کے لئے
رحم کی التجا کی مگر بادشاہ نے کچھ شنوائی نہ کی۔ اس وقت
رحمدل نائٹ، ماسٹر وائر دسے موئنے نے عرض کی کہ" اے میرے
نیک دل آقا، اپنے غصے کو روکئے۔ رحم دلی کی شہرت
و نیکنامی حضور کو حاصل ہے، وہ کام نہ کیجئے جس سے
لوگ برا کہ سکیں۔ اگر حضور نے رحم نہ کیا تو تمام لوگ
یہ کہیں گے کہ حضور کا دل ستمگاری سے بھرا ہوا ہے کہ
ان نیکدل شہریوں کو جنہوں نے بقیہ لوگوں کو بچانیکے لئے
خود کو اپنی خوشی سے حوالہ کیا تھا، حضور نے قتل کرا دیا"۔
اس موقع پر بادشاہ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور اس نے کہا
کہ" ماسٹر والٹر بس خاموش رہو، اس حکم میں تغیر نہیں ہو سکتا،
جلاد کو بلاؤ۔ ان کیلے والوں نے میرے اتنے آدمیوں کا
نقصان کیا ہے کہ انہیں خود بھی مر جانا چاہئے" اس وقت
انگلستان کی بلند مرتبہ ملکہ نے ایک شریفانہ فروتنی کا کام
کیا۔ چونکہ وہ حاملہ تھی اور رحم کی وجہ سے بہت رو رہی تھی

وہ سیدھی کھڑی نہ رہ سکی اور اپنے خاوند کے سامنے گھٹنوں کے بل جھک کر یوں کہنا شروع کیا، کہ "اے میرے نیکدل مالک، آپ جانتے ہیں کہ جب سے میں اس قدر خطرہ اٹھاکر سمندر پار آئی ہوں میں نے کبھی کسی امر کی بابت درخواست نہیں کی، اب میں دست بستہ آپ سے التجا اور منت کرتی ہوں کہ مریمؑ کے پاک بیٹے کی محبت کے واسطے سے ان لوگوں کی جان بخشی کیجیے" نیک دل بادشاہ کچھ کہنے کے قبل کچھ دیر رکا رہا اور ملکہ کی طرف (جو اس کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑی ہوئی رو رہی تھی) دیکھتا رہا۔ اس وقت اس کا دل کچھ نرم ہو چلا اور اس نے کہا کہ "بیگم، میں چاہتا تھا کہ تم اس وقت کہیں اور ہوتیں، تم ایسی شفقت سے التجا کر رہی ہو کہ میں انکار کی جرأت نہیں کر سکتا، اور اگرچہ میں اپنی مرضی کے خلاف کرتا ہوں مگر خیر تم ان لوگوں کو لے جاؤ، میں ان کو تمہارے حوالہ کرتا ہوں" پھر اس نے ان شہریوں کی گردن کی رسی پکڑ کر ملکہ کو دے دی، اور اس کی محبت کی وجہ سے کیلے کے ان تمام لوگوں کی جان بخشی کی۔ اس نیک دل بیگم نے ان چھؤں شہریوں کو کپڑے پہنانے اور کھانا کھلانے کا حکم دیا +

پوائیٹیرز

اڈورڈ اب اپنی شہرت کے اوج کمال پر پہنچ گیا تھا، اس نے اپنے زمانہ میں سب سے بڑی فتح حاصل

کرلی تھی، فرانس اس وقت تک سلاطین یورپ میں سب سے اول درجہ پر تھا، مگر وہ ایک ضرب میں شکستہ ہوکر اپنی اس پر غرور جگہ سے نیچے آگیا تھا، فرواسارٹ کی ایک درباری تصویر سے اڈورڈ کا وہ نقشہ ہمارے پیش نظر ہوجاتا ہے جب وہ اسپین کے اس بیڑے کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا ہے جو رودبار میں تباہی برپا کر رہا تھا، اس تصویر میں ہم دیکھتے ہیں کہ بادشاہ سیاہ مخمل کا چست کوٹ پہنے ہوئے عرشۂ جہاز پر بیٹھا ہوا ہے، اس کے سر پر ایک بہت ہی موزوں سیاہ سمور کی ٹوپی ہے اور سرجان چینڈوس سے جرمنی کے نغموں کے سنانے کی خواہش کر رہا ہے اسی اثنا میں اسپینی جہازات نظر آتے ہیں اور ایک سخت جنگ کے بعد آخر کار اڈورڈ کو فتح حاصل ہوتی ہے اور وہ "سمندروں کا بادشاہ" ہو جاتا ہے۔ لیکن فرانس سے ۱۳۴۵- صلح کا قائم رہنا ہمیشہ ایک دشوار امر رہا ہے، دونوں ملکوں نے تھک کر سات برس کے لئے عارضی صلح کرلی تھی مگر اس میعاد کا پورا کرنا بھی مشکل ہوگیا، اڈورڈ نے تین فوجیں تیار کیں تاکہ ایک ساتھ نارمنڈی۔ بریٹینی اور گی این میں کارروائیاں ہوسکیں، مگر یہ تجویز چل نہ سکی صرف جنگ کریسی کا ہیرو شاہزادہ اسود ایک مبتذل سی کامیابی حاصل کرسکا۔ اپنی فوج کی تنخواہ ادا نہ کرسکنے کے سبب اس نے ان کے مطالبات کو لوٹ مار سے پورا کرنا چاہا-

اس وقت تک شمالی اور وسطی فرانس بالکل غارت ہو چکا
تھا۔ شاہی خزانہ خالی تھا، قلعے بے حفاظت تھے۔ فوجیں تنخواہ
چڑھ جانے کی وجہ سے منتشر کردی گئیں، ملک کو لٹیرے
غارت کر رہے تھے، صرف جنوب کا حصہ مامون تھا، پس
یہ نوجوان شہزادہ اپنی غارتگروں کی فوج کو گارون سے
گزار کر اس حصہ میں لے گیا جو دنیا کا ایک نہایت
خوش حال ملک تھا، جس کے رہنے والے نیک دل اور
سیدھے لوگ تھے جنہیں خبر بھی نہ تھی کہ جنگ کیا شے
ہے، فی الحقیقت شہزادے کی اس آمد سے قبل انہیں لڑائی
سے سابقہ ہی نہیں پڑا تھا۔ انگریزوں اور اہالیانِ گیسکنی
کو ملک میں ہر طرف خوشی و خرمی کے آثار نظر آئے۔
کمرے قالینوں اور پردوں سے آراستہ تھے۔ بقچے اور
صندوق اعلیٰ قسم کے قماش و جواہرات سے بھرے ہوئے
تھے، مگر ان لٹیروں سے کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہی۔
ان میں بھی خاص کر اہل گیسکنی زیادہ حریص تھے، وہ
تمام ہی چیزیں لوٹ لے گئے" ناربون کی تسخیر نے انہیں
مالا مال کردیا، اور وہاں سے وہ بارڈو پر پلٹ پڑے"۔
۱۳۵۶ ان کے گھوڑے لوٹ کے مال سے اس قدر گرانبار تھے
کہ انہیں چلنا دشوار تھا" دوسرے سال شہزادے کی فوج
کے دریائے لوآر کی طرف کوچ کرنے سے ظاہر ہوتا تھا
کہ وہ سیدھا پیرس پر آیا چاہتا ہے۔ فلپ (والوا) کے

پائیٹرز
۱۹ ستمبر ۱۳۵۶ء

جانشین جان کی سرکردگی میں ایک فوج اسے روکنے کے لئے بہت جلد آگے بڑھی۔ شہزادے نے مراجعت کا حکم دیا مگر جب وہ پایٹرز میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ساٹھ ہزار فرانسیسی اس کے راستہ میں حائل ہیں۔ وہ فوراً ہی موپرٹوئیس کے کھیتوں میں ایک مستحکم جگہ پر قابض ہو گیا۔ اس کا محاذ گھنی جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا، اور صرف ایک طولانی اور تنگ راستے سے (جو انگوروں کے باغ میں سے ہو کر گیا تھا) وہاں تک پہنچنا ممکن تھا، شہزادے نے باغات اور جھاڑی کے گرداگرد تیر انداز متعین کردئے اور اپنی مختصر سی مسلح جماعت کو اس جگہ صف آرا کیا جہاں راستہ اس کے خیمہ گاہ کے بلند تر میدان میں نکلتا تھا، اس کی فوج کے آدمیوں کی تعداد صرف آٹھ ہزار تھی وہ سخت خطرے میں تھا اور آزادانہ مراجعت کے لئے اسے مجبور کیا جاتا تھا کہ اپنے قیدیوں اور مفتوحہ مقامات سے دست بردار ہو جائے اور سات برس کے لئے فرانس کے خلاف ہتیار نہ اٹھانے کی قسم کھائے، یہ شرائط نامنظور کئے گئے۔ اور تین سو فرانسیسی سواروں نے اس تنگ راستہ پر حملہ کیا، راستہ بہت جلد آدمیوں اور گھوڑوں سے بند ہو گیا اور جھاڑیوں کے اندر سے تیروں کی بوچھار نے بڑھتی ہوئی فوج کی اگلی صفوں کو پلٹنے پر مجبور کر دیا، اس اضطراب کے وقت میں انگریزی سواروں کا ایک دستہ جو داہنی جانب کی ایک پہاڑی پر نصب تھا، یکایک فرانسیسی بازو پر ٹوٹ پڑا اور خود شہزادہ نے موقع

سے فائدہ اٹھاکر ان کے قلب پر دلیرانہ حملہ کر دیا۔ اس اچانک حملہ سے سخت ابتری پیدا ہوگئی اور انگریزوں کی تیراندازی نے اس ابتری کو مکمل کر دیا۔ فرانسیسی بادشاہ عالم مایوسی میں دلیرانہ لڑتا ہوا گرفتار ہو گیا، اور دو پہر کے وقت جب اس کی فوج کامل ہزیمت کے ساتھ پوائیٹرز کے دروازوں میں دوبارہ داخل ہوئی تو آٹھ ہزار آدمی میدان جنگ میں کام آچکے تھے تین ہزار بھاگنے میں ضایع ہوے اور دو ہزار مسلح سپاہی اور امرا کی ایک کثیر تعداد قید ہوگئی۔ شاہی قیدی لندن میں شان و شوکت کے ساتھ داخل ہوا اور دو برس کی عارضی صلح نے فرانس کو اندمال زخم کا موقع دیا، مگر اس بد نصیب ملک کو خود اس کے اندرونی جھگڑوں نے چین نہ لینے دیا۔ بھاگے ہوے سپاہیوں نے آزادانہ لوٹ مار شروع کردی۔ اور مقید امرا نے اپنا زر فدیہ کسانوں سے بزور وصول کیا، اس ظلم اور قحط سے مجبور ہوکر کسان بھی سخت بغاوت پر اٹھ کھڑے ہوے اور امرا کو قتل کرنے اور ایوانات میں آگ لگانے لگے، ادھر پیرس نے متولیوں کی کمزوری اور بد انتظامی سے عاجز آکر خود تاج کے خلاف ہتیار اٹھایا۔ یہ "بغاوت مزارعین" ابھی فرو بھی نہیں ہوئی تھی کہ اڈورڈ نے اس تباہ شدہ ملک کے برباد کرنے کے لئے پھر فوجوں کا تانتا باندھ دیا۔ لیکن قحط اس کا بہترین محافظ ثابت ہوا۔ اس زمانے کا

پیٹرارک لکھتا ہے کہ "میں یقین نہیں کر سکتا کہ یہ وہی فرانس ہے جسے میں نے نہایت ہی متمول و خوشحال دیکھا تھا۔ اب سوا ہولناک ویرانے، کامل غربت، غیر مزروعہ زمین اور تباہ شدہ گھروں کے کسی اور شے پر نظر نہیں پڑتی خود پیرس کے قرب و جوار میں بھی ہر جگہ تباہی و آتش زدگی کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں، شاہراہیں سنسان پڑی ہوئی ہیں، سڑکوں پر گھاس جمی ہوئی ہے اور تمام ملک ایک لق و دق ویرانہ بن گیا ہے" ملک کے افلاس و مصیبت نے آخر چارلس کو اطاعت پر مجبور کیا اور ماہ مئی میں مقام شارٹرس کے مشرق میں ایک چھوٹے سے مقام برٹگنی میں شرائط و معاہدہ طے پائے۔ اس معاہدے کی رو سے شاہ انگلستان نے تخت فرانس و امارت نارمنڈی کے دعوے سے دست برداری کی، دوسری جانب اس کی امارت ایکوئٹین (جس میں گیسکنی، پواٹو۔ سینٹونژ۔ لموسن۔ آنگوموا پریگورڈ، اور صوبجات بگور اور روئرگ شامل تھے) نہ صرف اسے واپس مل گئی بلکہ وہ فرانس کی جاگیر ہونے کے تمام علائق سے آزاد کردی گئی۔ اور بشمول پانتھیو اس پر پورے شاہی حقوق اسے مل گئے۔ پانتھیو اڈورڈ اول کی دوسری بیوی کے ورثہ میں اڈورڈ ثالث کو ملا تھا، اس کے ساتھ ہی گین اور حال کا فتح کیا ہوا شہر کیلے بھی اسی کے قبضے میں رہا۔

معاہدہ بر
مئی ۶

جزو دوم

نیک پارلیمنٹ

۱۳۶۰ — ۱۳۷۷

[اسناد۔ مثل سابق۔ ایک نامعلوم وقائع نگار کی تصنیف آرکیولوجیا Archaeologia کے سلسلہ نمبر (۲۲) میں طبع ہوئی ہے، اس میں پارلیمنٹ کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بسلسلہ صحائف "کرانیکا اینگلی" (وقائع انگریزی از ۱۳۲۸ء لغایت ۱۳۸۸ء) Chronica Angliae میں بھی اس کی کیفیت محفوظ ہے اور حال میں ایڈم (اُسک) کے ایک وقائع کے شایع ہونے سے ۱۳۷۷ء سے ۱۴۰۴ء تک کے زمانہ پر مزید روشنی پڑی ہے]

دو ایوان پارلیمنٹ

اگر ہم غیر ملکی جنگ و جدل کے پر شور و بیکار واقعات کو ترک کرکے آئینی ترقی کے کارآمد مراحل کی طرف توجہ کریں تو ہمیں معاً یہ نظر آئیگا کہ پارلیمنٹ کی ترکیب میں ایک حیرت انگیز تغیر واقع ہو گیا ہے۔ دارالامرا اور دارالعوام کی جس تقسیم سے آج ہم اس درجہ مانوس ہیں اڈورڈ اول کی ابتدائی تجویز میں ان کا کہیں ذکر بھی نہیں تھا۔ سابقہ پارلیمنٹوں میں پادریوں، بیرنوں، نائٹوں، اور اہالیان شہر

کے چاروں طبقے علیحدہ علیحدہ جمع ہوتے' معاملات پر غور و بحث کرتے اور اپنی اپنی منظوریاں دیتے تھے۔ لیکن طبقات کی اس تفرد پسندی میں بہت جلد فرسودگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ ہم کہ چکے ہیں کہ ایک طرف پادری اپنے ہم جماعت لوگوں سے حقیقی اتحاد پیدا کرنے سے علیحدہ رہنا چاہتے تھے۔ دوسری طرف شائر کے "نائٹ" امرا کی سی طرز معاشرت کی وجہ سے ان سے زیادہ قریب ہوتے جاتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع امرا نے انہیں بہت جلد واضع قانون اور مشیر سلطنت دونوں حیثیتوں سے قریب قریب اپنا ہم رتبہ بنا لیا تھا۔ برخلاف ازیں اہل شہر پارلیمنٹ کی کارروائیوں میں باستثنائے ان معاملات کے جن کا تعلق ان کی جماعت کے محصولات سے ہوتا تھا بہت کم دخل دیتے تھے۔ مگر اڈورڈ دوم کے عہد کے مناقشات میں جب بادشاہ کے مقابلہ میں برنوں کو ان کی مدد کی ضرورت ہوئی تو ان کا رتبہ بلند ہو گیا' اور ۱۳۲۲ء کے مشہور قانون میں ہر قسم کی قانون سازی میں ان کی پوری پوری شرکت کا حق تسلیم کیا گیا' اگرچہ ہم تفصیلی طور پر واقف نہیں ہیں' مگر اس کے بعد کچھ ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ شائر کے نائٹ بھی اپنے قدیم تعلق سے ہٹ کر بتدریج اپنے قائم مقامان شہر کے ساتھ مل گئے' یہاں تک کہ اڈورڈ سوم کے عہد کے شروع ہونے پر یہ دونوں طبقے باضابطہ طور پر "عوام" کے

نام سے متحد کر دئے گئے۔ اور ۱۳۴۱ء تک پارلیمنٹ کی تقسیم دو حصوں میں مکمل ہو گئی۔ اس تغیر کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنا مشکل ہے۔ اگر پارلیمنٹ اہل کلیسا، بیرن، نائٹ، اور شہریوں کے چار طبقوں میں بدستور منقسم رہتی تو آپس کے رشک و حسد کی وجہ سے اس کے اجزائے ترکیبی کے اتحاد عمل میں دشواری پیدا ہو جاتی اور ہر ایک اہم و نازک موقع پر اس کی طاقت بیکار ہو جایا کرتی۔ دوسری طرف اگر طبقہائے نائٹ و بیرن میں مستقل اتحاد پیدا ہو جاتا تو پارلیمنٹ محض جماعت اعیان کی قائم مقام ہو کر رہ جاتی اور اس کی وہ قوت جاتی رہتی جو تجار کی جماعت عظیم کے تعلق سے پیدا ہوئی ہے، صورت موجودہ میں طبقۂ نائٹ کی حیثیت بین بین رہی: زمیندارانہ حیثیت سے انکا تعلق بیرنوں سے تھا اور سیاسی حیثیت سے وہ شہریوں سے متحد تھے۔ اس طرح فی الحقیقت تینوں طبقے ایک ہو گئے تھے اور انگریزی پارلیمنٹ کے اسی متحدہ احساس و عمل پر زیادہ تر اس کی طاقت کا دار و مدار رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے، اس تغیر کے وقت سے پارلیمنٹ کی مستعدی میں بہت زیادتی ہو گئی۔ دوران جنگ میں مسلسل منظوری رقوم کی ضرورت سے پارلیمنٹ کا اجتماع سال بسال ہونے لگا، اور ہر منظوری رقم کے ساتھ سیاسی اثر کی ترقی کی طرف ایک قدم آگے بڑھتا گیا۔ اس عہد میں قوانین کا ایک

انبار جمع ہو گیا تجارت کے انتظام کے لئے' رعایا کو ظلم و نا انصافی سے بچانے کے لئے اہم مذہبی قواعد کے لئے' غرض سب ہی ضرورتوں کے لئے قوانین بنگئے۔ یہ قوانین عاقلانہ ہوں یا غیر عاقلانہ مگر اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے میدانِ عمل میں تیزی کے ساتھ وسعت ہو رہی تھی۔ دونوں ایوانوں نے رقوم کی منظوری کے حق کامل کا دعویٰ کیا اور اس اصول کا بھی مطالبہ کیا کہ وزرائے شاہی' پارلیمنٹ کے روبرو جوابدہ ہوں مگر عوام مدت تک خالص انتظامی معاملات میں مداخلت کرنے سے جھجکتے رہے' اڈورڈ نے اپنے سر سے جنگ فرانس کی ذمہ داری اتارنے کے اضطراب میں صلح کے بہت سے مسائل میں سے ایک مسئلہ ان کے مشورے کے لئے پیش کیا انھوں نے جواب دیا کہ "جہاں پناہ! حضور کی جنگ اور اسکے لئے جو سامان درکار ہو ان سے ہم اس درجہ ناواقف و بے خبر ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ ہم اس کا کیا جواب دیں اور نہ ہم میں اس کی طاقت ہے اسلئے ہم حضور کے مراحم خسروانہ سے توقع رکھتے ہیں کہ اس باب میں ہمیں معذور رکھا جائے اور اپنی مجلس شوریٰ کے بلند مرتبہ و عاقل اشخاص کے مشورے کے موافق خود حضور اپنی مرضی مبارک سے ملک کی عزت و نفع کے لئے جو بہتر سمجھیں اس کا حکم دیں۔ اور جو امر اس طرح حضور کی اور حضور کے امرا کی

منظوری و اتفاق سے طے پائیگا ہم اس پر پوری طرح راضی رہیں گے اور اسے مستحکم طور پر نافذ سمجھینگے"۔ لیکن جہاں وہ اپنی وسیع ذمہ داری سے جھجکتے تھے وہیں عوام نے بادشاہ سے ایک نہایت کارآمد عملی اصلاح حاصل کرلی۔ اس وقت تک یہ ہوتا تھا کہ ان کی درخواستیں اگر منظور ہو جاتی تھیں تو وہ کبھی حسب حال قوانین و احکام میں بدل دیجاتی تھیں کبھی نامکمل رہ جاتی تھیں یا کبھی ان میں اس قدر تعویق ہوتی رہتی کہ زمانہ نشست ختم ہو جاتا تھا۔ اسطرح پارلیمنٹ کے بہت سے منظور شدہ قواعد کے عملدرآمد سے پہلوتہی ہوتی رہتی تھی یا انہیں معلق کردیا جاتا تھا۔ لیکن عوام نے اس خرابی کو رفع کرنے کے لئے یہ مطالبہ کیا کہ شاہی منظوری کے صادر ہوتے ہی ان کی درخواستیں بلاتغیر قانون ملک کی صورت میں بدل دیجایا کریں اور پارلیمنٹ کی فرد قوانین میں مندرج ہوکر قانونی اعتبار حاصل کرلیں۔

ایکوئی ٹین کا ہاتھ سے جاتا رہنا ۱۳۶۹-۱۳

عوام جس سیاسی ذمہ داری سے بچنا چاہتے تھے وہ بالآخر جنگ کی نامساعدت کی وجہ سے مجبور ہوکر انہیں قبول کرنی پڑی، بریٹنی اور دوسرے مقامات کے جھگڑوں کے باوجود معاہدہ بریٹگنی کے نو برس بعد تک امن اچھی طرح قائم رہا مگر جان کے جانشین چارلس نہم کی تیز نگاہیں جھگڑے کو تازہ کردینے کے لئے موقع کو تاک رہی تھیں، اس نے

۱۳۶۶ اپنے ہاں کے لٹیروں کو اسپین میں بھیج کر ملک کو ان سے پاک کردیا تھا، اور شاہزادہ اسود کے اس ملک کے انقلابات میں دخل دینے کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ نواریٹ کی لاحاصل فتح سے وہ اپنی صحت برباد کرکے واپس آیا۔ نیز مہم کے اخراجات نے اسے بالکل تہی دست کردیا۔ اس ضرورت سے محصول عاید کرنا پڑا اور اس سے جو ناراضی پیدا ہوئی چارلس نے اسے اس حد تک بھڑکا دیا کہ اس نے بغاوت کی صورت اختیار کرلی اور باوجود معاہدے کے اس نے ایکوئی ٹین کے امرا کے مرافعے کی سماعت کی اور شہزادہ اسود کو اپنے دربار میں جوابدہی کے لئے طلب کیا، شہزادے نے جواب دیا کہ "میں آتا ہوں، مگر میرے سر پر خود ہوگا اور میرے پیچھے ساٹھ ہزار آدمی ہوں گے"۔ لیکن اعلان جنگ کا ہونا تھا کہ پاتھیو پر قبضہ کرلینے اور گارون سے جنوب کے تمام ملک میں بغاوت برپا کردینے سے ظاہر ہوگیا کہ چارلس نے کس خوبی سے اپنی تجاویز تیار کی تھیں۔ لموژ نے فرانسیسیوں کی اطاعت قبول کرلی تھی۔ شہزادہ ڈولی پر سوار ہوکر اس کی دیواروں کے سامنے آیا اور اسے دوبارہ فتح کرلیا، اور سفاکانہ قتل و غارت سے اپنے ابتدائی کارناموں کو بدنام کیا۔ لیکن بیماری کی وجہ سے اسے وطن کو واپس ہونا پڑا اور چارلس نے یہ ہوشیاری کی کہ اپنی فوجوں کو مقابلہ کرنے سے روک کر جنگ کو طول

دینا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگلستان کی قوت اور
خزانہ خالی ہو گیا۔ آخرکار اسپینی بیڑے کے رودبار میں نمودار
ہونے اور روشیل کے قریب انگلستان کے محافظ تجارت، بیڑے
۱۳۷۲ پر مکمل فتح حاصل کر لینے سے شہزادے کے طرز عمل کی غلطی
ظاہر ہوگئی۔ یہ ضرب فی الحقیقت انگریزی اغراض کے لئے مہلک
ثابت ہوئی اس کی وجہ سے اڈورڈ کے ہاتھ سے سمندروں
کی حکومت جاتی رہی اور ایکوئی ٹین سے اس کا سلسلہ آمدورفت
منقطع ہو گیا۔ چارلس میں نئی کوششوں کا ولولہ پیدا ہوا،
پواٹو سینٹونژ اور انگوموا نے اس کے سپہ سالار ڈیوگسکلین
کی اطاعت قبول کر لی، اور روشیل کو خود شہریوں نے اسکے
حوالہ کر دیا، بادشاہ کے تیسرے بیٹے جان (گانٹ) یعنی ڈیوک
لینکسٹر کے تحت میں ایک بہت بڑی فوج فرانس کے
قلب تک داخل ہو گئی مگر حاصل کچھ نہ ہوا، چارلس نے
ہر طرح پر جنگ کی ممانعت کر دی تھی۔ اس نے اطمینان
کے ساتھ کہا کہ "اگر زمین پر کوئی طوفان آتا ہے تو وہ خود
چھنٹ جاتا ہے اور اسی طرح انگریز بھی منتشر ہو جائینگے"
فی الواقع موسم سرمانے ڈیوک کو رودبرنی کے پہاڑوں میں پریشان
کر دیا اور اس کی فوج کا صرف ایک ٹکڑا بورڈو تک
پہنچ سکا۔ یہ ناکامی ایک عام انحراف کا اشارہ ہو گئی اور ۱۳۷۴ء
کا موسم گرما ابھی ختم نہ ہوا تھا کہ جنوب فرانس کے انگریزی
مقبوضات میں سے صرف بارڈو اور بایون انگریزوں کے پاس

رہ گئے۔

شرم و مصیبت کا ایسا زمانہ انگلستان کو کبھی پیش نہیں آیا تھا، اس کی فتوحات ضائع ہوگئیں اس کی بندرگاہوں کی تذلیل ہوئی، اس کا بیڑہ برباد ہوگیا اور سمندر سے اس کی تجارت ناپید ہوگئی اور ساتھ ہی اس کے ملک اس طولانی جنگ کے بارگران اور وبا کی تباہیوں سے بالکل خستہ ہوگیا تھا۔ اس مصیبت کے وقت ہرنائٹ اور امیر کی حریصانہ نظریں کلیسا کی دولت پر پڑنے لگیں۔ کلیسا کا روحانی اور اخلاقی اثر کبھی ملک میں ایسا کم نہیں ہوا تھا جیسا اس وقت تھا، اور کبھی اس کی دولت اس سے زیادہ نہیں تھی جتنی اس وقت تھی۔ بیس لاکھ کی آبادی میں عمال مذہب کا شمار بیس اور تیس ہزار کے درمیان تھا؛ ان کی کثرت دولت کے دور از خیال قصے ہر طرح پھیل رہے تھے۔ کہا جاتا تھا کہ صرف ملکیت اراضی کے اعتبار سے وہ ایک تہائی سے زیادہ زمین پر قابض تھے۔ مطالبات اور نذرانوں کی شکل میں ان کی آمدنی بادشاہ کے محاصل سے دوئی تھی۔ مجلس شوری میں اب اساقفہ کا جمع ہوتا جاگیردار بیرنوں کو اور بھی زیادہ ناگوار معلوم ہونے لگا کیونکہ کریسی اور پوائیٹیرز کے فتوحات سے ان میں ایک نیا خمار پیدا ہوگیا تھا جنگ کی تجدید پر پارلیمنٹ نے یہ درخواست کی کہ سلطنت کے اعلیٰ عہدے انہیں لوگوں کو دئے جائیں جو فرقہ مذہبی کے حلقہ سے باہر ہیں ولیم وائکھم

(اسقف ونچسٹر) نے عہدہ چانسلری سے استعفا دے دیا اور ایک ۱۳۷۱
دوسرے مقتدائے دین نے خزانے سے علیحدگی اختیار کی اور
ان کی جگہوں پر بڑے بڑے امرا کے متوسلین مقرر کئے گئے۔
ارکان مذہبی کا اضطراب اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے
اپنے جلسوں میں بڑی بڑی رقوم اعانت منظور کرلیں، طبقہ
بیرن کو جان (گانٹ) کی صورت میں ایک سرگروہ مل گیا
تھا، مگر کلیسا کی لوٹ کا لالچ دینے سے بھی ڈیوک اور اس کے
طرفداروں کو چھوٹے درجہ کے زمینداروں اور اہل شہر کی
موافقت حاصل کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی۔ برخلاف ازیں
نئے انتظام کی ابتری وقطعی ناکامی اور جنگ کے مصائب نے
اس فریق کو ۱۳۷۶ء کی پارلیمنٹ کے روبرو بالکل بے بس کردیا
بدنظمی سلطنت سے قومی مخالفت کی بنا پر اس پارلیمنٹ کے
کاموں سے خصوصیت کے ساتھ ایک نئے دور کی ابتدا ہوتی
ہے، اب تک حکومت سے مقاومت کرنا طبقہ بیرن کا کام تھا
جو اپنی جاگیر کے متاجرین کو شورش پر آمادہ کرکے کام نکال
لیتے تھے مگر موجودہ بد انتظامی میں تاج کے ساتھ خود طبقہ بیرن کا بھی
بیشتر حصہ شریک تھا اور اس لئے اس بدنظمی کے بآسانی
دفع کرنے کا ذریعہ اب صرف عوام ہی کی قوت سے ہوسکتا
تھا، دارالعوام معاملات سلطنت میں دخل دینے سے ہچکچاتا
تھا مگر زمانہ کی سختی نے اس کے اس پرانے تذبذب کو دفع کردیا
شہزادہ اسود بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا اور جان (گانٹ) کو برطرف

نیک پارلیمنٹ اپریل ۱۳۷۶ء

کرکے اپنے لڑکے کے لئے حق جانشینی حاصل کرلینے کے لئے مضطر تھا ادھر مقتدایان دین ولیم (وائکھم) کی سرکردگی میں پھر شاہی مجلس میں اپنی جگہ حاصل کرنے اور املاک مذہبی کو لوٹ سے بچانے کے لئے آمادہ و مستعد ہو گئے تھے۔ ان دونو نے دارالعوام کو ڈیوک کے انتظامات کی مخالفت کے لئے ایک مفید جماعت پایا۔ اس قسم کی قوتوں کی پشت پناہی حاصل ہونے کے بعد عوام میں ان کی قدیم کمزوری اور عدم اعتماد کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، شاہی مجلس پر مشترکہ حملہ کرنیکے لئے عوام کے ساتھ شائر کے نائٹ بھی متفق ہو گئے "امرا کا سرگروہ جان اڈیوک لینکسٹر) تھا اور اس کے تمام کام خلاف قانون ہوتے تھے"۔ دارالعوام کے اسپیکر (صدر) سرپیٹر دی لامیسر نے "خدا پر بھروسہ کرکے اپنے اراکین کے ساتھ ان امرا کے سامنے کھڑے ہوکر" جنگ کی بدنظمیوں اور محصولات کی سختیوں پر اعتراض کیا اور اخراجات کے حساب کا مطالبہ کیا۔ جان (گانٹ) نے چلا کر کہا "یہ کمینے اور ذلیل نائٹ کیا چاہتے ہیں۔ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ وہ ملک کے بادشاہ اور شہزادے ہو جائیں گے"۔ مگر حکومت کے خلاف جو الزامات لگائے گئے تھے انہیں سنکر ڈیوک کو بھی خاموش ہوجانا پڑا اور پارلیمنٹ دو وزیروں (لیٹمیر اور لائینز) کے تحقیق معاملات و مکافات کی کارروائی میں بدستور مشغول رہی۔ خود بادشاہ بھی کالعدم ہو گیا تھا اور ہمہ تن ایلس پیر نامی ایک

عورت کے بس میں تھا - یہ عورت جلا وطن کر دی گئی اور بہت سے شاہی ملازمین دربار سے نکال دئے گئے - شکایات ملک کے متعلق ایک سو چالیس درخواستیں پیش ہوئیں ان میں پارلیمنٹ کے سالانہ اجتماع اور شائر کے نائٹوں کے انتخاب کی کارروائی کا (جن میں اب تک اکثر تاج کی طرف سے خرابی پیدا ہوتی تھی) مطالبہ کیا گیا تھا، بلا رائے پارلیمنٹ اجرائے محصولات اور کلیسا کی آزادی میں پوپ کی مداخلت کی بابت اعتراض کیا گیا تھا، انہیں میں تجارت کی حفاظت، قانون مزدوران کے نفاذ اور سند یافتہ پیشوں کے اختیارات کے تعین کی بابت بھی درخواستیں تھیں۔ شہزادہ اسود کے انتقال پر اس کا چھوٹا بچہ رچرڈ پارلیمنٹ میں لایا گیا اور وہی وارث تاج و تخت تسلیم کیا گیا، مگر پارلیمنٹ کے برطرف ہوتے ہی لینکسٹر نے پھر اختیارات حاصل کر لئے۔ اس نے ایک پرغرور انداز سے قانون کی ان تمام بندشوں کو توڑ ڈالا مجلس سے نئے امرا و مقتدایان دین کو خارج کر دیا۔ ایلس پیرز اور معزول شدہ وزرا کو پھر بلا لیا؛ اور یہ اعلان کر دیا کہ نیک پارلیمنٹ" کوئی پارلیمنٹ ہی نہ تھی اور اس کی درخواستوں کو قانوں کی صورت میں نہ آنے دیا۔ اس نے پیٹر ڈی لا میسر کو قید کر لیا اور ولیم وائکہم کی تمام املاک ضبط کر لی - اس مقتدائے دین پر اس کا یہ وار تمام

فرقہ مذہبی کے خلاف سمجھا گیا: کلیسا کی املاک کو لوٹنے کے منصوبوں پر علانیہ لوگوں کو آمادہ کیا اور ضبطی کی تجاویز پر اسی کی تائید تھی جس نے جان وکلف کی کامیابی کا راستہ کھول دیا +

جزو سوم

جان وکلف

اسناد:- سلسلہ صحائف میں فیسیکل زیزینی اورم (Fasciculi Zizaniorum) مع تحریرات مندرجہ وکلف اور اس کے متبعین کی تاریخ کے لئے اولین سند ہے۔ وکلف کے انگریزی رسائل سے مسٹر ٹی آرنلڈ نے اکسفورڈ یونیورسٹی کے لئے ایک انتخاب تیار کیا ہے۔ اس یونیورسٹی نے وکلف کی "ٹرائس" بھی شایع کی ہے۔ کتاب مقدس کا ترجمہ اس کے نام سے مشہور ہے اسے پادری جے مارشل اور سر الیف۔ میڈن نے مع ایک مقدمہ کے مرتب کیا ہے۔ اس کی سوانحعمریاں لیویس اور وان نے لکھی ہیں اور ملمین نے اپنی تصنیف "لیٹن کرسچیانیٹی" (لاطینی عیسائیت جلد ششم) میں لولارڈ کی تحریک کا بہت ہی اچھا خلاصہ دیا ہے +

وکلف کی ابتدائی زندگی کی گمنامی اور اس کے اختتام عمر سے بیس برس پہلے کی ہمہ گیری و شہرت میں

نہایت ہی عجیب و غریب تخالف کی صورت پیش نظر
ہو جاتی ہے۔ وہ چودھویں صدی کے اوائل میں پیدا
ہوا تھا، اور جب زمانہ کھولت سے گزر چکا تھا اس وقت،
وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں بیلیل کالج کا مہتمم مقرر ہوا اور
اپنے وقت کے معلمین میں سب سے اول درجہ پر تسلیم کیا گیا،
علمائے مدارس میں انگلستان کے علما فلسفیانہ مباحث میں
اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ سرگرم اور مستعد رہے ہیں،
بیکن، ڈنس اسکوٹس اور اوکہم سب میں ایک عام خودرائی
اور جدت پسندی پائی جاتی ہے، برخلاف اس کے پیرس کے
اہل مدارس، البرٹ اور آکوئناس میں سنجیدگی اور انضباط ۱۳۶۱، ۱۳۲
علمی کی شان زیادہ نظر آتی ہے، مگر انگریزی لڑائیوں کے
دوران میں پیرس کی یونیورسٹی کے انحطاط سے اس کی علمی
فوقیت آکسفورڈ کی طرف منتقل ہو رہی تھی، اور آکسفورڈ
میں وکلف کا کوئی ہمسر نہ تھا، وہ بریڈ وارڈن کا جانشین
ہوا تھا اور اس حیثیت سے جو تصانیف اس زمانہ میں
اس نے شایع کیں وہ درحقیقت اپنے پیشرو کے کام کی
انجام دہی تھی، مذہب آگسٹنی کے موافق قائل تقدیر ہونیکا
میلان اس میں پایا جاتا تھا اور اس کے زمانہ مابعد کے
مذہبی انقلاب کی بھی بنیاد تھی۔ اوکہم کا جس قدر وہ ممنون
تھا وہ اس کے اصلاح کلیسا کی ابتدائی کوششوں سے
ظاہر ہوگیا، اوکہم نے کلیسا کی گیدڑ بھبکیوں اور اخراج عن الملت

کی دھمکیوں سے بے خطر ہو کر حمایت ملک کے جوش میں پوپ کی سیادت کا استیصال اور ملکی قوت کے حقوق کا دعوے کرنے میں کبھی تذبذب ظاہر نہیں کیا۔ وکلف مطالعہ و ریاضت سے کمزور ہوگیا تھا اور اس کے لاغر و نحیف جسم سے بمشکل یہ توقع ہو سکتی تھی کہ وہ ایسا مصلح ثابت ہوگا جو ادکھم کے طوفان خیز کام کو جاری رکھ سکیگا۔ مگر اس کے نحیف جثہ میں ایک دل تھا جس میں تیزی، بیچینی، وسیع مستعدی، ناقابل جنبش اعتقاد ناقابل شکست فخر موجود تھا۔ شخصی دلکشی کو جو ہمیشہ اصلی عظمت کی معین ہو جاتی ہے، اس کی زندگی کی بے داغ پاکبازی سنے اور موثر کر دیا ہے خود وکلف نے بھی اپنی ذہنی طاقت کے وسیع حدود کا بمشکل اندازہ کیا ہوگا۔ پیش آنے والے جد وجہد میں پڑکر اس خشک مزاج و نکتہ آفریں مدرس کے اوصاف ظاہر ہوے کہ وہ زمانہ مابعد کی انگریزی نثر کا بانی، عام پسند، ہجو ملیح اور ترغیب و تحریص کا قادر الکلام، ایک ذی ہوش مدبر، ایک بیباک حامی، ایک جدید فرقہ مذہبی کا موسس بری باتوں پر ایک بے تکان متعرض اور سب سے دلیر اور سب سے زیادہ ڈھیٹ مناظر ہونے والا تھا۔ وہی پہلا مصلح تھا جس نے سب سے الگ تن تنہا تمام ممالک عیسوی کے عقاید پر اعتراض اور ان سے انکار کیا، گزشتہ زمانہ کے رواج کو توڑا اور اپنے آخری دم تک پوپ کے بنائے ہوے

معتقدات کے خلاف آزادی خیال کا دعوے کرتا رہا۔

انگلستان اور پوپ کلیسا پر وکلف کا وار عین اس وقت پر ہوا جبکہ ازمنہ وسطے کا انحطاط مذہبی اپنی آخری حد کو پہنچ گیا تھا۔ مستقر پوپ کے مقام آون نیاں میں منتقل ہو جانے سے انگریزوں کے دلوں میں اس کی آدھی وقعت رہ گئی تھی کیونکہ اس طرح پر پوپ نہ صرف فرانسیسی بادشاہوں کے دست پرور بن گئے تھے بلکہ خود ان کی حرص و تحصیل زر نے کم و بیش ایک عام انحراف پیدا کردیا تھا، اضلاع کے پادریوں اور اسقفوں کی جاگیر کے پہلے پھل اور پہلے برس کی آمدنی کا دعویٰ، ہر قسم کے اوقاف مذہبی میں تصرف کرنے کا ادعا، پادریوں پر براہِ راست محصول عاید کرنیکا اختیار انگریز کی جگہ پر غیر ملکی قسیسوں کا تقرر، معافی، رعایت اور مغفرت کے فروخت کا دستور قائم کرنا، پوپ کے دربار میں مرافعہ کرنے کی جرأت دلانا ان تمام امور نے جمع ہوکر تمام قوم کو مضطر کردیا تھا جس میں "اصلاح" کے زمانہ تک سکون نصیب نہیں ہوا۔ لوگ "فرانسیسی پوپ" کا مضحکہ کرتے تھے اور اس کے وکیل جب جہازوں سے اترتے تو انہیں پتھر مارنے کی دھمکی دیتے۔ چاسر کی طباعی نے "روم کی گرما گرم معافیوں" کے تھیلوں کا خاکہ اڑایا، پِرْیمیونَرِی کے قانون کے موافق پارلیمنٹ نے سلطنت کے اس حق کی حمایت کی کہ شاہی عدالتوں سے جو فیصلے صادر ہوں ان پر غیر ملکی عدالتوں میں

کسی قسم کی بحث نہ کی جائے نہ کسی قسم کا مقدمہ غیر ملکی عدالتوں میں دائر کیا جائے اور پراونزرس کے قانون سے پوپ کے اس دعوے سے انکار کیا کہ اوقاف کے تصرف کا اسے حق حاصل ہے مگر بادشاہ کی ایک نازیبا سیاسی کارروائی نے اس کوشش کو چلنے نہ دیا۔ پوپ نے درحقیقت غیر ملکیوں کے مقرر کرنے کا ادعا ترک کردیا تھا، مگر پوپ و بادشاہ نے آپس میں ایک سمجھوتہ کرلیا جس کا منشا یہ تھا کہ کلیسا کو اپنی غلامی کے اندر رکھیں اس بنا پر اسقفی خانقاہ اور اوقاف مذہبی پر بدستور پوپ کے طرف سے لوگ مقرر ہوتے رہے مگر بادشاہ پہلے ان کا انتخاب کرتا تھا، اس انتظام سے بادشاہ اور پوپ دونوں کے خزانوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ نیک پارلیمنٹ کے اعتراض سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے کی مجالس پارلیمنٹ اپنی کوشش میں ناکام رہ چکی ہیں، یہ دعوی کیا گیا تھا کہ پوپ نے جو محصولات لگائے تھے وہ بادشاہ کے محصولات سے پانچ گونہ زیادہ تھے۔ کہا جاتا تھا کہ حق تقرر کو محفوظ رکھنے سے ایک ہی قابض جائداد کی زندگی میں ایک ہی اسقفی پر چار چار پانچ پانچ بار تقرر کیا جاتا ہے اور ہر بار پہلا نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ تباہ کار شہر روم کے دلال روپیہ پیدا کرنے کے لئے بے علم اراذل کو ہزار ہزار مارک کی آمدنی کے اوقاف پر مقرر کرتے ہیں اور غریب عالم کو مشکل سے بیس میں ایک مارک ملتا ہے اسوجہ سے

اعلیٰ تعلیم کا انحطاط ہو رہا ہے وہ غیر ملکیوں کو بھیجتے ہیں جو نہ اپنے اہل حلقہ سے ملتے ہیں نہ ان سے ملنے کی فکر کرتے ہیں، خدا کی طاعتگذاری سے نفرت کرتے ہیں، ملک کی دولت لوٹتے ہیں وہ یہودیوں اور عربوں سے بھی بد تر ہیں صرف انگلستان سے پوپ کو اتنی آمدنی ہے کہ ممالک عیسوی کے کسی بادشاہ کی اتنی آمدنی نہیں ہے، خدا نے اپنی بھیڑیں چرانے کے لئے سپرد کی ہیں اون کاٹنے اور کھال نکالنے کے لئے سپرد نہیں کی ہیں " یہ شکایات معمولی شکایات نہیں تھیں، اس زمانہ میں لچفیلڈ، سالسبری اور یارک کی نظامت مذہبی کینٹربری کی شماسی (جو انگریزی اوقاف میں سب سے زیادہ زرخیز تھی) اور اس کے ساتھ اور بے شمار معمولات و رعایات، اطالوی رؤسائے مذہب اور قسیسوں کے حصہ میں تھے اور پوپ کا محصل اپنے لندن کے دفتر سے ایک سال میں بیس ہزار مارک پوپ کے خزانہ میں روانہ کرتا تھا ۔

انگلستان اور کلیسا

اس قسم کی جبر و زیادتی اور ستم شعاری نے انگریزی پادریوں کو اگر پوپ سے منقطع کر دیا تھا تو خود ان کی خود غرضی نے انہیں عام قوم سے جدا کر دیا تھا، ان کی دولت جیسی کثیر تھی ظاہر ہے مگر ملک کے بار کو تا حد امکان وہ سب سے کم برداشت کرتے تھے ۔ وہ اب بھی اس دعوے پر مصر تھے کہ ملک کی عام عدالت سے وہ مستثنیٰ

رکھے جائیں اور مذہبی عدالتوں کی نرم نرم سزاؤں کا ان
بے مہار پادریوں کو ذرا بھی خوف نہ تھا۔ اپنے حلقہ مذہبی
سے باہر کی مداخلت سے ہر طرح وہ بچے ہوئے تھے مگر
وصایا، معاہدات و طلاق کی نگرانی، معین نذرانوں کی تحصیل
اور سب سے زیادہ مذہبی ادائے فرائض کی وجہ سے
وہ اپنے گردو پیش کی اندرونی معاشرت میں ہر طرح
پر دخیل تھے ان کے اختیارات کے نافذ کرنے والے
اور ان کے مطالبات کے وصول کرنے والے پیادوں
کو جس طرح صورت دیکھتے ہی ہر شخص پہچان لیتا تھا
کسی اور کو لوگ اس طرح نہیں پہچانتے تھے لیکن اسکے
ساتھ ہی ان پیادوں سے زیادہ کسی اور سے نفرت بھی
نہیں کرتے تھے اس وجاہت دنیاوی کے مقابلہ میں
پادریوں کا اخلاقی اقتدار جلد جلد زایل ہوتا رہا۔ متمول ترین
اہل کلیسا اپنے خمدار بالوں اور دراز آستینوں سے امیرانہ
طرز معاشرت کی نقل کرتے تھے اور فی الحقیقت ان کا
تعلق تھا بھی اسی سوسائٹی سے ان کے دنیاوی انداز کا
عام اثر ہم چاسر کی شکاری راہب اور رئیسۂ خانقاہ کے
مرقع میں جس کی درباریوں کی سی وضع (اور سینہ پر اسکا
ایک عاشقانہ مقولہ منقش تھا) پہلے ہی دکھا چکے ہیں۔ اعلی
طبقہ کی خرابیوں پر وہ مطلقاً کوئی اثر نہیں ڈالتے تھے۔
بادشاہ اپنی بیوی کو "ملکہ حسن" کی حیثیت سے تمام لندن

میں پھراتا تھا، امرا اپنی بدکاریوں کو دربار اور میدان مسابقت میں علانیہ شایع کرتے تھے۔ اس وقت کا ایک وقائع نگار لکھتا ہے کہ "اُن دنوں یہ خبر گرم تھی اور اسکا بڑا شور تھا کہ جہاں کہیں کوئی ٹورنامنٹ ہوتا ہے وہاں ایک غول خوبصورت عورتوں کا بھاری بھاری پوشاکیں پہن کر آتا ہے لیکن یہ ملک کی شریف عورتیں نہیں ہوتیں، ان کی تعداد بعض وقت چالیس پچاس تک پہنچ جاتی ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ بھی ٹورنامنٹ کا ایک جزو ہیں، یہ عورتیں مختلف طرز کے اور عجیب و غریب مردانہ لباس پہنے ہوتی ہیں بالوں کو پلیٹ کر سر کے گرد باندھ لیتی ہیں اور چھوٹی ٹوپیاں استعمال کرتی ہیں، کمر میں سنہرے رُپہلے پٹکے کسے ہوتی ہیں، اور پرتلوں میں خنجر لگائے ہوتی ہیں، وہ عمدہ گھوڑوں پر سوار ہوکر ورزش کے میدان میں آتی ہیں اور اس طرح اپنا روپیہ برباد کرتی اور اپنے جسموں کو عجیب و غریب طرح کی حرکات سے خراب کرتی ہیں لوگوں میں اس کا ہر طرف چرچا پھیلا ہوا ہے، وہ نہ خدا کا خوف کرتی ہیں نہ لوگوں کے جوش غیرت میں آوازہ کسنے سے شرمندہ ہوتی ہیں۔ مگر کلیسا کے غیرتمندوں کی آواز انہیں شرمندہ کرنے کے لئے بلند نہیں ہوئی، فی الواقع اہل کلیسا کا شیرازہ خود اپنے مناقشات سے

بکھرا ہوا تھا اعلیٰ طبقہ کے مقتدایان دین سیاسی عہدوں کی نکروں میں مبتلا تھے اور ان دولتمند پادریوں اور دیہات کے غریب پیش نمازوں کی آمدنیوں میں جیسا مضحکہ خیز فرق تھا اس کی وجہ سے وہ ادنیٰ طبقہ کے پادریوں سے بالکل بے تعلق تھے۔ جو دنیا دار پادریوں کا کام انجام دیتے تھے ان میں اور ان لوگوں میں جو مستقلاً کلیسا سے تعلق رکھتے تھے سخت نفرت انگیز تفرقہ پڑا ہوا تھا اور یہ جنگ دارالعلوموں میں اور بھی سختی کے ساتھ جاری تھی۔ آکسفورڈ کے چانسلر فیٹز رالف نے دارالعلوم کے طلبہ کی کمی کو فرائر کی طرف منسوب کیا اور یونیورسٹی نے چھوٹے لڑکوں کا ان کے طبقہ میں داخل ہونا قانوناً روک دیا۔ در اصل قدیمی مذہبی فرقے اب محض زمیندار ہو گئے تھے اور فرائر کا جوش ایک بڑی حد تک مردہ ہو چکا تھا۔ اب فرائر کیا تھے، بے شرم گداگروں کا ایک غول باقی رہ گیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وکلف نے انہیں بے تامل مسٹنڈے گداگر کہا اور عوام نے اس پر واہ واہ کی۔ اس نے یہ بھی اعلان کردیا کہ "جو شخص کسی گدیہ گر فرائر کو بھیک دیگا وہ خود بخود خارجِ ملت ہو جائیگا"

وکلف و اصلاح کلیسا

خود اہل کلیسا کے گروہ سے باہر ایک اور دنیا تھی جس میں کچھ تو پیرز قلب ران کے مانند حق پسند لوگ تھے جو دنیا داری اور بدکرداری پر نفرت کا

اظہار کرتے تھے ۔ کچھ چاسر کے سے شکی تھے جو رؤسائے خانقاہ کی شکاری گھنٹیوں کی جھنکار پر ہنستے تھے اور ان کے علاوہ جان کے تحت میں وحشی و حریص بیرن تھے جو مقتدایان دین سے عہدوں کے نکال لینے اور ان کی دولت پر قبضہ کرلینے کے خواہاں تھے ۔ یہ آخری فریق اگرچہ ہمیں بالکل ناکارہ معلوم ہوتا ہے مگر جان (گانٹ) ہی وہ شخص تھا جس سے وکلف نے اپنی اصلاح کلیسا کی کوششوں میں اتحاد پیدا کیا ۔ ابھی تک اس نے روما کے معتقدات سے مخالفت نہیں کی تھی بلکہ صرف اسکی طرزعمل کا مخالف تھا اور پوپ کے دعوے "خراج" پر پارلیمنٹ کے پرغیظ انکار کی تائید اس نے محض اوہام کے اصول پر کی تھی ۔ لیکن اس کے رسالہ "خدائی سلطنت" De Dominio Divino سے ظاہر ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ وہ کام کرتا تھا ان کے خودغرضانہ اغراض سے اس کے اغراض حقیقۃً کس قدر مختلف تھے اپنی اسی مشہور ترین تصنیف میں وکلف نے اپنے فعل کو سوسائٹی (معاشرت) کے ایک خاص تخیل پر مبنی کیا ہے، خود اس کے الفاظ میں تمام اختیار "رحم پر مبنی" ہے ۔ اعلیٰ ترین مفہوم میں حکومت صرف خدا کی ہے ۔ خدا ہی ہے جو تمام عالم کا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے اپنی حکومت مختلف درجہ کے حکمرانوں کو

جاگیر کے طور پر اس شرط سے عطا کرتا ہے کہ وہ اسکی اطاعت کریں۔ اس پر بہت آسانی سے یہ اعتراض کیا جا سکتا تھا کہ اس حالت میں "حکومت" کہیں قائم ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے اس شرط کو قایم نہیں رکھ سکتا اور گناہ ہر شخص سے سرزد ہوتا رہتا ہے۔ مگر جیسا کہ وکلف نے خود ظاہر کیا ہے یہ نظریہ محض ایک خیالی نظریہ ہے۔ واقعی عمل میں وہ حکومت و طاقت کے درمیان فرق کرتا ہے۔ طاقت خدا کی مرضی سے بدکاروں کو بھی مل سکتی ہے۔ اور ایک عیسائی خدا کی اطاعت کے خیال سے اس کی تبعیت کر سکتا ہے، اس نے اس کا مطلب اپنی عالمانہ طرز میں ادا کیا تھا مگر بعد کو لوگ ان الفاظ کو بگاڑ کر یوں کہنے لگے کہ بقول وکلف "یہاں زمین پر خدا کو شیطان کی اطاعت کرنی چاہئے"۔ لیکن خیالی ہو یا حقیقی ہر طرح کی قوت و حکومت خدا ہی کی سمجھی جاتی تھی اور جیسا کہ پوپ کا دعوی تھا یہ طاقت صرف ایک ہی شخص کو (جو زمین پر اپنے کو خدا کا خلیفہ کہتا تھا) نہیں دی گئی تھی بلکہ تمام آدمیوں کو عطا کی گئی تھی۔ بادشاہ صحیح معنی میں خدا کا ایسا ہی خلیفہ تھا جیسا کہ پوپ تھا، شاہی قوت ویسی ہی مقدس تھی جیسی کلیسا کی قوت تھی اور دنیاوی امور بلکہ کلیسا کے دنیاوی معاملات میں بھی ویسی ہی کامل تھی جیسی کلیسا کی قوت روحانی امور میں تھی۔ اس لئے کلیسا و سلطنت کی بحث میں "حکومت" کے درمیان خیالی و عملی

فرق کوئی حقیقت نہیں رکھتا تھا، وکلف کا اس نظریہ کو عقل انسانی کے مطابق کرنا بہت ہی بلند اور وسیع اہمیت رکھتا تھا۔ ہر ایک عیسائی بادشاہ یا قسیس کا فرمان پذیر ہو سکتا ہے مگر "صاحب اختیار" ہونے کے لحاظ سے وہ خود براہ راست خدا کا جواب دہ ہوتا ہے۔ خود خدا کا تخت شخصی مرافعہ کی عدالت تھی۔ سولھویں صدی کے مصلحین نے جو کام اپنے نظریہ "جزائے اعتقاد" سے لیا اسی کام کو وکلف نے نظریۂ "حکومت" سے پورا کرنے کی کوشش کی۔ یہ وہ نظریہ تھا جس نے انسان و خدا کے درمیان براہ راست تعلق قائم کرکے درمیانی حیثیت کی اس تمام بنیاد کو ڈھا دیا تھا جس پر ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی عمارت قائم تھی مگر کچھ عرصہ تک اس کا حقیقی اثر محسوس نہیں ہوا تھا۔ کلیسا و سلطنت کی بابت وکلف کا نظریہ، اس کا دنیاوی معاملات میں کلیسا کو تاج کا تابع قرار دینا، اس کا یہ دعوی کہ قومی اغراض کے لئے دوسری جائدادوں کے مانند کلیسا کی جائداد پر بھی قبضہ کیا جا سکتا اور اسے کام میں لایا جا سکتا ہے، اس کی یہ خواہش کہ اہل کلیسا خود ان جائدادوں کو چھوڑ دیں اور کلیسا کی ابتدائی غربت کی حالت کو اختیار کریں، ان باتوں نے طبقہ مذہبی میں زلزلہ ڈال دیا تھا۔ انہیں سخت ناگوار ہوا جب وہ اس وقت میں لینکیسٹر والوں کے مذہبی پشت پناہ کی حیثیت سے نمودار ہوا جبکہ دائکہم پر

امرا کے حملے سے وہ پیچ وتاب کھا رہے تھے، انہوں نے یہ عزم کیا کہ وکلف پر مقدمہ قائم کر کے لات کا جواب لات سے دیں۔ وہ لندن کے اسقف کورٹنی کے روبرو طلب کیا گیا تاکہ وہ کلیسا کی دولت کے متعلق اپنے زندیقانہ تجاویز کا جواب دے۔ ڈیوک لینکیسٹر نے اس طلبی کو فی الواقعہ اپنے خلاف سمجھا اور سینٹ پال کی عدالت اساقفہ میں وکلف کی جانبداری میں بذات خاص موجود رہا مگر اس وقت کسی قسم کی کارروائی نہیں ہوئی البتہ امرا اور فرقہ مذہبی کے لوگوں میں کچھ سخت گفتگو ہوئی، خود ڈیوک کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اس نے کورٹنی کو دھمکایا کہ وہ اس کے چٹے پکڑ کر گرجا سے نکال دیگا۔ آخرالامر لندن کے عوام جن میں جان (گانٹ) کے طرف سے نفرت پھیلی ہوئی تھی اپنے اسقف کی مدد پر اٹھ کھڑے ہوے اور سپاہیوں کی مدد سے بمشکل وکلف کی جان بچی۔ مگر اس خطرے کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ اس کی ہمت اور بڑھ گئی، اساقفہ نے پوپ کا ایک فرمان حاصل کیا جس میں دارالعلوم کو ہدایت کی گئی تھی کہ وکلف کو ملعون سمجھیں اور اسے گرفتار کرلیں، لیکن وکلف اس فرمان کا دلیرانہ مقابلہ کیا اس نے اس کا جواب لکھا اور اسے بکثرت ملک میں شایع کیا اور پارلیمنٹ کے روبرو پیش کیا، اس میں اس نے علانیہ یہ دعوی کیا تھا کہ "کسی شخص کو پوپ ملت سے خارج نہیں کر سکتا تاوقتیکہ وہ اولاً خود

اپنے کو ملت سے خارج نہ کرے" کلیسا کے اس حق سے بھی انکار کیا کہ وہ روحانی عذاب کا خوف دلا کر دنیاوی حقوق حاصل کر سکتا یا انہیں محفوظ رکھ سکتا ہے۔ یہ بھی دعویٰ کیا کہ بادشاہ یا دنیاوی امرا نقص فرائض کی صورت میں کسی گرجا کو اس کی جائداد سے محروم کر سکتے ہیں اور معہذا اہل کلیسا کے ملکی عدالت کے تابع ہونے کی بھی حمایت کی۔ یہ مقابلہ اگرچہ گستاخانہ تھا مگر اس نے رعایا و بادشاہ کی تائید حاصل کر لی۔ اختتام سال کے قریب جب وہ معبد لیمبتہ میں اسقف اعظم کی طلب پر جوابدہی کے لئے حاضر ہوا تو دربار سے مقتدائے اعظم کے نام کارروائی کو معطل کر دینے کا حکم آگیا اور اہل لندن نے عدالت میں گھس کر اجلاس کو درہم برہم کر دیا +

پہلا پراٹسٹنٹ

وکلف ابھی اصلاح کلیسا کے لئے اپنی تجاویز کو جان (گانٹ) کے رفاقت میں شائع ہی کر رہا تھا کہ واٹ ٹائلر کی سرکردگی میں کسانوں نے شورش برپا کر دی اور چند مہینوں میں وکلف کا تمام کام برباد ہو گیا۔ اس سے نہ صرف فریق لینکسٹر کی طاقت (جس پر وکلف کو بھروسہ تھا) ایک وقت کے لئے معدوم ہو گئی بلکہ ایک عام خطرے کے مقابلہ میں طبقہ بیرن و کلیسا کی مشاجرت باہمی بھی برطرف کر دی گئی تھی وکلف کے غریب مبشر اشتراکیت کے واعظ سمجھے جانے لگے۔ فرائر نے اس پر یہ

الزام لگایا کہ "وہ تخم فساد کا بونے والا ہے جس نے اپنی سانپ کی سی ریشہ دوانی سے عوام کو رؤسا کے خلاف کردیا ہے" اور اگرچہ وکلف نے اس الزام کو حقارت کے ساتھ رد کردیا مگر اس کے بعض پیرووں کے برتاؤ سے شبہ کی وجہ پیدا ہو گئی تھی۔ جان بال اس شورش میں پیش پیش تھا اور وہ وکلف کے جانبداروں میں شمار ہوتا تھا اور یہ دعوی کیا گیا تھا کہ اس نے اپنے آخری وقت میں "پیروان وکلف" کی سازش سے تبرا کیا تھا۔ اس کے ایک سرآمد شاگرد رابرٹ ہرفرڈ کے بابت کہا جاتا ہے کہ اس نے اسقف اعظم سڈبری کے قتل پر علانیہ خوشنودی ظاہر کی تھی۔ اس قسم کے الزامات پر اعتبار کیا جائے یا نہ کیا جائے مگر اس قدر یقینی ہے کہ اس وقت سے کلیسا کے ترتیب جدید کی تمام تجاویز اس عام نفرت میں، خلط ملط ہو گئیں جو کسانون کے سرگروہوں کی تجاویز سے پیدا ہو گئی تھی اور بیرنوں اور پارلیمنٹ کے ہاتھوں سے مذہبی اصلاح کی ہر طرح کی امید کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن وکلف کو امیروں کی جماعت سے جو تائید حاصل ہو گئی تھی وہ اگر کسانون کی شورش سے باطل نہ بھی ہو جاتی تو بھی یہ رفاقت اس کی نئی مذہبی حیثیت سے خود بخود زایل ہو جاتی۔ شورش کے شروع ہونے سے چند ماہ قبل اس نے ایک یادگار زمانہ کام کیا۔ کلیسا کے سیاسی تعلقات و انضباط کے مصلح ہونے کی حیثیت

سے گزر کر وہ اس کے اصولی اعتقادات پر معترض ہوا
اگر کسی اعتقاد پر ازمنہ وسطیٰ کے کلیسا کی فوقیت قائم
تھی وہ تبدیل دم و لحم (Transubstantiation) کا
اعتقاد تھا' عشاے ربانی میں اس معجزے کا عمل ہوا کرتا
تھا اور چونکہ عشاے ربانی کا سرانجام صرف پادریوں سے
متعلق تھا اس وجہ سے ادنیٰ ترین قسیس بھی شہزادوں
۱۳۸۱ سے برتر سمجھا جاتا تھا۔ وکلف نے ۱۳۸۱ء کے موسم بہار میں'
اس اعتقاد تبدیل دم و لحم سے باقاعدہ انکار شائع کیا اور
اس وقت سے انحراف کی وہ تحریک عظیم شروع ہوئی جس کا
انجام سو برس سے زیادہ گزر جانے کے بعد یہ ہوا کہ ٹیوٹن
اقوام کا سواد اعظم عام کیتھلک مذہب سے الگ ہو گیا'
یہ کام اس وجہ سے اور بھی دلیرانہ تھا کہ وہ اس معاملے
میں بالکل ہی اکیلا تھا۔ جس دارالعلوم میں اس وقت
تک ہر چہار طرف اس کا اثر چھایا ہوا تھا اسی دارالعلوم
نے فوراً ہی اسے مردود قرار دے دیا۔ جان (گانٹ) نے
اسے خاموش رہنے کا حکم دیا وکلف بہ حیثیت ایک عالم
ربانی کے اگستینی کیننوں کے بعض اختلافات کی بحث میں
صدارت کر رہا تھا کہ اس کے بابت دارالعلوم کا نافذ کردہ
حکم ارتداد علانیہ پڑھا گیا' اگرچہ ایک لمحہ کے لئے وہ گھبرا گیا
مگر اس نے فوراً ہی چانسلر سے مطالبہ کیا کہ جن نتائج پر
وہ پہنچا ہے انہیں وہ غلط ثابت کرے۔ اس کی اس

ہمت سے اس وقت گرد و پیش کا اضطراب رفع ہو گیا۔ ڈیوک لینکسٹر کی ممانعت کا اس نے اپنی تعلیم کے علانیہ اٹھا سے جواب دیا، اور پر فخر طور پر اسے اس طرح ختم کیا کہ "مجھے یقین ہے کہ آخر میں صداقت غالب آئے گی دارالعلوم نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا اور اسکے مخالفوں کو ان کے عہدوں سے برطرف کر کے گویا اسکی رائے کو تسلیم کر لیا۔ وکلف اپنی تائید کے لئے عالموں اور دولتمندوں کے گروہ پر بھروسہ کرتا تھا مگر اب اس نے ان کی طرف نظر کرنا چھوڑ دیا۔ اس نے انگلستان کے عام لوگوں کی طرف رجوع کیا، اور انگریزی تاریخ میں یہ اپنے قسم کا پہلا یادگار واقعہ ہے کہ اس نے خود عوام کی زبان میں رسالہ پر رسالہ شائع کرنا شروع کیا۔ ان رسالوں کی کثرت کو دیکھ کر اس کی محنت پر حیرت ہوتی ہے۔ بلند پایہ عالموں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ سامعین کے روبرو اپنے مباحث لاطینی زبان میں دقیق و پیچیدہ طور پر پیش کرتے تھے مگر وکلف نے اس خشک و استدلالی طریقے کو یکقلم ترک کر دیا اور وہ معلم کے بجائے ایک رسالہ نویس بن گیا۔ اس انقلاب حالت سے اس شخص کی عجیب و غریب ذہنی قوت ظاہر ہوتی ہے اگر چاسر زمانہ مابعد کی انگریزی نظم کا بانی ہے تو وکلف انگریزی نثر کا بانی ہے اس کے رسالوں کی سادی صاف اور روز مرہ کی انگریزی،

اس کی تحریر میں اس زمانہ کے قلبہ ران اور سوداگر کی گفتگو
اگرچہ انجیل کے فقروں سے مزین اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی
ہے مگر علمی لحاظ سے جس طرح اس کا اسلوب کلام اور
انداز بیان اس کا خاص امتیاز ہے اسی طرح یہ زبان
بھی وکلف کی ایجاد کردہ ہے۔ پرزور چبھتے ہوے فقرے
اور متقابل جملے ایسے خصوصیات ہیں جو سست سے سست دل
پر بھی تازیانہ کا کام کرتے ہیں۔ ایک بار ناقابل شک
معتقدات کی زنجیروں کو توڑ کر وکلف کی طبیعت بڑی روانی
سے تشکیک کی طرف چل نکلی۔ بخشائش، رعایت، معافی، ولیوں
کے مزارات کی زیارت، ان کی تصاویر کی پرستش بلکہ خود
ولیوں کی تعظیم سب سے یکے بعد دیگرے انکار ہونے لگا۔
اس نے صرف انجیل کو اعتقاد کی بنا قرار دیا اور جملہ ضروریات
کے لئے اسی کی طرف رجوع کرنا لازمی سمجھا؛ اور اس کے
ساتھ ہی یہ دعوے کیا کہ ہر لکھا پڑھا شخص اپنی ضرورت
کے لئے خود انجیل کے دیکھنے کا حق رکھتا ہے۔ یہ دو باتیں
ایسی تھیں کہ ان سے اعتقادات کی بنیاد ہی کے منہدم
ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ یہ دلیرانہ انکار صرف اسی مختصر
اہل علم کے گروہ تک محدود نہیں رہا جو اب تک
اس کے شریک حال تھے بلکہ ان معتقدات کی عام
اشاعت کا ایک بے مثل انتظام ہو گیا۔ وکلف کی طبیعت
میں عملی قابلیت خصوصیت کے ساتھ موجود تھی۔ اس نے

چند برس پیشتر ایک گروہ واعظین کا "سادگی پسند پادری" کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ ان لوگوں کے عامیانہ وعظ اور دہقانیوں کے سے لباس پر تمام پادری ہنستے تھے مگر ان کی دن دونی ترقی کا اندازہ ہم ان کے مخالفین کے گھبرائے ہوئے مبالغوں سے کر سکتے ہیں۔ چند برس بعد انہوں نے یہ شکایت کی وکلف کے پیرووں کی ہر جگہ اور ہر گروہ میں کثرت ہو گئی ہے، امرا کے طبقہ میں، شہروں میں، دیہات کے کسانوں میں، خود خانقاہ کے حجروں میں، ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے۔ ہر شخص کے "ملنے والوں میں سے ایک ضرور لولارڈ ہوتا ہے"۔

آکسفورڈ اور لولارڈ

لولارڈ کے معنی غالباً "کاہل بکواسی" کے ہیں۔ قدامت پرست اہل کلیسا نے حقارت سے اپنے مخالفین کو یہ خطاب عطا کیا تھا، مگر ان کی نمایاں ترقی نے اس تحقیر کو مستعدی و سرگرمی میں بدل دیا۔ کورٹنی اب اسقف اعظم ہو گیا تھا اس نے بلیک فرائرز میں ایک مجلس کی جس میں چوبیس مسئلے وکلف کی تصنیف سے اخذ کر کے باضابطہ بحث کیلئے پیش کئے۔ اثناء کارروائی میں ایک زلزلہ نے باستثناء اسقف اعظم کل مقتدیانِ دین کو خوف زدہ کر دیا، اس نے کہا کہ زمین سے بدفالیوں کا نکلنا کلیسا سے بدفالیوں کے نکلنے کی ایک اچھی علامت ہے اور لولارڈ کے خلاف اثبات جرم کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے بعد اسقف اعظم نے

آکسفورڈ کو اپنے غیظ و غضب کا نشانہ بنایا۔ اس کے خیال میں وہی اس تمام زندیقیت کا سرچشمہ تھا، سنٹ فرائڈس وائڈ کے گرجا میں نکولس ہرفرڈ نے انگریزی زبان میں ایک وعظ کہا اور اس میں وکلف کے اعتقادات کو صحیح بتایا تھا کورٹنی نے چانسلر کو حکم دیا کہ اسے اور اس کے پیرووں کو خاموش کرے ورنہ وہ خود منکر مذہب قرار دیا جائے گا۔ چانسلر نے یونیورسٹی کی آزادیوں پر اعتماد کر کے وکلف کے ایک دوسرے پیرو رپنگڈن کو واعظ مقرر کر دیا۔ اس شخص نے فرقہ لولارڈ کو "مقدس پادری" کہنے میں اور جان (دگانٹ) کی حمایت کا دعویٰ کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔ اس دوران میں طلبہ میں فرقیانہ جوش بہت بڑھ گیا تھا، ان کا بڑا حصہ لولارڈ پیشواؤں کا طرفدار تھا، کارملائٹ پیٹر اسٹوکس نامی نے اسقف اعظم کے خطوط حاصل کئے تھے، مگر اس وقت حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ دہشت زدہ اپنے کمرے میں بند رہا اور چانسلر سو شہریوں کے حلقہ میں محفوظ و مطمئن رپنگڈن کے گستاخانہ بیان کو دل لگا کے سنتا رہا۔ بیچارے پیٹر اسٹوکس نے اسقف اعظم کو تو یہ لکھ بھیجا کہ "میں موت کے خوف سے اب آگے قدم بڑھانے کی جرات نہیں کر سکتا" پھر بھی ہمت کر کے ان مدارس میں چلا آیا جہاں اب رپنگڈن نے یہ دعوے کیا تھا کہ پادریوں کا طبقہ اس وقت اچھا

تھا جب اس کی عمر کے صرف نو برس گزرے تھے
بہ نسبت اس زمانہ کے کہ وہ ایک ہزار برس سے زائد
کی عمر کو پہنچ چکا ہے"۔ مگر طلبہ کے مسلح ہو کر نکل پڑنے
سے اسٹوکس پھر ناامید ہو کر لیمبتھ کو بھاگ گیا۔ اور
ہر ایک نئے زندیق نے علانیہ مجلس مذہبی میں وکلف کے
انکار تبدیل دم و لحم کی تائید کی۔ ولیم جیمز نے باعلان کہا
کہ "قربانگاہ کی عبادت کے سوا اور کہیں بت پرستی نہیں
ہوتی"۔ چانسلر رابرٹ رگ نے جواب دیا کہ "بیشک یہی
قرین عقل ہے"۔ مگر کورٹنی ایسا شخص نہیں تھا کہ اس
سرتابی کو دب کر برداشت کر لیتا اور جب اس نے رگ
کو لیمبتھ میں طلب کیا تو اسے اطاعت ہی قبول کرنے
میں مفر نظر آیا۔ یہ اطاعت اس کے اس وعدے پر
منظور کی گئی کہ وہ دارالعلوم میں وکلف کے مذہب کو
دبائے گا۔ کورٹنی نے جب اسے ان عقائد کی لعنت کے
خطوط دئیے تو چانسلر نے بیساختہ کہا کہ "میں موت کے
خوف سے اسے شایع نہیں کر سکتا"۔ اسقف اعظم نے جواب
دیا کہ "اگر تمہارا دارالعلوم اپنے حدود میں صداقت مذہب
کیتھولک کے اعلان کی اجازت نہیں دیتا تو پھر وہ علانیہ
منکروں کا موید ہے۔ شاہی مجلس نے اسقف اعظم کی تنبیہ
کی تائید کی مگر ان احکام کی اشاعت نے معاً آکسفورڈ میں
ایک آگ سی لگا دی۔ طلبہ نے فرائروں کو مار ڈالنے کی

دھمکی دی اور یہ شور مچایا کہ" وہ دارالعلوم کو تباہ کرنا چاہتے ہیں"۔ صدر معلموں نے ہنری کریپ کو اس بنا پر امن عام کا خراب کرنے والا قرار دے کر خدمت تعلیم سے معطل کر دیا کہ اس نے لولارڈوں" کو منکر کہا تھا' آخرکار بادشاہ نے کورٹنی کی امداد میں سختی کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور ایک شاہی فرمان کی رو سے یہ حکم دیا کہ وکلف کے تمام طرفدار فوراً خارج کر دئے جائیں اور لولارڈ کی تمام کتابیں ضبط کرکے ضایع کر دی جائیں' ورنہ بصورت عدم تعمیل دارالعلوم کے امتیازات منسوخ کر دئے جائینگے اس تہدید نے اپنا اثر دکھایا۔ ہرفرڈ اور ریپنگڈن نے جان (گانٹ) سے محافظت کی درخواست کی مگر اس سے کچھ حاصل نہ ہوا بلکہ ڈیوک نے خود ان کو مسئلہ قربانگاہ کے متعلق منکر قرار دیا' بہت کچھ پہلو بچانیکے بعد آخر انہیں باضابطہ اطاعت کا اظہار کرنا پڑا۔ خود آکسفورڈ کے اندر مذہب لولارڈ کالعدم ہو گیا۔ مگر مذہبی آزادی کے فنا ہونے کے ساتھ ہی ذہنی ترقی بھی یکبیک غائب ہو گئی۔ کورٹنی کے غلبہ کے بعد کی صدی دارالعلوم کی تاریخ میں بہت ہی خالی معلوم ہوتی ہے اور دارالعلوم نیند سے اس وقت تک نہیں چونکا جب تک کہ" نئی تعلیم" کی آمد نے اس کی اس زندگی و آزادی کو کسی حد تک بحال نہ کیا جسے مقتدائے اعظم نے ایسا

بری طرح پامال کیا تھا +

وکلف کا انتقال

بلند پایہ معلمین میں وکلف کے آخری شخص ہونیکی عظمت اس سے زیادہ نمایاں طور پر کسی اور امر سے نہیں ظاہر ہوتی کہ کورٹنی جیسا دلیر شخص آکسفورڈ پر کامل فتح حاصل کرنے کے بعد بھی بانی مذہب کے خلاف انتہائی تدابیر اختیار کرنے میں متردد رہا۔ وکلف اگرچہ طلب کیا گیا تھا مگر وہ زلزلہ والی مجلس میں حاضر نہیں ہوا۔ مقتدایان دین اور فرقہائے خانقاہی جو اب تک ایک دوسرے کے مخالف تھے جب ان میں نیا اتحاد پیدا ہوا تو وکلف نے یہ چلتا ہوا فقرہ کہا کہ "پانیٹیس پائیلیٹ" اور ہیرڈ آج ایک دوسرے کے دوست ہو گئے ہیں۔ انہوں نے جب حضرت عیسیٰ کو (نعوذ باللہ) منکر بنا دیا ہے تو ان کے لئے بہت آسان ہے کہ وہ نیک دل عیسائیوں کو منکر قرار دیں" معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس وقت فی الواقع بیمار تھا لیکن آخر فیصلہ کے اعلان نے اس میں نئی جان ڈال دی۔ اس سے پیشتر ایک خطرناک حالت میں وہ چلا اٹھا تھا کہ" میں مرونگا نہیں بلکہ میں زندہ رہونگا اور فرائر کے کام کا اعلان کرونگا"۔ اس نے بادشاہ اور پارلیمنٹ کو درخواست دی کہ اسے اجازت دی جائے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے معتقدات کو ثابت کرے اور مخالفین کے اعتراضات کی طرف اپنی جبلی آمادگی کے ساتھ متوجہ ہوکر اس نے یہ

مطالبہ کیا کہ ہر قسم کے مذہبی حلف بند کر دئے جائیں، عشر کا مصرف غریبوں کی امداد کے لئے خاص کر دیا جائے اور پادری اپنے گلہ، کے صدقات پر اوقات بسر کریں، یہ پرادیرز اور پرمیمونیری کے قوانین پوپ کے خلاف بھی عاید کئے جائیں، اہل کلیسا دنیاوی عہدوں کے ناقابل قرار دئے جائیں اور اخراج عن الملت کی صورت میں قید کی سزا بند کر دی جائے۔ آخر مجلس کے حکم کے علی الرغم اس نے یہ مطالبہ کیا کہ تبدیل دم و لحم کے ابطال کی عام طور پر تعلیم دی جائے۔ دوسرے سال وہ آکسفورڈ کی مجلس مذہبی میں حاضر ہوا مگر صرف اس لئے کہ اپنی عالمانہ منطق کے زور سے اپنے مخالفین کو ششدر کر دے اور بغیر اس کے کہ اس کے انکار مذہب کے بیان کا کوئی جواب دیا جا سکے وہاں سے چلا آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم سے اس کے نکال دئے جانے پر مخالفین اس وقت مطمئن ہو گئے تھے مگر اپنی عزلت گزینی کی حالت میں بمقام لٹرورتھ وہ ایک ایسا قوی حربہ تیار کر رہا تھا جسے اگرچہ دوسرے ہاتھوں نے چلایا مگر اس نے اس فتحمند حکومت مذہبی کے خلاف بہت ہی خطرناک اثر دکھایا۔ موت کے قریب وہ اناجیل کے اس سابقہ ترجمہ پر نظر ثانی کر رہا تھا جس کی اول تیاری میں اس کے شاگرد ہرفرڈ نے بھی اس کی مدد کی تھی، اور جو وکلف کی کتاب مقدس

کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ مقتدایان دین نے روما میں
مرافعہ پیش کیا۔ آخر اس کے جواب میں یہ حکم آیا کہ
وہ پوپ کے دربار میں حاضر ہو وہ اپنی خرابیٔ صحت کے
باعث وہاں جانے سے معذور تھا مگر اس حالت میں بھی
اس نے امتثال امر سے قاصر رہنے کی وجہ بیان کرنے
میں طنز سے یہ لکھ بھیجا کہ "مجھے ہمیشہ اس سے مسرت
ہوتی ہے کہ میں اپنا عقیدہ ہر شخص کے سامنے صاف
صاف بیان کروں پس روما کے اسقف کے سامنے اپنے
عقیدے کے بیان کرنے میں مجھے جو کچھ مسرت نہ ہو کم
ہے، کیونکہ مجھے یہ یقین ہے کہ میرا خیال اگر قدیم اعتقاد
کے موافق ہے تو وہ اس کی تصدیق کریگا، اگر وہ غلط
ہے تو وہ اس کی تصحیح کردیگا۔ میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ
روے زمین پر حضرت عیسیٰؑ کے خاص خلیفہ ہونے کے
اعتبار سے اسقف روما تمام باقی انسانوں میں سب سے
زیادہ انجیل عیسوی کے قانون کا پابند ہے کیونکہ حضرت
عیسیٰؑ کے پیرووں میں کثرت کا اندازہ محض نفوس کے
شمار کرنے سے نہیں ہوتا جیسا کہ اس دنیا کا دستور ہے
بلکہ غلبہ اس فریق کو ہوتا ہے جو حضرت عیسیٰؑ کی پیروی
کرتا ہو۔ اب دیکھئے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی زندگی میں
سب سے زیادہ غریب تھے، ہر طرح کے دنیاوی اقتدار کو
اپنے سے الگ کر دیا تھا ان وجوہ سے ایک ناچیز مشورت کے

طور پر نیتجتہً یہ عرض کرتا ہوں کہ پوپ ہر طرح کے دنیاوی اقتدار ملکی طاقت کو سپرد کردے اور اپنے پادریوں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم دے" غالباً اس کے الفاظ میں یہ جرأت اس وجہ سے آگئی تھی کہ وہ جانتا تھا کہ اس کا خاتمہ قریب ہے۔ اس کی طاقت بڑھاپے اور کثرت مطالعہ سے پہلے ہی جا چکی تھی اور اسس ناتوانی میں اس طرح سخت کام کرنے کا لازمی نیتجہ آخر ظاہر ہو گیا۔ وکلف، لٹروَرتھ کے دیہاتی گرجے میں عبادت میں شریک تھا کہ اس پر سکتہ طاری ہوا اور دوسرے دن اس کا انتقال ہو گیا ❊ ۳۱ دسمبر ۱۳۸۴

جزو چہارم

کسانوں کی شورش

۱۳۷۷—۱۳۸۱

اسناد:۔ اس زمانہ کی زمین و مزدوری کے حالات کے متعلق پروفیسر تھورولڈ راجرس کی ہسٹری آف پرائسز (تاریخ اثمان (History of prices سنٹ پال کی ڈومزڈی بک (Domesday Book) (مرتبہ کیمڈن سوسائٹی) جس میں شماش اعظم ہیل کا قابل قدر دیباچہ

بھی شامل ہے اور مسٹر سیبوم کے مضامین دربارہ ''وباے اسود'' (شایع شدہ فورٹ نائٹ لی ریویو ۱۸۶۵ء) دیکھنا چاہئے۔ وقائع نگاروں میں نائٹن اور والسنگھم بہت مشرح اور بہت ہی قابل قدر لکھنے والے ہیں۔ ''قوانین مزدوراں'' پارلیمنٹ کے رولز (صحائف) (Rolls) میں دستیاب ہوں گے۔

انگلستان کے علاقجات

اس کے قبل ہم جس مذہبی انقلاب کا بیان کر چکے ہیں اس کی وجہ سے ایک اُس سے بھی زیادہ اہم انقلاب کی تحریک پیدا ہو گئی تھی، جس کا اثر ایک مدت دراز سے ملک کے چپہ چپہ پر محسوس ہو رہا تھا۔ انگلستان کے تمام دیہاتوں کا طرز معاشرت نظام جاگیرات کے طریق پر منحصر تھا۔ اس طریقہ کے بموجب کاشتکاری اور اندرونی نظم و نسق کے ضروریات سے کل زمین بڑی بڑی جائدادوں میں تقسیم کر دی گئی تھی۔ مالک علاقہ بالعموم اپنی ذاتی زراعت کے طور پر اراضی کا ایک حصہ خود اپنے قبضے میں رکھتا تھا اور باقی اراضی مستاجرین میں تقسیم کر دیتا تھا۔ ان مستاجرین پر مالک علاقہ کے خدمات فرض ہوتے تھے۔ خاندان الفرڈ کے بادشاہوں کے تحت میں غلاموں اور آزاد شخصوں دونوں کی تعداد یکساں طور پر گھٹ گئی تھی۔ غلاموں کی تعداد کسی وقت میں بھی بہت زیادہ نہیں تھی مگر کلیسا کی کوششوں سے اور بھی کم ہو گئی تھی، شاید جنگہائے ڈین کے ہیجان عام سے ہی اس میں کچھ کمی واقع ہو گئی تھی، مگر اس کے ساتھ

ان لڑائیوں کی وجہ سے بہت سے آزاد اشخاص کسی نہ کسی شاہی امیر کے حلقہ بگوش اور اس کی محافظت کے عوض میں اپنا گاڑھا پسینہ بہانے کے پابند ہو جاتے تھے۔ غالباً یہی ماتحت آزاد اشخاص دور نارمن کے ویلین تھے۔ یہ لوگ خالص آزادی سے پست درجے میں آجاتے اور اپنی زمین اور اپنے آقا دونوں کے پابند ہو جاتے تھے۔ مگر اس وقت تک ان کی قدیمی آزادی بہت کچھ برقرار تھی، ان کی زمین انکے قبضے میں ہوتی تھی اور اپنے آقا کے سوا ہر شخص کے مقابلہ میں انہیں اس زمین پر آزادانہ حق حاصل ہوتا تھا اور اس وقت تک وہ مجلس حلقہ اور مجلس صوبہ میں اپنے قائم مقام بھیجتے تھے۔ اس لئے "بے زمین اشخاص" سے وہ بمدارج بلند تر تھے کیونکہ قدیم نظم سلطنت میں بھی بے زمین اشخاص کو کسی قسم کے سیاسی حقوق حاصل نہیں تھے، اور انگریز بادشاہوں کے قوانین نے تو انہیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ کسی نہ کسی رئیس کے تابع ہو جائیں ورنہ سلطنت انکی محافظت سے بری الذمہ ہو جائے گی۔ یہ لوگ خانگی ملازم یا مزدوروں کے طور پر کام کرتے تھے یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ لگان پر کوئی زمین لے لیتے تھے مگر اس زمین پر انہیں کسی قسم کا حق ملکیت نہیں حاصل ہوتا تھا۔ نارمنی نائٹ قانون دان ان مختلف طبقات کے درمیان کچھ بھی فرق نہیں سمجھتے تھے اور

شاہان آنٹرڈی کے عہد میں قانون کا میلان برابر اسی جانب رہا کہ سب کو ایک ہی طبقۂ نیم غلام کے تحت میں داخل کردیا جائے۔ خالص غلاموں کے ناپید ہو جانے سے جبرل (عام آزاد اشخاص) اور ویلین (پابند زمین آزاد اشخاص) کا درجہ معاشرت اور بھی پست ہو گیا بے شبہ دیہاتی آبادی زیادہ مخلوط ہو گئی تھی اور سب مل کر ایک ہمجنس گروہ بن گئے تھے۔ مگر در اصل ان کے درمیان فرق تھا اور متقنین جیسا سمجھتے تھے فی الواقع وہ حالت نہیں تھی۔ اس میں شک نہیں کہ سب ایک ہی رئیس کے تابع ہوتے تھے، انگلستان کے ہر دیہات کا مرکز اس کے رئیس کا مکان ہوتا تھا، علاقے کی عدالت کا اجلاس اسی مکان کے ہال میں ہوتا تھا۔ یہیں رئیس یا اس کا داروغہ لوگوں کی فرمانبرداری کو قبول اور جرمانے وصول کرتا، رعایا میں باہمی ذمہ داریاں قائم کرتا اور دیہاتیوں کے عشر کا اندراج کرتا تھا، اگر رئیس کو فوجداری کے اختیار حاصل ہوتے تو یہیں وہ اس عدالت کا بھی اجلاس کرتا اور اسی مکان کے دروازہ کے باہر پھانسی کھڑی کی جاتی تھی، اسی مکان کے آس پاس رئیس کی ذاتی زراعت ہوتی تھی اور اس کی کشتکاری تمام تر علاقے کے ویلین کے ذریعہ سے ہوتی تھی۔ یہی لوگ رئیس کے بڑے بڑے کھلیانوں کو غلے سے بھرتے، اس کی بھیڑوں کے بال کترتے، اسکے لئے

اناج کی شراب بناتے اور اس کے ہال میں جلانے کی لکڑی چیرتے تھے۔ یہی خدمات وہ معاوضۂ جسمانی تھیں جن کے عوض میں انہیں زمین ملتی تھی اور اسی معاوضۂ جسمانی کی نوعیت مقدار آبادی کے ایک طبقے کو دوسرے طبقے سے ممیز کرتی تھی۔ صحیح معنوں میں "ویلین" کی ذمہ داری صرف اتنی تھی کہ فصل کے وقت رئیس کا غلہ جمع کرے اور ربیع و خریف میں، زمین کے جوتنے اور بونے میں مدد دے۔ برخلاف ازیں کھیتوں میں رہنے والے اور مزدور تمام سال رئیس کی زراعت میں کام کرنے کے پابند تھے مگر یہ خدمات اور ان کی بجا آوری کے اوقات نہ صرف "ویلین" کے لئے بلکہ ذلیل تر بے زمین اشخاص کے لئے بھی از روئے رواج قطعی طور پر معین و مقرر ہو گئی تھیں۔ یہ لوگ اپنے چھوٹے چھوٹے مکانات اور ان مکانات کی ملحقہ زمینوں پر قابض ہوتے اور علاقے کی افتادہ زمین پر مویشی چرانے کا حق رکھتے تھے اور یہ حقوق محض رئیس کے مراعات و مرضی پر منحصر نہیں رہتے تھے بلکہ آہستہ آہستہ وہ اس درجے پر پہنچ گئے تھے کہ از روے قانون اس کا دعوی کیا جا سکتا تھا۔ رئیس جس قدر ہل، جرمانہ، امداد، اور خدمات کا مطالبہ کر سکتا تھا یہ سب کچھ اولاً محض زبانی روایات پر مبنی تھا مگر بعد میں علاقے کے دفتر عدالت میں ان کا

اندراج ہو گیا اور اس کی ایک نقل بطور پٹہ کے ویلین کو بھی ملتی تھی اسی وجہ سے اسے "نقلدار" کہنے لگے۔ اور زمانہ مابعد میں ویلین کے بجائے یہی لفظ رائج ہو گیا۔ جب اختلافات پیش آتے تھے تو ان کا فیصلہ انہی عدالتی اندراجات یا رواج زیر بحث کی زبانی شہادت کے موافق ہوا کرتا تھا، مگر جیسا کہ انگریزوں کی طبیعت کا خاصہ ہے باہمی روا داری سے بالعموم رسوم معاشرۃ ہی ویلین اور رئیس کے حقوق کو ایک انداز پر قائم کر دیتے تھے۔ رئیس کے گماشتے کا یہ فرض ہوتا تھا کہ وہ ویلین سے خدمات متعینہ حاصل کرے مگر اس کام میں اس کے ساتھ علاقے کا ایک مقدم بھی شریک ہوتا تھا جسے خود مستاجرین منتخب کرتے تھے اور وہ ان کے اغراض و حقوق کا محافظ ہوتا تھا۔

کسان ومزدور

طریق تقسیم اراضی کی جن ابتدائی خرابیوں کا ہم ذکر کر چکے ہیں وہ پٹوں کے جاری ہونے سے پیدا ہوئیں۔ اکثر رئیس علاقہ اسے زیادہ آسائش اور نفع کا باعث سمجھتے تھے کہ اپنی جاگیر میں خود اپنے گماشتہ کے ذریعہ سے کاشت کرنے کے بجائے اسے کسی مستاجر کو دے دیں اور اس سے ایک لگان نقد یا پیداوار کی صورت میں معین کرلیں، چنانچہ بہت ہی قدیم زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ سنٹ پال کے منتظمین نے سینٹن کے

علاقہ کا پٹہ دے دیا تھا' اور معاوضے میں روٹی اور شراب کیلئے غلّہ خانقاہ کے دروازہ پر تقسیم کرنیکے لئے خیرات' باورچیخانے اور بھٹی میں جلانے کیلئے لکڑی اور مزدوری میں صرف کرنے کیلئے نقد روپیہ شامل تھے۔ پٹہ داری کے اسی دستور سے انگریزی لفظ فارم Farm اور فارمر Farmer نکلا ہے۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ بالعموم پٹہ کی میعاد معینہ کیلئے جو لگان لیا جاتا تھا اور جسے لاطینی لفظ فرما Firma سے اخذ کرکے فیارم Feorm کہتے تھے اس سے لفظ فارم ماخوذ ہے۔ جس کاشتکارانہ انقلاب پر ہم اسوقت بحث کررہے ہیں اِسکا پہلا قدم اسی لفظ کا ترقی پذیر استعمال ہے۔

یہ ایک ایسا انقلاب تھا۔ جس سے براہ راست علاقجات کے نظم ونسق میں کوئی فرق نہیں پڑا مگر بالواسطہ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس سے وہ تعلق ٹوٹ گیا جس پر علاقے کا نظام جاگیرات منحصر تھا یعنی مستاجر اپنی ذات سے رئیس کا تابع نہیں رہا اور اس سے یہ موقع ملا کہ زیادہ دولتمند مستاجروں نے ایسی حیثیت پیدا کرلی کہ وہ بظاہر اپنے سابق آقاؤں کے برابر ہوگئے۔ اور اسطرح بڑے بڑے جاگیرداروں اور معمولی مستاجروں کے درمیان ایک نیا طبقہ بنگیا۔ اِس انقلاب کی اہمیت بہت ہی بڑھی ہوئی تھی۔ نظام جاگیرات میں اس ابتدائی تغیر سے ایک طبقہ ٹھیکہ داروں کا پیدا ہوگیا لیکن اسکے بعد ہی ایک اور بھی زیادہ اہم صورت یہ پیش آئی کہ "آزاد مزدوروں" کا بھی ایک طبقہ پیدا ہوگیا۔ اسوقت تک مزدوروں نے دوسرے اعتبارات سے جو کچھ بھی حق حاصل کرلیا ہو مگر وہ نہایت سختی سے زمین ہی کیساتھ وابستہ تھے، کسی ویلین یا کسی "نیم ملازم" کو یہ موقع حاصل نہیں تھا کہ وہ اپنے لئے کوئی نیا

مالک یا نئی زمین پسند کر سکے۔ فی الحقیقت اس کا پیدا ہونا ہی ایک معین زمین اور ایک معین آقا کے لئے ہوتا تھا۔ وہ تجارت یا اجرت کی تلاش میں علاقے سے باہر جانے کے لئے ایک رقم دے کر اجازت حاصل کر سکتا تھا، لیکن اگر اپنے مالک کی طلب پر وہ واپس آنے سے انکار کرتا تو ایک خارج الذمہ مفرور شخص کے طور پر اس کی گرفتاری عمل میں آتی، مگر سوسائٹی کی ترقی اور آبادی کی زیادتی کی وجہ سے ایک مدت سے غلام خاموشی کے ساتھ اس مقامی پابندی سے آزاد ہوتے جا رہے تھے۔ اپنی جائدادوں کے سوا تمام دوسری جائدادوں میں کلیسا کی طرف سے ایک کارثواب کے طور پر غلاموں کے آزاد کرانے کی کوشش برابر جاری تھی، اس قسم کے پابند اشخاص مفرور ہوکر جب کسی ایسے شہر میں پہنچ جاتے تھے جسے فرمان شاہی حاصل ہوتا تھا تو وہ اس طرح پر آزاد ہو جاتے تھے کہ وہاں ایک برس ایک دن رہ کر حق شہریت حاصل کر لیتے تھے۔ لوگوں کا میلان اس جانب بھی بڑھتا جاتا تھا کہ جسمانی خدمات کو نقد معاوضہ سے بدل لیں۔ اور اس سے حصول آزادی کے لئے ایک نیا راستہ پیدا ہو گیا۔ آبادی آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی تھی اور جس طرح تمام غیر وصیت شدہ جائداد جو

خدمت پر مبنی نہ ہو، تمام لڑکوں میں برابر تقسیم ہو جاتی تھی، اسی طرح ہر ایک مستاجر کی اراضی و خدمات بھی اس کی اولاد میں منقسم ہو جاتی تھی۔ اس وجہ سے ایسے جسمانی خدمات کا ملنا زیادہ دشوار ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی کسانوں کی دولت بڑھتی جاتی تھی اور ان میں آزادی کی ایک نئی روح پیدا ہوتی جاتی تھی، اس لئے کہ جسمانی خدمت کا انجام دینا خود ان کو بھی زیادہ ناگوار معلوم ہونے لگا تھا۔ ہر جائداد میں مدت سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ خدمت معینہ اگر باقی رہ جاتی تھی تو اس کے عوض میں زر نقد لے لیا جاتا تھا، اب ان اسباب کے جمع ہو جانے سے ایسی تمام خدمتیں عام طور پر معاوضۂ زر نقد ہی سے بدل گئیں۔ سنٹ اڈمنزبری کے حالات میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس خاموشی کے ساتھ اس قابل قدر تغیر نے ترقی کی تھی۔ مگر یہ طریقہ بہت جلد تمام ہو گیا اور ہر ایک خدمت مفترضہ کے بجائے معاوضۂ زر نقد کا اندراج دفتر میں ہو گیا۔ اس تغیر میں خود رئیسوں کی ضروریات کی وجہ سے اور بھی عجلت ہوئی۔ ایوانات کے امیرانہ سامان، فروسیت کی شان و نمود، مہمات کے اخراجات، نے نائٹوں اور بیرنوں کی جیبیں خالی کر دی تھیں۔ اور انہیں دو بارہ پر کرنیکے لئے نیم غلاموں کی آزادی اور ویلین کا خدمات مفترضہ

سے مستثنےٰ کر دینا ایک آسان اور عمدہ ذریعہ تھا۔ اس کارروائی میں بادشاہ تک شامل تھے۔ اڈورڈ سوم نے شاہی جاگیروں پر خاص اسی غرض سے کارفرما روانہ کئے کہ بادشاہ کے نیم غلاموں کی آزادیاں فروخت کر دیں اور اسوقت تک ان لوگوں کے نام موجود ہیں جنہوں نے بادشاہ کے خالی خزانے میں نقد روپیہ داخل کر کے اپنے خاندان کی آزادی خرید کر لی تھی +

کالی وبا

نیم غلاموں کے پٹہ دار بن جانے سے نظام جاگیرات میں جس قدر تغیر ہوا تھا، اس سے بدرجہا زیادہ حقیقی تغیر اس امر سے واقع ہوا، کہ نیم غلاموں کا زمین سے وابستہ ہونا یک قلم برطرف ہو گیا، حقیقت یہ ہے کہ ایک نئے طبقے کے پیدا ہو جانے سے معاشرت اہل ملک کی صورت ہی بدل گئی تھی۔ پٹہ دار کسانوں کے بعد آزاد مزدوروں کا طبقہ نمایاں ہوا۔ مزدور اب کسی خاص جگہ یا کسی خاص مالک کے پابند نہیں رہے تھے۔ وہ جس کی چاہتے مزدوری کرتے اور جس کام کو چاہتے اختیار کر لیتے تھے۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں اُس زمانے میں انگلستان کے بیشتر حصے میں رؤسائے علاقجات کی حالت بالکل وہی ہو گئی تھی جو آج کل کے رئیسوں کی ہے۔ انہیں اپنے مستاجرین سے نقد لگان ملتا تھا اور انہیں اپنی خاص کاشت کے لئے مزدوروں سے اجرت پر کام لینا پڑتا تھا۔ نیم غلاموں کے آزاد ہو جانے سے زمینداروں کا انحصار اجیروں پر رہ گیا تھا

مگر اب اس معاملے میں انہیں ایک سخت مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اس وقت تک مزدوروں کی فراوانی اور اجرت کی ارزانی تھی، اب یہ افراط یک بیک نابود ہو گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دنیا کی مہیب ترین دبا مشرق سے چل کر بحیرہ روم کے ساحلوں سے بحر بالٹک تک تمام یورپ کو تباہ کر چکی تھی اور اب اختتام ۱۳۴۸ء میں برطانیہ کو اس نے اپنی آماجگاہ بنا لیا تھا۔ اس کی تباہی کے جو قصے مشہور ہیں اور اس کے بعد جن مضطربانہ الفاظ میں قوانین نافذ ہوئے ہیں، حال کی تحقیقات سے ان کی پوری پوری تصدیق ہوتی ہے۔ اس زمانے میں انگلستان کی کل آبادی تیس چالیس لاکھ کے درمیان تھی اور اس دبا کے متواتر آنے سے نصف سے زائد آبادی

۱۳۴۹ اس کی نذر ہو گئی۔ بڑے شہروں میں اس کے مصائب بہت زیادہ سخت تھے، کیونکہ غلیظ اور بے نکاس کی راہوں کے باعث یہ مقامات جذام و بخار کا مستقل مسکن بن گئے تھے۔ سر دالرمونے نے رحم کھا کر باشندگان لندن کے لئے ایک قبرستان خرید کیا تھا، اس ایک قبرستان میں پچاس ہزار سے زائد مردے دفن کئے گئے۔ بعد میں بطور یادگار یہاں ایک خانقاہ تعمیر کر دی گئی۔ نارُوج میں ہزارہا آدمی ہلاک ہوئے اور برسٹل میں زندے اتنے نہیں رہے تھے کہ وہ مردوں کو دفن کر سکیں۔ مگر اس

وبا کی مصیبت دہاتوں پر بھی ویسی ہی تھی جیسی شہروں پر تھی ۔ یارک شائر کے نصف سے زائد پادری اس میں ہلاک ہو گئے ۔ ناروچ کی اسقفی میں دو تہائی سے زائد اضلاع مذہبی کی آبادی کی آبادی بدل گئی مزدوری کا تمام ڈھانچہ ہی بگڑ گیا ۔ آدمیوں کے کم ہو جانے سے ادنی درجہ کے متاجرین کے لئے یہ دشوار ہو گیا کہ وہ اپنی زمین کے عوض خدمات جسمانی انجام دے سکیں ۔ انہوں نے تو زمینیں بھی چھوڑ دی ہوتیں مگر محض زمینداروں کے عارضی طور پر نصف لگان کے کم کر دینے سے وہ رک گئے ۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کاشتکاری ناممکن ہوگئی ایک ہمعصر لکھتا ہے کہ بھیڑیں، گائے بھینس، کھیتوں اور غلوں میں مارے مارے پھرتے تھے ۔ اور کوئی اتنا بھی نہیں تھا کہ انہیں وہاں سے ہنکا دے"۔ یہ سچ ہے کہ اضطراب فرو ہو جانے کے بعد اشیائے خوردنی کی قیمتیں بڑھ گئی تھیں مگر آزاد مزدوروں کے بیحد کم ہو جانیکے باعث مزدوری کی شرح یکایک اس قدر بڑھ گئی کہ اہل حرفہ کے تمام کاروبار یکلخت ابتر ہو گئے ۔ فصلیں زمین ہی پر پڑی پڑی سڑ گئیں ۔ کھیتوں میں کاشت تک نہیں ہوئی" اور اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ آدمی کم تھے بلکہ وہ تنازعہ بھی اسی کا باعث تھا جو اب پہلی بار سرمایہ اور محنت کے درمیان رو نما ہوا ۔

قوانین مزدوراں

ایک طرف دیہاتوں کے زمیندار اور شہروں کے دولتمند اہل حرفہ (اپنے زمانے کے اعتبار سے) مزدوروں کے بے اندازہ مطالبات سے گرداب تباہی میں پھنسے ہوئے تھے۔ دوسری طرف خود ملک شورشوں اور بغاوتوں سے درہم برہم ہو رہا تھا۔ وبا کے بعد ہر جگہ لوگوں میں ایسی نفسا نفسی پیدا ہو گئی تھی کہ انہوں نے قانون کو بالکل پس پشت ڈال دیا اور اس کا اثر بے زمین اشخاص پر خاص کر زیادہ تھا۔ یہ لوگ کام کی تلاش میں ہر طرف پڑے پھرتے تھے۔ اور بازار مزدوری کے اب یہی لوگ مالک بن گئے تھے۔ یہی گشت لگانے والے مزدور و اہل حرفہ آسانی سے تنومند فقیر یا جنگلوں کے راہزن بن جاتے تھے۔ بادشاہ نے ان خرابیوں کے فوری انسداد کے لئے ایک شاہی حکم جاری کر دیا تھا جسے بعد میں "قانون مزدوراں" کی صورت میں بدل دیا گیا۔ اس مشہور قانون کا حکم تھا کہ "ہر تندرست مرد و عورت جس کی عمر ساٹھ برس کے اندر ہو خواہ آزاد ہو یا غلام اگر اس کے پاس اپنے رہنے کے لئے خود اپنا مکان یا کاشت کے لئے ذاتی زمین نہ ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کا ملازم بھی نہ ہو تو اس کا فرض ہے کہ جو شخص اس سے کام لینا چاہے اس کا کام کرے اور

وہی مزدوری قبول کرے جو وبا کے شروع ہونے سے دو برس پیشتر قرب و جوار میں رائج تھی"۔ جو شخص اس قانون کی اطاعت سے انکار کرتا اسے قید کی سزا دی جاتی تھی، لیکن بہت جلد اس سے سخت تر کارروائیوں کی ضرورت پیش آئی۔ ۱۳۵۱ء کی پارلیمنٹ نے نہ صرف قانوناً مزدوری کی شرح معین کردی تھی بلکہ مزدور دوبارہ جگہ کے پابند کردئے گئے تھے۔ زیادہ مزدوری کی تلاش میں انہیں اپنے قصبے سے باہر جانے سے روکدیا گیا تھا۔ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کرتے تو مفرور قرار دئے جاتے اور جسٹس آف دی پیس (ناظمان امن) انہیں قید کر سکتے تھے۔ ایسے قانون کی حرف بحرف تعمیل کرانا غیر ممکن تھا، کیونکہ غلے کی قیمت اس قدر بڑھ گئی تھی کہ پرانی شرح اجرت پر ایک دن کی مزدوری سے ایک شخص کے لائق بھی گیہوں نہیں مل سکتا تھا، مگر زمینداروں نے اسے عمل میں لانے کے لئے کسی طرح کی کوشش اٹھا نہیں رکھی۔ اس قانون کے باربار نافذ ہونے ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا اجرا کس قدر مشکل رہی تھا، اور کس شدت سے اس کی مخالفت کی جا تی تھی۔ ان قوانین کی خلاف ورزی کی پاداش میں جو جرمانے اور ضبطیاں ہوتی تھیں، وہ شاہی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ بن گئی تھیں۔ مگر یہ ابتدائی سزائیں

اس قدر بے اثر ثابت ہوئیں کہ آخرکار یہ حکم دیا گیا کہ مفرورین کی پیشانیوں پر گرم لوہے سے داغ لگا دیا جائے۔ اور ان نیم غلاموں کو شہروں میں پناہ ملنے کے خلاف بھی سخت کارروائیاں کی گئیں۔ اس رجعت قہقری کی مضرت آزاد مزدوروں کے طبقہ موجودہ ہی تک محدود نہیں رہی تھی، بلکہ ان کی تعداد کی آئندہ ترقی بھی اس طرح مسدود کردی گئی تھی کہ جسمانی خدمات کو نقد سے بدل لینے کا طریقہ یک بیک بند کردیا گیا تھا، اور اس کے ساتھ ہی ہر علاقے میں قانون دان اشخاص بطور داروغہ کے مقرر ہونے لگے تھے، تاکہ وہ پوری تدبیر اس امر میں کریں کہ زمینداریوں میں اس طرح کی مزدوری سابقہ کا رواج پھر جاری ہو جائے جس کے موقوف ہو جانے سے اب انہیں سخت نقصان ہو رہا تھا۔ وہ آزادیاں اور مستثنیات جن پر بغیر کسی قسم کے اعتراض کے مدتیں گزر گئیں تھیں، اب بے ضابطہ ہونے کی بنا پر منسوخ کردی گئیں، اور ادنیٰ کاشتکاروں نے جن خدمات کا معاوضہ دے کر خود کو اُن خدمتوں سے آزاد کر لیا تھا، اب پھر ان کا مطالبہ کیا جانے لگا۔ یہ کوشش اس وجہ سے اور زیادہ مصیبتناک ہو گئی تھی کہ اس قسم کے معاملات علاقے کی عدالت میں پیش ہوتے تھے، اور یہاں وہ عہدہ دارن کا

فیصلہ کرتے تھے، جن کا نفع خود اسی میں تھا کہ اپنے آقا کے مفید مطلب فیصلہ کریں۔ ان قوانین کی جس زور کے ساتھ مخالفت ہوئی اس کا پتہ خود ان قوانین سے چلتا ہے جو اس مخالفت کے روکنے کے لئے بیکار جاری کئے جاتے تھے۔ جبری مزدوری کا طریقہ شہروں میں، دیہات سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ رائج کیا گیا، مگر یہاں ادنیٰ اہل حرفہ نے بھی اس کے خلاف نہایت کثرت سے ہڑتال اور ایکا کرنا شروع کر دیا۔ دیہاتوں میں جن ادنیٰ کاشتکاروں سے خدمات جسمانی سے آزاد ہونے پر تعرض کیا جاتا تھا، وہ بھی آزاد مزدوروں کے شریک کار ہو جاتے تھے۔ یہ لوگ اکثر صاحب حیثیت و صاحب دولت ہوتے تھے، اور تمام مشرقی صوبوں میں "مفرور نیم غلاموں" کے اجتماع کے لئے باقاعدہ مقاومت کا انتظام ہو گیا تھا، اور متمول کاشتکار اس کام کی اعانت میں بڑی بڑی رقمیں دے رہے تھے۔ زمانہ مابعد کے ایک قانون سے ان کی اس مقاومت کی کیفیت واضح ہوتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ "ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں اور اراضی داروں نے اپنے آقاؤں کے رسوم و خدمات بند کر دی ہیں، اور وہ ایسے غیر لوگوں کے تابع ہو گئے ہیں جو انہیں بہکا کرلے گئے، اور ان کے کفیل بن گئے ہیں

بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے اپنے علاقوں اور دیہاتوں کے دفتر سے مستثنیات کا بہانہ کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ہر طرح کی خدمات سے بری ہیں، اور کسی قسم کی تکلیف اٹھانے یا اپنے خلاف کسی طرح کی قانونی کارروائی کے روادار نہیں ہیں۔ انہی میں ایسے ادنیٰ کاشتکار بھی ہیں جو اپنے حامیوں کی تائید میں اپنے آقاؤں کے عہدہ داروں کو صدمہ پہنچانے اور جان سے مار ڈالنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ نیز یہ لوگ علانیہ اجتماع اور جتھہ کرکے ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں۔" معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف دیہی رؤسائے علاقہ کی ان کوششوں کی مخالفت کر رہے تھے۔ بلکہ تمام نظم معاشرت کے عام طور پر زیر و زبر ہو جانے سے پٹہ دار بھی اسی فکر میں تھے کہ وہ آزاد زمیندار بن جائیں اور پٹہ دار یہ چاہتے تھے کہ وہ خود پٹہ کی زمین کے مالک تسلیم کر لئے جائیں +

جان بال ۱۳۶۰ معاشرت میں مساوات کے نہ ہونے پر اب تک کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا اور یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کا یہ انتظام منجانب خدا ہے، مگر اس عام مصیبت کا ایک عجیب نتیجہ یہ بھی نکلا کہ ہر طرح کی عدم مساوات کے خلاف ایک نئی شورش برپا ہو گئی، غریبوں کی چیخ پکار کو "کنٹ کے ایک "دیوانے پادری"

کے الفاظ سے خوفناک تائید حاصل ہو گئی تھی۔ درباری فرواسارٹ نے اسے "دیوانہ پادری" لکھا ہے، مگر یہ وہ شخص تھا جو ممانعت و قید کی پروا نکر کے کنٹ کے گرجوں کے صحن میں بیس برس تک تنومند کسانوں کے سامنے وعظ کہتا رہا زمیندار جان بال کو "دیوانہ" کہتے تھے، مگر یہی دیوانہ تھا جس کے وعظ میں سب سے پہلے انگلستان میں مساوات فطری، اور حقوق انسانی کے الفاظ سنے گئے۔ اس کے وعظ کے الفاظ یہ تھے کہ "اے نیک لوگو! انگلستان کی حالت اس وقت تک درست نہ ہو گی اور جب تک مال و دولت بھی عام نہ ہو جائے، اور رذیل و شریف کا فرق اُٹھ نہ جائے۔ جن لوگوں کو ہم لارڈ کہتے ہیں وہ تفوق کا ہم پر کیا حق رکھتے ہیں؟ ان کے اس استحقاق کی بنا کیا ہے؟۔ کیوں انہوں نے ہمیں غلام بنا رکھا ہے؟ اگر ہم سب ایک ہی ماں باپ آدمؑ و حوّا کی اولاد ہیں، تو کس طرح یہ کہہ سکتے ہیں یا ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ ہم سے بہتر ہیں، اگر کچھ ہے تو یہی کہ وہ ہم سے محنت لیتے ہیں، اور ہماری محنت کا ثمرہ اپنے سامان غرور میں اُڑاتے ہیں۔ وہ مخمل پہنتے اور سمور و قاقم سے اپنے کو گرم رکھتے ہیں، اور ہم چیتھڑے لپیٹے پھرتے ہیں۔ انہیں شراب، کباب، نفیس نفیس روٹیاں میسر ہیں اور ہمارے لئے

کھانے کو جو کی روٹی اور ساگ پات ہے، اور پینے کو صرف پانی۔ وہ فراغت کے ساتھ نفیس مکانوں میں رہتے ہیں اور ہم تکلیف و محنت کے ساتھ میدانوں میں بارش و طوفان میں بسر کرتے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی یہ ساری ریاست ہمارے ہی سبب سے اور ہمارے ہی محنتوں کا نتیجہ ہے"۔ جایان جائداد کی زیادتی ہی اشتراکیت کی اس طرح بر سر مخالفت آنے کا باعث ہوئی اور یہ کوئی اس وقت کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے ایک شعر جو ازمنہ وسطیٰ کے تمام نظام کا بیخکن اور جان بال کے تمام خیالات کا جامع تھا، اس وقت ہر شخص کی زبان پر تھا، اس کا مفہوم یہ تھا کہ

"جب آدمؑ زمین گوڑتے تھے اور حوّاؑ چرخا
کاتتی تھیں، اس وقت جنٹلمین کون تھا؟"

کسانوں کی شورش

یہ شعر ابھی زبان زد خلائق ہو ہی رہا تھا کہ عوام کی تکلیف رسانی کی ایک ایسی تازہ صورت پیش آگئی، جس سے ناراضی کی سلگتی ہوئی آگ اور بھی بھڑک اٹھی۔ اڈورڈ سوم نے بڑھاپے میں اس ذلت سے جان دی کہ اس کی مدخولہ عورت نے بستر مرگ پر اس کے ہاتھ سے انگوٹھیاں تک اتار لی تھیں؛ اس کے بعد بلیک پرنس (شہزادۂ اسود) کے بیٹے

رچرڈ ثانی کی تخت نشینی سے عموماً قانون ساز جماعت کے جمہوریت پسند فریق کی امیدیں تازہ ہوگئیں۔ ۱۳۷۷ء کی پارلیمنٹ نے اصلاح کا کام شروع کر دیا اور نہایت جسارت کے ساتھ نئی امداد پر اپنی نگرانی قائم کر دی، اور اس کے اخراجات کے انتظام کے لئے اپنے ہی میں سے دو شخص متعین کئے ۱۳۸۰ء کی پارلیمنٹ نے اس امداد کے اخراجات کا حساب طلب کیا، اور حساب پیش کیا گیا، مگر پارلیمنٹ خالصۃً صاحب جائداد طبقہ کی قائم مقام رہ گئی تھی اور اسکی تمام قوت اس جد و جہد میں صرف ہو رہی تھی کہ مزدوروں کو پھر زمینداروں کا غلام بنا دیا جائے۔ اس دوران میں، اندرون ملک کی مصیبت و اختلاف میں بیرون ملک کی مصیبت اک شکست سے اور اضافہ ہو گیا تھا۔ جنگ فرانس کی تباہی بدستور جاری تھی، ایک انگیریزی بیڑہ اسپینیوں سے شکست کھا چکا تھا اور دوسرا طوفان سے ڈوب گیا تھا، وسط فرانس کی ایک مہم کا اگلی مہمات کی طرح مایوسی و تباہی پر خاتمہ ہوا تھا۔ اس جنگ کے گراں اخراجات کو پورا کرنیکے لئے ۱۳۸۰ء کی پارلیمنٹ نے ایک عطیہ کی تجدید کی جو تین برس پیشتر منظور ہو چکا تھا، اور جس کی تحصیل کا طریقہ یہ قرار دیا گیا تھا کہ ملک کے ہر شخص پر ایک خاص محصول لگایا جائے۔ یہ محصول مزدور اور دیہاتوں کے

لوہار کمار وغیرہ پر بھی عائد کیا گیا' حالانکہ اب تک یہ
لوگ اس سے بچے ہوئے تھے' اس سے خاص اس گروہ
میں اشتعال پیدا ہو گیا' جس کے اندر ناراضی کی آگ
پہلے ہی سے سلگ رہی تھی' محصول کی جبری تحصیل سے
انگلستان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک
آگ لگ گئی۔ جس قدر بہار کا زمانہ گزرتا جاتا تھا
۱۳۸۱ اسی قدر عجیب المعنی اشعار ملک میں پھیلتے جاتے تھے۔
اور یہ اشعار بغاوت کی خاص تحریک کا کام دیتے تھے۔
بغاوت کا جوش مشرقی اور وسطی صوبجات سے بڑھ کر
جنوب ٹیمز کے تمام انگلستان میں پھیل گیا تھا' ایک نظم
کا مفہوم یہ تھا کہ" جان بال تمہیں سلام کہتا ہے اور
تمہارے ذہن نشین کرنا چاہتا ہے کہ اس نے تمہارے
لئے گھنٹہ بجا دیا ہے۔ اب حق و قوت' ارادہ و ہوشیاری
درکار ہے'۔ خدا اس کام کو بعجلت انجام کو پہنچائے۔"
دوسری نظم میں تھا کہ" صداقت کی مدد کرو اور صداقت
تمہاری مدد کرے گی۔ زمانے میں غرور کا دور دورہ
ہے' اور بزدلی دانشمندی سمجھی جاتی ہے۔ عیاشی سے لوگوں
کو شرم نہیں آتی' اور شکم پری کو قابل ملامت نہیں
سمجھتے' ہر طرف غداری اور بغض کی حکومت ہے۔ اور
سستی و کاہل پڑا رہنا بہت اچھا سمجھا جاتا ہے۔
خدا تمہاری حالت میں اصلاح کرے اب وقت بہت نازک ہے" جیک دی ملر

(چکی والے) اور جیک دی کارٹر (گاڑی والے) کے فتنہ انگیز خطوط میں بال کا دخل اور بھی صاف نظر آتا ہے۔ "جیک ملر اپنی چکی کو ٹھیک طرح پر چلانے کے لئے مدد کا خواہاں ہے، اس نے بہت باریک پیسا ہے۔ اسے مسیح کی ذات سے امید ہے کہ اسے اپنی محنت کا معاوضہ خاطر خواہ مل جائیگا خیال رکھو کہ تمہاری چکی چاروں پتواروں کے ساتھ ٹھیک چل رہی ہے۔ اور ستون مضبوط گڑا ہوا ہے۔ حق و قوت، ہوشیاری و ارادہ، بس یہی کارآمد شے ہیں۔ قوت کو حق کی مدد کرنا چاہئے۔ اور ہوشیاری کو ارادہ پر اور حق کو قوت پر مقدم ہونا چاہئے۔ اور جب ایسا ہوگا تو پھر ہماری چکی ازخود ٹھیک سے چلنے لگے گی۔" اس کے ساتھ کے خط میں مرقوم تھا کہ "جیک کارٹر آپ سب سے یہ التجا کرتا ہے کہ جو کام آپنے شروع کیا ہے اس کو انجام کو پہنچائیے۔ اور یوماً فیوماً اسے بہتر بنائیے، کیونکہ آدمی شام کے وقت دن کے کام کا نتیجہ دیکھتا ہے۔" جیک ٹرو مین یہ گاتا ہے کہ "دروغ و مکر کی حکومت بہت رہ چکی، صداقت مقفل ہے، اور ہر جگہ دروغ و مکر کا زور ہے۔ کوئی شخص سچائی کو حاصل نہیں کر سکتا جب تک وہ نکوکارانہ سچی محبت کا کہیں پتہ نہیں ہے۔ اور پادری دولت کی طمع میں سے اور خراب کرتے ہیں، خدا انکی اصلاح کرے۔ اب

وقت ہے"۔ انہیں بے تکی نظموں سے انگلستان میں سیا
تحریرات کی ابتدا ہوئی۔ یہی نظمیں ملٹن و برک کے
رسالجات کے لئے شمع راہ بنیں۔ یہ نظمیں اگرچہ بہت
سیدھی سادھی ہیں مگر جن جذبات نے کسانوں میں یہ
بغاوت پیدا کی تھی وہ ان سے صاف طور پر معلوم
ہو سکتے ہیں۔ ان لوگوں کی خواہش یہ تھی کہ حکومت
نیک نامی کے ساتھ ہو، عدالت میں صاف و سادے
طریقے برتے جائیں۔ امرا کی بدکرداری اور دربار شاہی
کی ناہنجاری سے ان لوگوں کو نفرت تھی اور غریبوں
کو ستانے کے لئے قانون کو توڑ مروڑ کرنے سے یہ لوگ
سخت بیزار تھے۔ یہ شورش آگ کی طرح ملک میں پھیلتی
گئی۔ نارفک، سفک، کیمبرج اور ہرفرڈ شائر نے ہتیار
اٹھائے اور بغاوت سسکس اور سرے سے بڑھتی ہوئی
ڈیون تک پہنچ گئی۔ مگر اس کی ابتدا کنٹ سے اسطرح
پر ہوئی کہ ایک محصل نے ایک کمار کی لڑکی کی بیحرمتی
کی اور کمار نے جوش انتقام میں اسے جان سے مار ڈالا۔
اس واقعہ کے ساتھ ہی تمام ملک مسلح ہوکر اٹھ کھڑا ہوا۔ شورش کسانان ۵ جون
کینٹربری میں" تمام باشندے اسی خیال کے تھے" انہوں
نے باغیوں کے لئے اپنے شہر کے دروازے کھول دئے۔
باغیوں نے شہر میں گھس کر اسقف اعظم کا محل لوٹ لیا
اور جان بال کو قید خانے سے نکال لائے۔ اس کے

ساتھ ہی کنٹ کے ایک لاکھ آدمی وسکس کے واٹ ٹائیلر اور میلنگ کے جان ہیلز کے گرد جمع ہو گئے۔ محصول کے اجرا کی وجہ سے مشرقی صوبجات میں کسانوں کے غول کے غول پہلے ہی سے جمع ہوتے رہتے تھے۔ یہ لوگ لاٹھیوں، زنگ آلود تلواروں اور کمانوں سے مسلح تھے، ان ہنگاموں کے فرو کرنے کے لئے جو شاہی کمشنر بھیجے گئے تھے انہوں نے شکست کھائی۔ دریا کے ایک طرف سے اہل وسکس اور دوسری طرف سے اہل کنٹ لندن پر بڑھے ان لوگوں کی شکایات زیادہ تر سیاسی تھیں کیونکہ کنٹ میں غلامانہ طرز کی کاشت کا نام و نشان بھی نہیں تھا، مگر جب یہ لوگ بلیک ہیتھ پر وارد ہوئے تو جس قدر اہل قانون ان کے ہاتھ لگے سب کو قتل کرڈالا۔ کسان جب علاقوں کے گماشتوں کے مکانوں میں آگ لگاتے اور علاقے کی عدالتوں کے کاغذات آگ میں پھینکتے تو چلا چلا کر یہ کہتے جاتے تھے کہ "جب تک یہ تمام لوگ مار نہ ڈالے جائیں گے اس وقت تک ملک کو اگلی سی آزادی نصیب نہ ہوگی"۔ ان کے کوچ کے دوران میں تمام آبادی ان کے ساتھ شریک ہو گئی اور امرا خوف سے بے حس و حرکت دیکھتے رہے اور کچھ نہ کر سکے۔ بادشاہ ابھی صرف پندرہ برس کا لڑکا تھا پھر بھی اس نے ایک کشتی پر سوار ہو کر دریا کے اوپر سے ان

لوگوں سے گفتگو کی، مگر جب اسقف اعظم سڈبری کی ہدایت سے مجلس شاہی نے اسے کنارے پر اترنے سے روک دیا تو کسان جوش غضب سے بھڑک اٹھے اور
۱۳ جون یہ جم غفیر "غداری غداری" کا شور مچاتا ہوا لندن پر ٹوٹ پڑا۔ شہر کے اندر کے غریب باشندوں نے دروازے کھول دئے اور دم کے دم میں جان (گانٹ) کا سبوائے والا عالیشان محل، اہل قانون کی ٹمپل والی نئی اقامتگاہ، غیر ملکی تاجروں کے مکانات سب کے سب آگ کے نذر ہو گئے۔ مگر باغیوں کو اس امر پر فخر تھا اور بجا فخر تھا کہ "وہ عدل و صداقت کے خواستگار ہیں، چور ڈاکو نہیں ہیں۔" چنانچہ ایک شخص محل سبوائے سے ایک چاندی کا برتن اٹھا کر لے چلا تو لوگوں نے اسے پکڑ کر برتن سمیت آگ میں جھونک دیا۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ اس بغاوت کی کیسی عام ہیبت طاری ہو گئی ہے۔ واٹ ٹائلر کی ماتحتی میں کسانوں کا ایک گروہ لندن کے ٹاور (برج) میں گھس گیا، محل شاہی کے تمام نائٹ پریشان ہو گئے اور ان لوگوں نے کھیل ہی کھیل میں ان کی ڈاڑھیاں پکڑ کر کہا کہ وہ آئندہ ان کے اچھے ہمسر و رفیق ثابت ہوں گے۔ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ بادشاہ ان سے بچ کر نکل گیا ہے تو صورت ہی دگرگوں ہو گئی۔ اسقف اعظم کو لوگ اس کے مقدس

مکان سے کھینچ لائے اور اسے قتل کر ڈالا اور اس نفرت انگیز محصول کے اجرا کے لئے خزانچی اور متصرف اعلیٰ کا بھی یہی حشر ہوا۔ اسی اثنا میں بادشاہ ٹاور سے سوار ہوکر اہل اسکس سے ملنے کے لئے چلا گیا۔ یہ لوگ شہر سے باہر مائل انڈمین اور برٹفرڈ اور سنٹ البنز کے لوگ ہائی بری میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس نوعمر بادشاہ نے اس تمام خطرناک موقع پر ذرا بھی خوف نہ کیا۔ ان لوگوں کے سامنے آگر اس نے کہا کہ "اے نیک لوگو میں تمہارا بادشاہ اور مالک ہوں۔ تم کیا چاہتے ہو" کسانوں نے شور مچانا شروع کیا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمیں اور ہماری زمینوں کو ہمیشہ کے لئے آزاد کردیں اور ہم نیم غلام نہ سمجھے جائیں اور نہ اس نام سے ہمیں کوئی مخاطب کرے"۔ رچرڈ نے جواب دیا کہ "میں اسے منظور کرتا ہوں" اس نے ان لوگوں کو اپنے گھروں پر جانے کا حکم دیا اور حتمی وعدہ کیا کہ وہ فوراً آزادی و معافی کے فرمان جاری کرے گا۔ نعرہائے مسرت نے اس وعدے کا خیر مقدم کیا۔ تیس سے زائد محرر تمام دن معافی کے پروانے لکھنے میں مشغول رہے اور ان پروانوں کو لے کر اسکس اور ہرفرڈ شائر کے لوگ خاموشی کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اسی قسم کا ایک فرمان لے کر ولیم گرنڈ کوب، سنٹ البنز کو واپس آیا اور

خانقاہ کی عمارت میں سب شہریوں سے آگے بڑھ کر اس نے رئیس خانقاہ سے کہا کہ جن فرامین کی رو سے شہر خانقاہ کی ملک ہے وہ سب اس کے حوالہ کردے مگر جبکی غلامی کی ایک نمایاں مثال باقی رہ گئی۔ اس کی نسبت بہت دنوں تک مقدمہ چلتا رہا اور اس کا فیصلہ خانقاہ کے حق میں ہوا، یہ پنچکی خانقاہ کے حدود کے اندر اس کامیابی کی علامت کے طور پر رکھ دی گئی کہ خانقاہ کے حد اقتدار کے اندر کوئی شخص رئیس خانقاہ کی مرضی کے بغیر غلہ نہیں پیس سکتا۔ مگر اہل شہر عمارت کے اندر گھس گئے اور پنچکی کو اکھاڑ کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے تاکہ ہر شخص اس کا ایک ٹکڑا مقدس روٹی کی طرح لے جائے اور دوبارہ حصول آزادی کی یادگار کے طور پر اسے اپنے پاس رکھے۔

شورش کا انسداد

اہل اسکس سے بادشاہ کے وعدہ کرنے کی خبر سن کر کنٹ کے بہت سے لوگ منتشر ہو گئے پھر بھی دوسرے روز تک بیس ہزار آدمی واٹ ٹائلر کے گرد جمع رہے، صبح کے وقت محض اتفاق سے بمقام سمتھ فیلڈ رچرڈ اور واٹ ٹائلر کا سامنا ہو گیا۔ کسانوں کا یہ سرگروہ بادشاہ سے گفتگو کرنے کے لئے بڑھا تو بادشاہ کے ہمراہیوں میں اور اس میں سخت کلامی ہو گئی اور واٹ ٹائلر نے انہیں دھمکی دی۔ اس سے کچھ فساد پیدا ہو گیا اور اسی

فساد میں لندن کے صدر (میر) ولیم والورتھ نے اسے خنجر مار کر زمین پر گرا دیا۔ مجمع نے چلانا شروع کیا "مارو مارو ان لوگوں نے ہمارے سردار کو قتل کر ڈالا ہے" نو عمر بادشاہ نے اس موقع پر بڑی جرأت دکھائی وہ خود بڑھ کر ان لوگوں کے سامنے آیا اور بآواز بلند کہا کہ "اے لوگو تم کیا چاہتے ہو۔ میں تمہارا سردار اور بادشاہ ہوں۔ تم میرے ساتھ ہو"۔ کسانوں کی تمام امیدوں کا مرکز یہی نوجوان بادشاہ تھا، ان کی شورش کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ اسے اس کے مشیران بد سے نجات دلائیں کیونکہ ان کو یقین تھا کہ وہ لوگ اس کی نو عمری سے فائدہ اٹھا کر اسے خراب کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اب جوش وفاداری و اعتماد کے ساتھ اس کے پیچھے چلے یہاں تک کہ وہ ٹاور میں داخل ہو گیا۔ اس کی ماں وفور مسرت سے روتے ہوئے استقبال کو آئی لڑکے نے جواب دیا کہ "خوش ہو اور خدا کا شکر بجا لاؤ کہ آج میری کھوئی ہوئی وراثت اور انگلستان کی حکومت مجھے واپس ملی ہے"۔ مگر اسے مجبور ہونا پڑا کہ اہل کنٹ سے بھی آزادی کا ویسا ہی وعدہ کرے جیسا اس نے مائل اند میں کیا تھا اور جب تک ان لوگوں نے معافی و آزادی کے خطوط نہ لے لئے اپنے گھروں کو واپس نہ ہوئے۔ مگر فی الحقیقت بغاوت کا خاتمہ

نہیں ہوا تھا۔ ٹیمز کے جنوب میں ڈیون شائر تک شورش پھیلی ہوئی تھی۔ شمال میں فسادات ہو رہے تھے۔ مشرقی صوبجات میں ایک ہنگامہ رستخیز برپا تھا۔ کسانوں کے ایک گروہ نے سنٹ البنز پر قبضہ کیا۔ دوسرا گروہ سنٹ اڈمنز بری کے دروازے توڑ کر دیوانہ وار اندر گھس گیا اور دہشت زدہ راہبوں سے آزادی شہر کے وعدوں کی تصدیق کرائی۔ ناروچ کا ایک رنگریز جان لسٹر کسانوں کے ایک گروہ کا سردار بن گیا اور "بادشاہ عوام" کا لقب اختیار کر لیا۔ جن امرا کو وہ پکڑ پاتا انہیں اپنا رکابدار بناتا اور مجبور کرتا کہ کھانے کے وقت اس کی خدمت میں دست بستہ حاضر رہیں مگر خطوطِ آزادی حاصل کر کے کسانوں کے واپس چلے جانے سے امرا کی ہمت بڑھ گئی۔ ناروچ کا جنگجو اسقف نیزہ لئے ہوئے لسٹر کے لشکرگاہ پر حملہ آور ہوا اور پہلے ہی حملے میں کسانوں کو منتشر کر دیا' دوسرے طرف بادشاہ چالیس ہزار آدمیوں کی فوج اپنے ساتھ لئے ہوئے مظفر و منصور کنٹ اور اسکس سے گذرا' اور راستے میں بیدریغ لوگوں کو پھانسیاں دیتا گیا۔ والتھم میں اسے اہل اسکس نے اسی کے دئے ہوئے نئے فرمان دکھائے اور یہ حجت پیش کی کہ "جہاں تک آزادی کا تعلق ہے وہ رئیسوں کے برابر ہیں،" مگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ایک

بادشاہ کے قول کی کیا منزلت ہوتی ہے۔ رچرڈ نے جواب دیا کہ "تم اس وقت بھی غلام تھے اور اب بھی ہو اور غلامی ہی میں تمہیں رہنا پڑے گا، اور یہ غلامی پہلی غلامی کے مانند نہیں بلکہ اس سے بدتر ہوگی" مگر جیسی شدید مقاومت پیش آئی۔ اس سے رچرڈ کو بھی لوگوں کی طبیعت کا اندازہ ہو گیا، بلیریکے کے دیہاتی جنگلوں میں جا رہے اور دو سخت لڑائیوں کے بعد انہوں نے اطاعت قبول کی۔ بغاوت کے سرغنے جب عدالت میں لائے گئے تو اسکس کے جوری (پنچوں) نے انہیں اس وقت مجرم قرار دیا جب خود جوری کو موت کی دھمکی دی گئی۔ گرنڈکوب کو جان بخشی اس شرط پر عطا ہوئی کہ اپنے سنٹ البنز کے ہمراہیوں سے کسی نہ کسی طرح وہ فرامین واپس دلا دے جو ان لوگوں نے راہبوں سے چھین لئے تھے۔ وہ دلیرانہ اپنے اہل شہر کی طرف مخاطب ہوا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اس کی تکالیف کا کچھ خیال نہ کریں۔ اس نے کہا کہ "اگر میں جان دونگا تو میں اسی آزادی کے لئے جان دوں گا جو ہم نے حاصل کی ہے اور ایسی شہادت کو اپنی خوش نصیبی کا باعث سمجھونگا۔ بس آج ہی وہ کام کرو جو کل میرے قتل ہو جانے کی صورت میں کرتے" مفتوحین کی اس ضد کا جواب فاتحین نے بھی ویسی ہی ضد سے دیا۔ کہا جاتا ہے کہ

موسم گرما و خریف کے اندر سات ہزار آدمی پھانسی پر یا میدان میں ہلاک ہوئے۔ لیکن مجلس شاہی نے تشدد محض کے خطرے کو محسوس کر لیا تھا اور بغاوت کے بعد جب پارلیمنٹ جمع ہوئی تو آزادی کے معاملے کو اس نے پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا اور اس کے ساتھ مصالحت باہمی کا اشارہ بھی کر دیا۔ شاہی پیغام کے الفاظ یہ تھے کہ "اگر مذکورۂ بالا نیم غلاموں کو قیود سے بری اور آزاد کرنا چاہتے ہو تو تمہاری رائے کے موافق بادشاہ سلامت تمہاری عام درخواست کو منظوری عطا فرمائیں گے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تم میں سے اکثر کی یہی خواہش ہے۔" مگر اس کے جواب میں زمینداروں پر مصالحت کے خیال کا پرتو بھی نہیں پڑا۔ پارلیمنٹ نے بہت صحیح جواب دیا کہ بادشاہ کی معافی و خطوط قانوناً یکا و باطل ہیں۔ زمینداروں کے نیم غلام (غلامان زرعی) انکی املاک ہیں اور بادشاہ ان کے املاک کو ان کی مرضی کے بغیر ان سے نہیں لے سکتا۔ اس جواب کو انھوں نے ان الفاظ پر ختم کیا تھا کہ "ہم نے یہ منظوری نہ کبھی دی ہے اور نہ کبھی دیں گے خواہ ایک ہی دن میں ہم سب کو مرجانا پڑے۔"

جزو پنجم

رچرڈ دوم

۱۳۸۱—۱۳۹۹

[اسناد :- سوانح رچرڈ دوم و ہنری چہارم (The Annales Ricardi Secundi et Henrici Quarti) جسے ماسٹر آف دی رولز (محافظ صحائف) نے شایع کیا ہے، ہمارے لئے خاص سند ہیں، یہی سوانح سنٹ آلبنز کے ان تالیفات کی بنا ہیں جو والسنگھم کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جن سے اخذ کرکے ایوشیم کے ایک راہب نے رچرڈ کی ایک سوانح عمری مرتب کی ہے۔ والسنگھم کی تصنیف اور وقائع نائٹن کی پانچویں کتاب دونوں میں بہت زور کے ساتھ اہل لینکسٹر کی طرفداری کی گئی ہے۔ برخلاف ازیں فرانسیسی مصنفین نے اسی زور کے ساتھ رچرڈ کی جانبداری کی ہے۔ اس حد پر پہنچ کر فرواسارٹ کی کتاب ختم ہو جاتی ہے۔ اور اس کے بعد اس میں کریٹن کی منظوم تاریخ (آرکیولوجیا جلد بستم (Archaeologia) اور تاریخ غداری وقتل رچرڈ (Chronique de la Traison et Most de Richart) بطور ضمیمہ کے شامل کی گئی ہیں، یہ دونوں کتابیں فرانسیسی مصنفین کی تصنیف ہیں۔ اور ہنری چہارم کے زمانے میں، فرانس میں شایع ہوئی تھیں، غالباً ان کا منشاء یہ تھا کہ خاندان لینکسٹر جو پھر

جنگ پر تلا ہوا ہے اُس کے مقابل فرانسیسیوں کو اُبھارا جائے۔ اس آخری کتاب کو اب انگلش ہسٹاریکل سوسائٹی (مجلس تاریخ انگلشیہ) نے حال میں شایع کیا ہے۔ انگلستان کے عام خیالات کا اندازہ ان سیاسی گیتوں سے ہو سکتا ہے جو سلسلہ صحائف (Rolls series) میں' پولیٹکل سانگز فرام اڈورڈ دی تھرڈ ٹو رچرڈ دی تھرڈ (نغمہائے سیاسی زمانہ اڈورڈ ثالث سے لے کر زمانہ رچرڈ ثالث تک Political songs from Edward III to Richard III کے عنوان سے شایع ہوئے ہیں' فوڈیرا اور صحائف پارلیمنٹ کا دیکھنا اس عہد کے لئے لازمی ہے' مسٹر ہیلم نے مڈل ایجز (ازمنہ وسطی Middle Ages) میں اس کی دستوری اہمیت کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ اس زمانے کے انگلستان کی طرز معاشرت پر ولیم لانگ لینڈ کی نظم سے جو کمپلینٹ آف پیرز دی پلاؤمین (شکایتہائے پیرز قلبہ ران۔ (Complaints of Piers the Ploughman کے نام سے مشہور ہے۔ اور جسے مسٹر سکیٹ نے ارلی انگلش ٹکسٹ سوسائٹی (مجلس کتب قدیمہ انگلشیہ(Early English Text Society) کے لئے مرتب کیا ہے۔ بہت روشنی پڑتی ہے' کیمڈن سوسائٹی نے جو کتاب دی ڈسپاٹزم آف دی رچرڈ دی سکنڈ (رچرڈ دوم کی مطلق العنانی (The Despotism of Richard II) کے نام سے شایع کی ہے۔ وہ بھی اب اسی مصنف کی طرف منسوب کی جاتی ہے۔ رچرڈ ثانی کے متعلق جدید تصانیف میں بہترین تصنیف ایم ویلن کی ہے۔ یہ کتاب رچرڈ ثانی (Richard II) کے نام سے ۱۸۶۴ء میں پیرس میں شایع ہوئی ہے۔]

پیرز قلبہ ران اس زمانہ کی جس قدر ناگوار و مکروہ کیفیتیں' مثلاً طرز معاشرت کے انقلاب' اخلاقی' مذہبی' بیداری' غریبوں کی پریشان حالی' لولارڈوں کے اعتراضات وغیرہ

جن پر اب تک ہم ایک نظر ڈال آئے ہیں، ان تمام کیفیتوں کا ولیم لانگلینڈ نے ایسا صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ اُسے پڑھ کر نہایت رنج ہوتا ہے۔ چودھویں صدی میں امرا و غربا کی معاشرت کے درمیان جیسا کچھ عمیق فرق تھا، اگر ہم اسے واضح طور پر سمجھنا چاہیں، تو اس کے لئے سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ "تمثیلات پیرز قلبہ ران" اور قصص کینٹربری' کا باہم مقابلہ کرکے دیکھیں۔ درباری چاسر آنکھیں بند کئے ہوئے عیش و دولت اور خوش و خرمی کے عالم میں ایسا مدہوش پڑا ہوا ہے گویا خواب میں ہے، دوسری طرف غریبوں کا یہ نحیف و نزار شاعر مصیبت و ناخدا ترسی کے پنجہ میں گرفتار ہے، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، لانگلینڈ غالباً شراپشائر میں پیدا ہوا تھا، یہیں اس نے تعلیم پائی اور پادریوں کے ادنیٰ طبقے میں داخل کرلیا گیا، لوگ اس کی درازی قد کی وجہ سے اسے لمبو ولیم کہتے تھے۔ وہ بچپن ہی سے لندن میں آگیا تھا۔ یہاں وہ امرا و رؤسا' کے جنازوں کے ساتھ تلقین خوانی کیا کرتا تھا، یہی اس کی وجہ معاش تھی، اور نہایت تنگی و عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ لوگ اس غرق خیال پادری کو دیوانہ سمجھتے تھے۔ اس کا یہ تکلیف دہ افلاس اس کے خودداری و غرور کے لئے ایک تازیانہ ہوگیا،

وہ خود کہتا ہے کہ چاندی سونے میں غرق اور کتان و سمور میں ملبس زرق برق امیروں اور بیگموں کی سواریوں کے سامنے مقام چیپ میں آداب بجا لانا اور قانون پیشہ لوگوں کی نئی اقامتگاہ ٹمپل کی طرف سے گزرتے وقت "خدا سلامت رکھے" کہنا اسے بہت ہی گراں معلوم ہوتا تھا اس کی دنیا غریبوں کی دنیا ہے۔ وہ غریب آدمیوں کی طرح بھوک اور تکلیف میں زندگی بسر کرتا ہے، جو کچھ دال دلیا میسر آتا ہے، اسی سے پیٹ بھر لیتا ہے، اور ایک ایسا مایوسی کا عالم اس پر طاری رہتا ہے گویا اس سے آئندہ کی تمام توقعات منقطع ہو گئی ہیں۔ اپنی نظم میں زندگی کی جس تنگی پریشانی، تنہائی کا اس نے نقشہ کھینچا ہے۔ اس کا اثر خود نظم پر پڑ گیا ہے اس نظم میں شاعرانہ انداز محض خال خال نظر آتا ہے۔ اور وہ بھی صرف ان موقعوں پر جہاں مناظر قدرت کی دلکشی یا غصہ و ملال کی دلسوزی نے اس کی نظم کو شعر بنا دیا ہے۔ تمام نظم میں چاسر کی سی شگفتہ انسانی ہمدردی کی کہیں جھلک بھی نظر نہیں آتی اپنے گرد و پیش کے حالات سے مسرت، خوش مزاجی، لطافت و جرأت کا پیدا ہونا، معمولی سے معمولی معاملات کو اس طرح دکھانا کہ آنکھوں کے سامنے تصویر کھنچ جائے طعن و طنز میں نزاکت کو ملحوظ رکھنا، مذاق کا ایسا ہونا

کر شاہی دربار کے سزاوار ہو، یہ سب چاسر کی وہ خصوصیات ہیں، جن کا پیرز کی نظم میں کہیں پتہ نہیں ہے، پیرز کی تمثیلیں اور کنایے دل پر بوجھ ہو جاتے ہیں، اس کی سطحی باتوں سے طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ کتب مقدس کے مقفیٰ اقتباسات اس کثرت سے درج کئے ہیں، گویا وہی اصل کتاب بن گئے ہیں، اس انداز میں اگر کہیں کہیں فرق پڑتا ہے تو وہ اس کی تیزی فہم، تلخ و ترش، شکایات اور ہوگرتھ کے سے عام مذاق سے پڑتا ہے۔ جس وجہ سے لوگ ایسے ذوق کے ساتھ اس نظم کو دیکھتے ہیں وہ اس کی عمیق غمگینی ہے۔ دنیا کی حالت خراب ہو گئی ہے۔ اور یہ کمزور شاعر جو اسٹرینڈ میں لمبے لمبے قدم رکھ کر چلتا ہے، اسی غم میں گھل رہا ہے کہ اس میں اتنی قوت نہیں کہ اس کی حالت کو درست کر دے۔ فی الحقیقت اس کی نظم شرم و مصیبت کے اس تمام زمانے پر حاوی ہے جس سے زیادہ شرمناک و مصیبت ناک زمانہ انگلستان پر نہیں گزرا ہے۔ کیونکہ اس نظم کا پہلا مختصر خاکہ صلح برٹینگی سے دو برس قبل شایع ہوا تھا، اور اس کی تکمیل اڈورڈ سوم کے آخر عہد میں شاید ہوئی ہے۔ اور اسکی کامل اشاعت "شورش مزارعین" سے صرف ایک برس پہلے ہوئی تھی۔ ولیم اگرچہ لندن کا رہنے والا ہے مگر

اس بڑے شہر کے معاصی و آلام سے پریشان ہو کر وہ اپنے تخیل میں کوہستان میلوں کی صبح بہار کی سیر کرتا ہے۔ لکھتا ہے کہ "میں گردش ایام سے تھک کر آرام کے خیال سے ایک چھوٹے سے چشمے کے کنارے بیٹھ گیا۔ یہ ایسا خوشگوار مقام تھا کہ پانی کی سیر دیکھتے ہی دیکھتے مجھ پر غفلت کی نیند طاری ہو گئی"۔ جس طرح چاسر اپنے ہمراہیان سفر میں دنیا کے مختلف وضع و قطع کے لوگوں کے نمونے جمع کرتا ہے، اسی طرح یہ خواب دیکھنے والا ایک وسیع میدان میں ہر پیشہ و گروہ کے لوگوں کو جمع کرتا ہے، اس مجمع میں تاجر و دکاندار، راہب و زاہد، مغنی و مطرب، خریدار و گداگر، جفاکش، قلبہ ران، عورتوں کو ساتھ لئے ہوئے زائر، آزاد و غلام، وکیل و محرر، دربار داری کرنے والے اسقف، فقرائے مذہبی اور گناہوں سے معافیاں عطا کرکے قسیسوں کے ساتھ حصہ لگانے والے اہل مذہب غرض ہر قسم کے لوگ کینٹربری کی زیارت کو نہیں بلکہ "راستی و صداقت" کی زیارت کو جا رہے ہیں۔ ان کا رہبر کوئی پادری یا قسیس نہیں ہے بلکہ پئر قلبہ ران ان کا پیشرو ہے، جسے ان لوگوں نے کھیت میں ہل چلاتے ہوئے پایا تھا، یہی شخص ہے جو نائٹوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ آئندہ اپنے مستاجرین سے بزور تحائف نہ وصول کریں۔ اور نہ غریبوں کے ساتھ بد سلوکی سے پیش آئیں۔" اگرچہ وہ دنیا

میں تمہارا زبردست ہو مگر ممکن ہے کہ بہشت میں وہ تم سے برتر جگہ پاوے اور تم سے زیادہ خوش و خرم رہے، قبر میں جاکر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کون شہری ہے اور کون دہاتی نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ کون شریف ہے اور کون وضیع، مساوات کے اس وعظ کی تائید محنت کے وعظ سے کی گئی ہے، اس قلبہ ران کا مقصد یہ ہے کہ وہ خود کام کرے اور اپنے ساتھ دنیا کو بھی کام پر لگائے۔ جس طرح وہ نائٹ کو متنبہ کرتا ہے اسی طرح وہ خود مزدوروں کو بھی تنبیہ کرتا ہے۔ "گرسنگی" کو خدا نے وہ ذریعہ بنایا ہے، جس سے سست سے سست شخص بھی کام کرنے لگتا ہے۔ اور "گرسنگی" اس اہتمام میں ہے کہ وہ کاہلون اور وقت ضایع کرنیوالوں سے کام لے۔ دولت اور محنت میں جب کشمکش عظیم شروع ہونے والی تھی اس وقت لانگلینڈ ہی ایک شخص تھا جس نے اپنی سیاسی و مذہبی تیز فہمی کے باعث دونوں پر منصفانہ نظر ڈالی۔ باوجودیکہ جان (گانٹ) کے خلاف عام نفرت بڑھتی جاتی تھی مگر وہ اس سے مرعوب نہیں ہوا اور اس نے ایک مشہور تمثیلی قصہ میں ڈیوک کو اس بلی سے تشبیہ دی جو خود بہت ہی حریص ہے مگر پھر بھی وہ بڑے چوہوں (امرا) کو اس سے روکے ہوے ہے کہ چھوٹے چوہوں (عوام) کو کھا کر بالکل ہی فنا نہ کردیں۔ شاعر اگرچہ کلیسا کا وفا شعار پیرو ہے، مگر وہ بالاعلان یہ

کہتا ہے کہ قواعد مذہب کے موافق زندگی بسر کرنا، گناہ کرکے مراعات و معافیات کا انبار لگانے سے بہتر ہے، اور جس حال میں کہ قسیس پیرز کو معافی دینے میں لیت ولعل کرتے ہیں، خداوند تعالےٰ اپنی بخشایش سے اسے سرفراز فرماتا ہے۔ وہ خواب ہی میں یہ دیکھتا ہے، کہ "بد کرداری" لیڈی میڈ کی صورت میں عدالت کے روبرو لائی گئی ہے۔ اور "عقل" کا وعظ سن کر دنیا اپنے اعمال پر افسوس کر رہی ہے۔ مگر بیداری کے عالم میں "عقل" کے وعظ کا کوئی سننے والا نہیں ہے، شاعر بہت تلخ کامی کے ساتھ لکھتا ہے کہ لوگ اسے دیوانہ سمجھتے ہیں، اپنی آخری نظم کے اختتام پر اس نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی فتحیابی کے بعد ہی دجال کی حکومت شروع ہو جاتی ہے۔ اسے پڑھ کر سخت مصیبت انگیز مایوسی پیدا ہو جاتی ہے، "ندامت" "موت" و "گناہ" کی سرمستیوں میں سو جاتی ہے۔ اور "ضمیر نیک" غرور، و کاہلی، کے سخت گرفت سے نکل کر ایک بار آخری کوشش کرتی اور اپنا عصاء سفر لے کر تمام دنیا میں پیرز قلبہ ران کو تلاش کرتی پھرتی ہے *

نزاعات معاشرتی جس نزاع کو لانگلینڈ روکنا چاہتا تھا، وہ فی الحقیقت شورش مزارعین کے دب جانے کے بعد زیادہ شدت کے ساتھ برافروختہ ہوئی۔ "قوانین مزدوران" کی اولین غرض

یہ تھی کہ مزدوری کو گھٹا کر ایک معین حد پر قائم کردیا جائے اور مزدوروں کو مقررہ حدود کے اندر رکھا جائے مگر ان دونوں کاموں میں تو وہ بالکل بے اثر رہے۔ البتہ ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں اور مالکوں، امیروں اور غریبوں کے درمیان نفرت پیدا ہو گئی۔ شورش مزارعین کے بعد ڈیڑھ صدی کے اندر اندر غلامانہ کاشتکاری کا طریقہ اتنا جلد فنا ہو گیا کہ وہ محض ایک قصہ پارینہ ہو گیا۔ کالی وبا کے سو برس بعد انگلستان کے مزدوروں کی اجرت اتنی ہو گئی تھی کہ وہ اس سے دو چند ضروریات زندگی مہیا کر سکتے تھے، جو اڈورڈ سوم کے وقت کی مزدوری سے حاصل ہو سکتے تھے۔ پیرز قلبہ ران کی نظم میں مزدوروں کی زندگی کے جو اتفاقی حالات ملتے ہیں ان سے بھی اس بیاں کی تصدیق ہوتی ہے۔ لانگلینڈ کہتا ہے کہ "جن مزدوروں کے پاس مطلق زمین نہیں ہے، اور وہ صرف اپنی بازو کی کمائی کھاتے ہیں وہ بھی ایک آنے کی شراب اور سوکھے گوشت پر زندگی بسر کرنا نہیں چاہتے بلکہ وہ بھنا ہوا یا پکا ہوا، تازہ گوشت یا مچھلی کھانا چاہتے ہیں، اور وہ بھی سرد نہیں بلکہ گرم سے گرم"۔ باوجود ان قوانین کے، بازار فی الواقع مزدوروں کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اس پر بھی اگر انہیں منہ مانگی مزدوری نہ ملتی تو زمانے کی شکایت میں

نالاں رہتے تھے کہ کیوں زمانے نے انہیں مزدور بنایا" شاعر نے صاف طور پر محسوس کر لیا تھا کہ جب آبادی اپنی اوسط حد پر آجائیگی تو اس قسم کی خوش وقتیوں کا زمانہ گزر جائے گا۔ جب تک "گرسنگی ان پر مسلط ہے وہ انہیں ایسی سخت نظر سے دیکھتی ہے کہ کوئی اس کے قانون کے خلاف شکوہ و شکایت نہیں کر سکتا۔ اے کام کرنے والو! میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ جو کچھ تم سے ہو سکے حاصل کر لو کیونکہ "گرسنگی" دوڑی ہوئی آرہی ہے"۔ لیکن اس تحریر کے وقت بھی سال میں ایسے دن آجاتے تھے کہ عام طور پر مزدوروں کو کام کا ملنا مشکل ہو جاتا تھا، ازمنہ وسطیٰ میں ایک فصل سے دوسری فصل کے درمیان گھروں میں سامان خوراک اور کام دونوں کم ہوتے تھے، پیرز قلبہ ران نے چند اشعار ایسے ہی زمانے کے متعلق کہے ہیں، جن سے اس وقت متوسط درجے کے کاشتکاروں کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ کہتا ہے "میرے پاس اتنا نہیں ہے کہ چوزہ یا بط یا سور خرید سکوں۔ میں نے صرف دو ٹکڑے پنیر کے اور کچھ دہی ملائی خرید لی ہے۔ اور جو کی ایک روٹی اور مٹر اور بھوسی کی دو ٹکیاں اپنے بچوں کے لئے پکائی ہیں، میرے پاس نہ خشک کیا ہوا گوشت ہے نہ پکے ہوئے گوشت کا کوئی ٹکڑا

ہے۔ البتہ کرفس، گندنا، اور گوبھی کے کچھ پودے ہیں۔ ان کے سوا ایک گائے اور بچھڑا ہے۔ گاڑی کا ایک گھوڑا بھی ہے۔ جو خشک موسم میں کھیت کا کام کرتا ہے۔ اور اسی سامان پر ہمیں اگست تک بسر کرنا ہے اور اسی سے مجھے اپنے کھیت کا کاروبار کرنا ہے"۔ اگست کے گزرنے کے بعد مزدوری کی زیادتی اور نئے غلے کے پیدا ہو جانے سے گرسنگی باقی نہیں رہتی ہے" اور موسم بہار اور گرمی کے طولانی زمانے میں آزاد مزدور اور آوارہ گرد، لوگ امور معاشرت و سیاست میں برہمی پیدا کرنے کا باعث ہو جاتے تھے۔ یہ آوارہ گرد کام تو کوئی کرتے نہ تھے، مگر اعلیٰ قسم کی گیہوں کی روٹی کے سوا اور کوئی روٹی نہیں کھانا چاہتے تھے، نہ بہترین شراب کے سوا اور کوئی شراب پینا چاہتے تھے، وہ خدا کی شکایت اور عقل پر رنج و غصہ کرتے اور پھر بادشاہ اور اس کی مجلس شوریٰ کو برا بھلا کہتے کہ انہیں نے قانون بناکر مزدوروں کو مصیبت میں ڈالا ہے۔ زمینداروں پر جو خوف طاری ہو گیا تھا اس کا اظہار قانون کے ذریعہ سے کیا گیا اور قوانین اجرت کا یہ لازمی نتیجہ ہونا تھا۔ انہوں نے ممانعت کردی کہ کسی کاشتکار کا لڑکا کسی شہر میں ملازمت نہ کرے۔ رچرڈ سے لوگوں نے التجا کی کہ "لونڈی غلاموں کے بچوں کا مدرسے میں

تعلیم پانا حکماً بند کردیا جائے تاکہ ان کے لڑکے ترقی کرکے کلیسا میں نہ داخل ہوسکیں" دو دارالعلوم تھے دونوں میں جو نئے کالج اس زمانے میں قائم ہو رہے تھے، ان کے دروازے ادنیٰ درجے کے کاشتکاروں کے لئے بند کردئے گئے تھے، اس قسم کی لاحاصل کوششوں میں ناکامیاب ہوکر بڑے بڑے مالکان اراضی نے ایک نئی تدبیر شروع کی اور آخر انہوں نے ملک کے طریق زراعت میں بالکل ہی انقلاب پیدا کر دیا، زراعت کے بہ نسبت بھیڑیں پالنے میں کم آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی، اور مزدوروں کی قلت اور اجرت کی زیادتی سے یہ لوگ یوماً فیوماً اس طرف زیادہ مائل ہوتے گئے، کہ قلبہ رانی کے بجائے گلہ بانی کریں، وابستہ اراضی کاشتکاروں کے معدوم ہو جانے سے خدمات جسمانی کے ذرائع گھٹ گئے تھے، اور زمینداروں کو جس طرح پہلے کاشتکاروں کی تعداد بڑھانے میں نفع تھا ویسا ہی اب ان کی تعداد کے گھٹانے میں انہیں اپنا نفع نظر آیا، اس لئے انہوں نے یہ کیا کہ چھوٹی چھوٹی اراضیوں سے کاشتکاروں کو نکال کر ان کے بڑے قطعات بنالئے۔ اخراج کے اس سلسلے نے آزاد مردوں کی تعداد بیحد بڑھادی، اور اس کے ساتھ ہی کام کی وسعت گھٹ گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آوارہ گردوں اور تنومند گداگروں کی وجہ سے

نظم معاشرت میں خطرہ روز بروز بڑھتا گیا' یہاں تک کہ یہی امر شاہان ٹیوڈر کی مطلق العنانی کا باعث ہو گیا *

فرقہ لولارڈ زمانہ مابعد میں جماعت لولارڈ کے اندر فرقہ بندی شدت کے ساتھ بڑھ گئی تھی' اور مذکورہ بالا خطرے کے ساتھ یہ شدید تر مذہبی خطرہ بھی شامل ہو گیا تھا' کورٹنی کے جور و تشدد کی وجہ سے زیادہ لائق لوگ اصلاح مذہب کے کام سے دست کش ہو گئے تھے' اور دارالعلوم نے بھی اس کی تائید ترک کردی تھی۔ معہذا وکلف کے انتقال سے یہ تحریک اس کی رہبری سے ایسے وقت میں محروم ہوئی جبکہ بنے ہوے کاموں کو بگاڑنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سے فرقہ لولارڈ میں ایک منتظم تحریک کی شان باقی نہیں رہی تھی۔ صرف انحراف و انقلاب کا ایک عام جوش رہ گیا تھا' اِس زمانے کی تمام معاشرتی و مذہبی بےچینیاں از خود اِس نئے مرکز کی طرف رجوع ہونے لگیں۔ کسانوں کے اشتراکیت کے خواب' شخصی اخلاقیات کا نیا زور و شور فرائر (برادران مذہبی) سے نفرت' اکابر کلیسا کے ساتھ امرائے عظام کا حسد' مصلحین کا دیوانہ وار جوش و خروش یہ سب ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئے' اور نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کی طرف سے بغض و عناد عام ہو گیا'

خاص و عام نے یہ ارادہ مصمم کر لیا کہ تقلیدی و کلیسائی طریق کے بجائے شخصی مذہب اختیار کرنا چاہئے۔ مگر اس تحریک کے عدم انضباط اور سہل انگاری کی وجہ سے سوسائٹی کے ہر طبقے میں اس کا اثر سرایت کر گیا۔ مردوں کی طرح عورتیں بھی اس طریقے کی طرف مائل ہو گئیں۔ فرقہ لولارڈ کے خاص مدرسے قائم ہو گئے' اور ان کے لئے خاص کتابیں بن گئیں۔ اس کے رسالے ہاتوں ہاتھ گشت کرنے لگے' مغلظات سے بھرے ہوئے گیت کونے کونے میں گائے جا رہے تھے جس نے آنجوی زمانہ کو یاد دلا دیا جب کہ گولیاس نے پادریوں کی دولتمندی و عیش پرستی پر حملے کئے تھے' ارل سالسبری اور بعد میں سر جان اولڈ کیسل جیسے امرا علانیہ اس فرقہ کی سرگروہی کرتے تھے اور انھوں نے اِس کے واعظوں کو پناہ دینے کے لئے دروازے کھول دے تھے' لندن میں پادریوں کی طرف سے نفرتِ بیحد بڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے وہاں اس فرقہ کا بڑا ہی زور ہو گیا' اور ایک واعظ کو جس نے سنٹ پال کے منبر پر ان نئے معتقدات کا وعظ کہنے کی جرأت کی تھی' شہر نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ شہر کے ایک میر (صدر) جان نارتھمپٹن نے نئی اخلاقی قوت کا یہ اثر دکھایا کہ پیورٹین کے انداز سے اخلاق کو درست کرنا چاہا۔ (اسی کے قول کے مطابق) پادریوں کے تغافل سے مجبور ہو کر (جو روپیہ لے کر ہر قسم کی

بدکاریوں سے اغماض کر جاتے تھے) اس نے شہر کی فاحشہ عورتوں کو گرفتار کرکے ان کے بال کٹوا دئے، اور گاڑیوں پر بٹھلا کر بنظرِ حقارت تمام شہر میں ان کی تشہیر کی۔اگرچہ اس نئی تحریک کی بے انتہا عظمت کا باعث اخلاقی جوش ہی تھا، مگر کلیسا کے لئے وہ اس قدر خطرناک نہیں تھا جس قدر پرانے معتقدات اور ممالک عیسوی کے دستور و رواج کی کھلی مخالفت اس کے لئے مضر تھی۔ فرقہ لولارڈ کے سبب سے جن خیالات تازہ کا ہجوم ہو گیا تھا ان سے بتدریج چھٹ چھٹا کر ایک اعلیٰ مسئلہ پیدا ہوا، کہ مذہبی صداقت کے لئے صرف کتب مقدسہ کو سند قرار دینا چاہئے۔وکلف کے ترجمے نے اپنا کام پورا کر دیا۔ لیسٹر کا ایک کینن شکایت کرتا ہے کہ "انجیل ایک عامیانہ شئے ہو گئی ہے۔ اور ہر ایک حرف شناس مرد و عورت کے لئے اس کے اوراق کھلے ہوئے ہیں، اور خود پادریوں سے زیادہ وہ ان لوگوں کے مصرف میں ہے"۔ جن نتائج کے اخذ کرنے سے خود وکلف شاید جھجک گیا تھا، ان نتائج کا اس کے شاگردوں نے دلیری کے ساتھ اعلان کیا۔ کلیسا کو دین سے منحرف قرار دیا گیا۔ قسیسیوں کو مردود ٹھہرایا گیا، اور کلیسا کے طریق عبادت کو بت پرستی سے متہم کیا گیا۔ پادریوں نے اپنے جور و تشدد کے پرانے ہتیار سے اس نئی تحریک کو مٹانا چاہا مگر یہ کوشش محض بیکار ثابت ہوئی۔ طبقۂ

بیرن و امرا کلیسا کے کسی فرقے سے تعلق رکھتے ہوں، مگر وہ سب کے سب اس کے دنیاوی اقتدار سے حسد کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے بجز اس تحریک کو روکنے میں کلیسا کی کوششیں کارگر نہیں ہوتی تھیں۔ شورشِ مزارعین، کے وقت میں کورٹنی کے اثر سے ایک قانون نافذ ہوا تھا، کہ حاکم صوبہ کو اختیار دیا جائے کہ جن لوگوں کو اساقفہ ارتداد کا وعظ کرنے کا مجرم قرار دیں، انہیں وہ گرفتار کرلیں، مگر دوسرے دوران نشست میں اس قانون کی ترمیم کردی گئی، اور اہل کلیسا کے علی الرغم دارالعوام نے اعتراضاً اتنا اور بڑھا دیا کہ "وہ کسی اعتبار سے اسے اپنے لئے مفید نہیں سمجھتے کہ اپنے بزرگوں سے زیادہ اساقفہ کے حد اقتدار میں آکر ان کے قوانین کے پابند ہو جائیں"۔ فی الحقیقت اس وقت تک عام قانون ملک کے بموجب ارتداد ایک جرم تھا، اور مرتدین کو اس وقت تک آگ میں جلانے کی مثالیں اگر نہیں ملتیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح سے قتل کرنے کی تہدید ہوتے ہی عام طور پر لولارڈ اپنے عقیدے سے رجوع کرلیتے تھے، مگر ہر اسقف کے اختیارات اسی کے مستقر اسقفی کے اندر محدود تھے اسوجہ سے اس نئے عقیدے کے واعظوں کو جو جا بجا دعوت مذہب کرتے پھرتے تھے گرفتار کرلینا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا،

اور ملکی قانون کے موافق سزا دینے میں اولاً تو عام رائے حائل تھی، اور اگر ایسا نہ بھی ہو تو خود وہ قانون مدت دراز سے معطل سا ہو گیا تھا۔ تجربے سے اساقفہ کو معلوم ہو گیا کہ بہت کم حاکم صوبہ ایسے ہیں، جو محض کلیسا کے کسی عہدہ دار کے حکم پر کسی کو گرفتار کریں گے، اور کوئی شاہی عدالت کسی اسقف کی تجویز سے "کسی مرتد کے جلانے کا" حکم نہیں دے گی۔ کلیسا کی یہ کوششیں فرقہ لولارڈ کے دبانے میں تو بیکار رہیں، مگر ان کے جوش کو حد جنوں تک پہنچا دینے میں بہت کامیاب ثابت ہوئیں، ان کے معلمین، امرائے کلیسا کی دولت و دنیا پرستی کے متعلق سخت سے سخت بد زبانی کا استعمال کرنے لگے، انہوں نے پارلیمنٹ میں ایک درخواست پیش کی تھی جس میں پادریوں کی دولت پر اظہار نفرت کے علاوہ صاف صاف اپنے یہ اعتقادات بھی درج کر دئے تھے کہ وہ اس کا یقین نہیں رکھتے کہ روٹی و شراب حضرت عیسٰی کے گوشت وخون سے بدل جاتی ہے نہ وہ زیارتوں کو جانے اورمجسمات کی پرستش کرنے کے قائل ہیں، اس کے ساتھ ہی یہ بھی مطالبہ کیا گیا تھا کہ جنگ کو عیسائیت کے خلاف قرار دیا جائے۔ اور زرگری و زرہ سازی کے سے پیشے جو رسولوں کی روش نفقر کے خلاف ہیں، ملک سے خارج کہہ دئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس قسم کے مختلف اعتقادات و خیالات

اس نئی تحریک میں خلط ملط ہو گئے تھے، انہوں نے یہ دعویٰ کیا اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ دوسرے عہد کی پارلیمنٹ نے اس بیان کو قبول بھی کر لیا کہ کلیسا کی فاضل آمدنیاں اگر ایک مرتبہ مصارف عامہ میں آجائیں تو بادشاہ ان کے ذریعہ سے پندرہ ارل پندرہ سو نائٹ اور چھ ہزار اسکوئر کا انتظام کر سکتا ہے، اور اس کے علاوہ غریبوں کے سو شفاخانوں کے اوقاف معیّن ہو سکتے ہیں +

جنگہائے فرانس

فرانس کی جنگ جس سستی و نالائقی کے ساتھ جاری تھی اس سے تمام قوم میں بد دلی پھیلی ہوئی تھی، مگر جب اس پر زمینداروں کی پریشانی، ملک کی عام بدنظمی، ہر طرف خونیوں اور لٹیروں کی قانون سے علانیہ مخالفت، اور لولارڈ کے منصوبوں کے نہایت بے باکانہ و فتنہ انگیز صورتیں اختیار کر لینے سے کلیسا اور سوسائٹی کے اضطراب میں اضافہ ہو گیا تو یہ بد دلی اور بھی سخت ہو گئی۔ فرانسیسی اور اندلسی بیڑوں کے متحد ہو جانے سے وہ لوگ سمندر کے مالک ہو گئے تھے۔ صوبہ گی این کے جو قصبے انگریزوں کے قبضے میں باقی رہ گئے تھے، وہ بالکل فرانسیسیوں کی زد پر تھے۔ اور اہل اسکاٹلینڈ سے اتحاد کر کے فرانس نے خود انگلستان کی شمالی سرحد کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ ایک فرانسیسی فوج کے

فورتھ میں اترتے ہی تمام ملک نے جانبازانہ کوشش شروع کردی، اور انگریزوں کی ایک بہت بڑی فوج ہر طرح ساز و سامان سے درست اڈنبرا تک اس امید میں بڑھتی گئی کہ دشمن سے مقابلہ ہو، مگر مخالفین نے اس کا موقع ہی نہ آنے دیا، اس سے زیادہ ایک سخت ضرب یہ پڑی کہ گنٹ کو فرانیسی افواج نے فتح کر لیا۔ انگریزی تجارت کے لئے یہی ایک بازار رہ گیا تھا وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ ان حالات میں چاہئے تھا کہ گنٹ کو بچانے اور انگلستان کے سواحل کو خطرات سے محفوظ رکھنے میں فوجیں کام میں لائی جاتیں، مگر بجائے اس کے جان (گانٹ) تاج اسپین کا خواب دیکھ رہا تھا، اس کی بیوی پڈرو ظالم کی بیٹی تھی، اور اس حق سے وہ تاج اسپین کا دعویدار تھا، اور اس کی سرحد پر انگریزی فوجوں کو ضایع کر رہا تھا، اس کوشش سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ڈیوک نے اب اپنے وطن کے معاملات کی سربراہی کا خیال ترک ہی کر دیا تھا، کسانوں کی شورش فرو ہونے کے بعد سے رابرٹ دی ویر اور میکائل ڈی لاپول (ارل سفک) شاہی مجالس کے سرغنہ بن گئے تھے اور انھوں نے بالاستقلال یہ کوشش کی کہ ڈیوک لینکسٹر کے اختیارات سلب کرلیں، مگر جان (گانٹ) کے چلے جانے کا نتیجہ اتنا ہی ہوا کہ اس کا بھائی ڈیوک گلوسٹر اور اس کا بیٹا ارل ڈربی صف اول میں آگئے اور

اس کے ساتھ ہی جنگ کی دھیمی کارروائی دربار کے مسرفانہ
اخراجات اور سب سے زیادہ پارلیمنٹ کے اثر سے آزاد ہو جانے
کے لئے بادشاہ کی علانیہ خواہش نے دارالعوام کو بے تعلق سا
۱۳۸۶ کر دیا تھا، پارلیمنٹ نے سفک پر رشوت ستانی کا مقدمہ
چلایا اور ایک برس کے لئے ایک مجلس تولیت مقرر کی
جس کی روح رواں گلوسٹر تھا۔ پارلیمنٹ کے اختتام میعاد
کے قریب نوجوان بادشاہ نے چاہا کہ اس مجلس کو برخاست
کر دے، مگر گلوسٹر اور اس کے احباب کے دست بشمشیر
ہو جانے سے اُس کی کچھ نہ چلی "بیرحم پارلیمنٹ" نے سفک
۱۳۸۸ اور اس کے ساتھیوں پر غداری کا الزام لگایا اور یہ لوگ
یا تو ملک سے نکال دئے گئے یا قتل کر دئے گئے۔ جن
پانچ ججوں نے مجلس تولیت کو ناجائز قرار دیا تھا وہ جلاوطن
کر دئے گئے۔ اور شاہی خاندان کے چار شخصوں کو قتل
کی سزا دی گئی۔ مگر ایک برس بھی نہیں گزرنے پایا تھا
کہ رچرڈ نے اتنی قوت حاصل کر لی، کہ اس نے ایک
لفظ سے حکومت کو توڑ دیا، جس کے خلاف اس کی
۱۳۸۹ اس قدر کوششیں رائگاں ہوئی تھیں۔ مجلس شاہی میں
جاکر اس نے یک بیک اپنے چچا سے یہ پوچھا کہ اب
میری عمر کیا ہے۔ گلوسٹر نے جواب دیا کہ "حضور اب
چوبیسویں برس میں ہیں" اس پر رچرڈ نے وقار آمیز
طریقے سے یہ کہا کہ "تو اب میری عمر اتنی ہوگئی ہے کہ

میں خود اپنے کام کا انتظام کر سکوں۔ تمام ملک میں مجھ سے زیادہ عمر تک اور کوئی شخص تولیت میں نہ رہا ہوگا۔ معزز امرا میں آپ لوگوں کی گزشتہ خدمتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں مگر آئندہ کے لئے مجھے آپ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے"۔

رچرڈ اس آسانی کے ساتھ جو اختیار بادشاہ کے ہاتھ میں
۱۳۸۹ آگیا تھا اسے اس نے آٹھ برس تک خاص دانشمندی سے استعمال کیا' اور زمانے نے بھی اس کی مساعدت کی' اس کی حکمت عملی امن حاصل کرنے کی تھی اور اس مقصد میں فرانس کے ساتھ گفت و شنود میں کامیابی ہوئی' عارضی صلح ہو گئی' اور سال بسال اس کی تجدید ہوتی رہتی تھی' تاآنکہ ۱۳۹۴ء میں چار برس کے لئے صلح قرار پائی' اس کے بعد جب رچرڈ نے چارلس ششم کی لڑکی ازابیلا سے عقد کر لیا تو اس میعاد صلح کو مزید پچیس برس تک وسعت دی گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بالاعلان اپنا یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ پارلیمنٹ کے مشورہ سے حکومت کرے گا' اس نے پارلیمنٹ کے اعتراضات کو تسلیم کیا اور تمام اہم معاملات میں اس سے صلاح لی ۔ ایک مختصر مہم سے اس نے آئرلینڈ میں سکون پیدا کر دیا اور اس کی غیبت میں لولارڈ کے جن مشکلات کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا وہ اس کے واپس آنے پر رفع ہو گیا۔ رچرڈ میں وہ تمام

قابلیتیں نمایاں تھیں جو خاندان پلنٹجنٹ کے ارکان میں عام طور پر پائی جاتی ہیں، مگر اس کا مضطربانہ تلون، مجنونانہ غرور اور تمنائے مطلق العنانی نے اس کی ان خوبیوں میں دھبہ لگا دیا تھا۔ اس کا چچا ڈیوک گلوسٹر بدستور فریق مخالف کا سرگروہ بنا رہا، اور بادشاہ نے جان (گانٹ) اور اس کے بیٹے ارل ڈربی سے موافقت پیدا کر لی، موقع پاتے ہی رچرڈ اس طرح مخالفت پر یکایک آمادہ ہو گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفک کے فرار کے وقت سے وہ انتقام کے لئے کس قدر بیچین ہو رہا تھا، ڈیوک گلوسٹر اور ارل ارنڈل و واروک ایک سازش کے جرم پر گرفتار کئے گئے۔ پارلیمنٹ شاہی طرفداروں سے بھر گئی اور اس سے یہ درخواست کی گئی، کہ وہ رچرڈ کے مخالفین کو پامال کر دے۔ نو برس پیشتر جن لوگوں کو معاف کر دیا گیا تھا وہ ازسرنو مجرم قرار دئے گئے مجلس تولیت کو ناجائز اور اس کے بانیوں کو غداری کا مرتکب ٹھہرایا گیا، یہ تمام کارروائی نہایت بے رحمی کے ساتھ کی گئی، کیلے کے قید خانے میں مقدمہ سے پیشتر ہی ڈیوک کا یکایک انتقال ہو گیا۔ اس وجہ سے وہ تو اس ذلت سے بچ گیا، مگر اس کا خاص معاون ارنڈل (اسقف اعظم کینٹربری) اس ہتک سے نہ بچ سکا اور جلا وطن کر دیا گیا، اور اس فریق کے امرا میں سے کسی کو موت اور کسی کو قید کی سزا دی گئی۔

دوسرے سال پارلیمنٹ میں جو امور پیش ہوئے ان سے ظاہر ہو گیا، کہ رچرڈ صرف انتقام ہی لینا نہیں چاہتا تھا بلکہ اس کی نکریں اس سے زیادہ وسیع تھیں، وہ چاہتا تھا کہ قطعی طور پر مطلق العنان حکومت قائم کرے۔ اس پارلیمنٹ نے ۱۳۸۸ء کی پارلیمنٹ کی کارروائیوں کو کالعدم کر دیا، اور اون اور چمڑے کا محصول بطور معاونت تمام عمر کے لئے رچرڈ کو عطا کر دیا۔ اس طرح وہ پارلیمنٹ کی نگرانی سے بالکل آزاد ہو گیا۔ اور دوسرے قدم میں اس نے خود پارلیمنٹ ہی سے خلاصی حاصل کر لی بارہ ارکان دارالامرا اور چھ ارکان دارالعوام کی ایک مجلس بنائی گئی اور اُسے یہ اختیار دیا گیا، کہ پارلیمنٹ کے ختم ہو جانیکے بعد برابر نشست کرتی رہے۔ اور جو معاملات و کارروائیاں بادشاہ کے حضور میں پیش ہوں، ان کی جانچ کر کے تصفیہ کرے اور جو امور فیصلہ طلب رہ گئے ہوں، ان کا بھی فیصلہ کرے۔ رچرڈ کا منشا یہ تھا کہ اس مستقل مجلس کے ذریعے سے اصل پارلیمنٹ کو فنا کر دے۔ اس نے فوراً ہی اس مجلس سے مقدمات کے تصفیے اور اپنی مرضی کا کام لینا شروع کر دیا، اور ملک کے ہر متاجر کو مجبور کر کے یہ قسم لی کہ وہ اس مجلس کے کاموں کو جائز تسلیم کرے گا، اور ان کے بدلنے یا منسوخ کرنیکی ہر ایک کوشش کی مخالفت کرے گا۔ جب حکمرانی کا یہ

آلہ بادشاہ کے ہاتھ آگیا تو وہ بالکل ہی مطلق العنان ہو گیا اور ساتھ ہی اس کا انداز حکومت بھی بدل گیا بجبر قرض لینے کا طریقہ جاری کیا گیا، گلوسٹر کے حامیوں کو کچھ نقد روپیہ لے کر معافی دی جانے لگی۔ مخالفان بادشاہ کی حمایت کرنے کے جرم میں سات صوبے فوراً خارج الذمہ کردئے گئے۔ اور ان پر لازم کیا گیا کہ روپیہ دے کر معافی حاصل کریں۔ عدالت کی کارروائیوں میں جا و بیجا مداخلت ہونے لگی۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ امور سیاست و معاشرت کی خرابیاں جو پہلے ہی بادشاہت کو فنا کر دینے کی دھمکی دیرہی تھیں، اب ان میں اور جان پڑ گئی +

لینکسٹری انقلاب

رچرڈ نے اپنی حکمرانی کے اچھے اور بُرے دونوں طرز عمل سے رعایا کے ہر فرقے میں اپنی ذات سے برگشتگی پیدا کردی تھی۔ اس کی صلح پسندی کی وجہ سے امرائے، مزدوروں کے خلاف ظالمانہ کارروائیوں کی منظوری نہ ملنے سے زمینداروں نے، ناجائز محصولوں کے باعث تاجروں نے لولارڈ کے خلاف جوش نہ آنے سے اہل کلیسا نے اس سے بیگانگی اختیار کرلی تھی، رچرڈ کو بذاتہ لولارڈ سے کسی قسم کی ہمدردی نہیں تھی اور جہاں تک امور معاشرت میں خطرات کا اندیشہ تھا وہ انہیں روکے رکھتا تھا، مگر شاہی عمال ارتداد پھیلانے والوں کے گرفتار کرنے اور سزا دینے میں اساقفہ کی مدد دل سے نہیں کرتے تھے۔ اور لولارڈ کو

خود عدالت ہی کے احاطہ میں پناہ مل جاتی تھی۔ رچرڈ کی پہلی ملکہ این، بوہمیا کی رہنے والی تھی، اسی نے اولاً اپنے وطن میں مصلح کے رسالجات و ترجمہ کتب مقدس کو شایع کیا، اور یہی اشاعت ابتدائی رہبران جان ہس اور جیروم (پراگ) کی مشہور تحریکات کا باعث ہوئی۔ رچرڈ اپنی مملکت میں فی الحقیقت یکہ و تنہا رہ گیا تھا، لیکن باوجود اس قدر عام نفرت کے بھی اگر اس سے بغض و ظلم کا ایک خاص فعل نہ سرزد ہو گیا ہوتا تو اس کا زوال نہ ہوا ہوتا۔ اس فعل کے باعث ایک نہایت ہی قابل و بے باک شخص اس قومی بد دلی کا سرغنہ بن گیا، یہ شخص جان (دگانٹ) کا سب سے بڑا بیٹا، ہنری تھا۔ وہ ڈربی کا ارل اور ہیرفرڈ کا ڈیوک تھا، اس نے اگرچہ رچرڈ کے عہد کی ابتدائی مشکلات میں اس کی مخالفت کی تھی مگر بعد میں گلوسٹر کے مقابلہ میں اس نے وفاداری کے ساتھ رچرڈ کا ساتھ دیا تھا۔ لیکن ان امور میں کامیاب ہوتے ہی، رچرڈ اپنی نئی طاقت کو خاندان لینکسٹر کے خلاف صرف کرنے لگا۔ یہ خاندان اس کے لئے زیادہ خطرناک ثابت ہوا۔ ہیرفرڈ اور نارفک کے ڈیوکوں کے درمیان کچھ تنازعہ ہو گیا تھا اور دونوں فریق ایک دوسرے پر غدر و دغا کا الزام لگاتے تھے، رچرڈ نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر دونوں کو جلا وطن کر دیا۔ جلا وطنی کے بعد

جان (گانٹ) کے انتقال پر بادشاہ نے پہلے تو ہنری کو
اجازت دے دی تھی کہ وہ اپنی جائداد موروثی کو تصرف
میں لائے۔ مگر پھر بہت جلد اس اجازت کو منسوخ کردیا،
اور لینکسٹر کی تمام جائداد پر خود قابض ہو گیا۔ جس زمانے
میں رچرڈ نے اپنے عمزاد بھائی کو اس طرح ناامید کیا ہے
اسی زمانے میں وہ اپنے فتح و انتظام کے کاموں کی تکمیل
کے لئے آئرلینڈ گیا۔ اسقف اعظم ارنڈل نے (جو خود بھی
جلاوطن تھا) ڈیوک پر زور دیا کہ وہ بادشاہ کی غیبت
کو غنیمت جان کر اپنے حقوق کے واپس لینے کی فکر کرے۔
ہنری اس وقت فرانسیسی دربار میں پناہ گزیں تھا، شاہ
۱۳۹۹ء فرانس کی نظر بچاکر وہ ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ
یارک شائر کے ساحل پر جا اترا اور یہاں ارل نارتھمبرلینڈ
اور ارل وسٹ مورلینڈ فوراً آکر اس کے شریک ہو گئے۔
یہ دونوں ارل علی الترتیب دو مقتدر خاندان پرسی و
نیول کے سرگروہ تھے۔ ہنری ان لوگوں کو لئے ہوئے
لندن کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں اس کی فوج برابر
بڑھتی جاتی تھی، اور وہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ
شہر میں داخل ہوا، بادشاہ ڈیوک یارک کو اپنا نائب
کر گیا تھا، اس نے بھی اطاعت قبول کرلی، اس کی
فوجیں بھی ہنری کی فوجوں سے مل گئیں۔ رچرڈ جب
ملفرڈھیون میں اترا تو اسے معلوم ہوا کہ بادشاہت

اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ زمین پر قدم رکھتے ہی خود اس کی فوج منتشر ہونی شروع ہو گئی، اور معزول بادشاہ بھیس بدل کر شمالی ویلز کو بھاگ گیا، یہاں پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ ایک دوسری فوج جسے ارل سالسبری نے اس کی مدد کے لئے جمع کیا تھا وہ پہلے توڑی جا چکی تھی۔ ڈیوک لینکسٹر نے اسے گفتگو کے لئے مقام فلنٹ میں بلایا، وہاں پہنچ کر رچرڈ نے دیکھا کہ وہ ہرطرف باغی فوجوں سے گھرا ہوا ہے، پہاڑی کے اوپر سے جب اس نے اپنے دشمنوں پر نظر ڈالی تو چلا اٹھا کہ " میرے ساتھ دغا کی گئی، وادی میں جھنڈے اور بیرقیں موجود ہیں "۔ مگر اب واپسی کا وقت گزر چکا تھا۔ رچرڈ کو گرفتار کر کے اس کے ابن عم کے سامنے لے گئے۔ ڈیوک لینکسٹر نے کہا کہ " میں اپنے وقت سے پہلے آگیا ہوں مگر میں اس کی وجہ آپ پر ظاہر کردونگا۔ حضور کی رعایا یہ شکایت کرتی ہے کہ حضور نے بیس برس تک ان پر سخت گیری کے ساتھ حکومت کی ہے۔ تاہم اگر خدا کو منظور ہے تو میں ان پر بہتر طریقے سے حکومت کرنے میں حضور کی مدد کروں گا "۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ " بھائی اگر اسی میں تمہاری خوشی ہے تو میں بھی اس سے خوش ہوں "۔ مگر ہنری محض حکومت میں شریک ہونا نہیں چاہتا تھا، اس کے منصوبے کچھ اور ہی تھے۔ وسٹ منسٹر ہال میں ایک پارلیمنٹ جمع ہوئی اور اس نے

نعرہائے مسرت کے ساتھ اس باضابطہ تحریر کو قبول کیا' جس میں رچرڈ نے حکمرانی میں ناقابل ہونے کا اعتراف کرکے تاج سے دست برداری کی تھی' اور یہ لکھا تھا کہ وہ عدم قابلیت کے باعث معزولی کا مستحق ہے۔ پارلیمنٹ نے اس کی معزولی پر تصدیق کی مہر لگا دی' تاجپوشی کا حلف پڑھا گیا' اور ایک طول طویل مواخذہ میں یہ بیان کیا گیا کہ رچرڈ نے اپنی تاجپوشی کے وقت جو عہد کئے تھے ان کو توڑ دیا ہے' اور اس لئے دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے یہ طے کردیا کہ اسے سلطنت اور شاہی اختیارات سے معزول کر دیا جائے۔ اہل قانون نے عام جائدادوں کی وراثت پر قیاس کرکے جو رائے قرار دی تھی اس کے بموجب موروثی حق سے بادشاہت اب جس شخص کی طرف منتقل ہونا چاہئے' وہ ایک ایسے خاندان کا رکن تھا جس نے اڈورڈ کے ابتدائی انقلابات میں حصہ لیا تھا جس مارٹیمر نے اڈورڈ ثانی کو تخت سے اوتارا تھا اوس کے پروتے اڈمنڈ نے اڈورڈ سوم کے تیسرے بیٹے لیونل (کلیرنس) کی بیٹی سے عقد کیا تھا۔ اس لڑکی کا ایک پوتا تھا اس کا نام بھی اڈمنڈ تھا۔ رچرڈ کی اولاد نہ ہونے اور اڈورڈ کے دوسرے بیٹے کے لاولد انتقال کر جانے سے بھی اڈمنڈ دعویداران تاج میں سب سے مقدم تھا۔ مگر وہ صرف چھ برس کا بچہ تھا اور بادشاہت کے معاملہ میں توریث خاندانی کا قطعی قاعدہ کبھی باقاعدہ منظور نہیں ہوا تھا اور سابقہ کارروائیوں سے پارلیمنٹ کا یہ حق قائم ہو گیا تھا کہ

ایسی صورت میں شاہی خاندان کے کسی اور رکن کو جانشین منتخب کرلے۔ ایسا جانشین فی الواقع ایک ہی شخص ہو سکتا اور وہ ہنری آف لینکسٹر تھا، ہنری اپنی جگہ سے اٹھ کر سامنے آیا اور اس نے بڑے وقار کے ساتھ تاج کا دعویٰ کیا اور کہا کہ "میرا سلسلۂ نسب بلا انقطاع شاہ ہنری سوم سے ملتا ہے، اور اس بنا پر خدائے مہربان نے مجھے میرے عزیزوں اور دوستوں کی مدد سے یہاں بھیجا ہے کہ میں ملک کو ناقص حکومت اور منصفانہ قوانین کی خلاف ورزی سے پاک کردوں" اس دعوی میں جو کچھ بھی نقص ہو، مگر پارلیمنٹ کے اسے تسلیم کرلینے سے ان سب پر پردہ پڑ گیا۔ دونوں اساقفۂ اعظم نے نئے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھایا، اور ہنری نے پرزور الفاظ میں اپنے اور اپنی رعایا کے مابین عہد و پیمان کی تصدیق کی، اس کے گرد جو مقتدایان دین، امرا، نائٹ، اور دوسرے اہل شہر جمع تھے ان کو مخاطب کرکے اس نے کہا "صاحبو! میں خدا کا اور آپ سب مذہبی و دنیاوی امرا و دیگر طبقہائے رعایا کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ سب لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ میں فاتح کی حیثیت سے کسی کو اس کی وراثت، یا حق آزادی، یا کسی اور حق سے محروم نہیں کرونگا۔ نہ کسی کو اس کی کسی ملک سے جو حسب قانون اس کے

قبضے میں ہے، بے دخل کردوں گا۔ اس سے صرف وہ لوگ خارج ہیں، جو ملک کی عام بہبود اور اس کے مفاد کے خلاف رہے ہیں"+

جزو ششم

خاندان لینکیسٹر

اسناد۔ ہنری چہارم کے حالات کے لئے سوانح ہنری چہارم (Annales Henrici Quarti) اور والسنگھم مثل سابق دیکھنا چاہئے اس کے جانشین کے حالات کے لئے کتب ذیل کا دیکھنا مناسب ہے۔ (۱) اکٹا ہنریکی کوئنٹی (سوانح ہنری پنجم (Acta Henrici Quenti مصنفہ ٹائٹس لیویس۔ یہ شخص شاہی فوج میں پیش نماز (چیپلین) تھا، اور اس کی یہ تصنیف انگلستان کی مجلس تاریخ (انگلش ہسٹاریکل سوسائٹی) نے شایع کی ہے، (۲) سوانح مصنفہ الم ہم (رئیس خانقاہ نٹن) اس کتاب کی عبارت نسبتہ آسان ہے مگر ترتیب و واقعات بالکل وہی ہیں جو سابق کتاب کے ہیں۔ (۳) تذکرۂ رابرٹ رڈین۔ (۴) وقائع منظوم مصنفہ الم ہم (یہ وقایع سلسلہ صحائف میں "یادگار ہنری پنجم" کے تحت میں شائع ہوا ہے) (۵) ہارڈنگ اور اوٹر بورن کے مختصر وقائع۔ اس دور کے لئے فرانسیسی مصنفین میں مانسٹرلٹ سب سے قابل وثوق ہے، نارمن مہموں کے لئے ایم پوٹی زو کی "سی ایژ ڈی روآن" (محاصرہ روئیں (Siege de Rouen) دیکھنا چاہئے۔ یہ کتاب بہ مقام کان سنہ ۱۸۶۷ء میں

شایع ہوئی ہے - لارڈ بروہیم نے اپنی کتاب ہسٹری آف انگلنڈ انڈر دی ہاوس آف لینکیسٹر (تاریخ انگلستان بعہد خاندان لینکیسٹر (History of England under the House of Lancaster) میں اس عہد کے متعلق بہت زور دار خاکہ کھینچا ہے، اور آئینی نظر سے وہ بہت ہی قابل قدر ہے -]

لولارڈی ... فسرد کیا ...

چونکہ خاندان لینکیسٹر کو پارلیمنٹ ہی کی کارروائی سے تخت حاصل ہوا تھا، اور ان کے استحقاق کی بنا پارلیمنٹ ہی کے عطا کردہ حق پر مبنی تھی اس لئے وہ حصول آزادی کے لئے ایسی دلیرانہ جدوجہد نہیں کر سکتے تھے جیسی رچرڈ ثانی نے کی تھی۔ تاریخ انگلستان کے اوائل زمانے میں دونوں ایوان پارلیمنٹ کے اختیارات کا کبھی ایسا صاف اعتراف نہیں کیا گیا تھا جیسا اس زمانے میں ہوا - ہنری چہارم کا انداز قریب قریب اس کے آخر زمانے تک یہ رہا کہ وہ پارلیمنٹ کی درخواستوں سے منکسرانہ طور پر اتفاق کرتا تھا، اس کے پر غرور جانشین کا اگرچہ یہ حال نہیں تھا، مگر پارلیمنٹ کی مخالفت کرنے سے وہ بھی ڈرتا رہتا تھا لیکن ہنری کو تاج محض اسی با اعزاز آئینی طریق سے حاصل نہیں ہوا تھا، بلکہ اس کے ساتھ کچھ ایسے مواعید بھی شامل تھے، جو کسی طرح پر معزز و موقر نہیں کہے جا سکتے تھے - امرا کی تائید ایک حد تک اسی امید پر مبنی تھی، کہ فرانس کی تباہ کن جنگ پھر جاری ہو جائے گی - کلیسا نے اس خطرناک وعدے کی وجہ سے ساتھ دیا تھا، کہ ارتداد کے مٹانے میں جبر و تشدد سے کام

لیا جائے گا۔ اس وعدے کا ایفا بہت عجلت کے ساتھ عمل میں آیا۔ ہنری نے اپنے عہد کی پہلی ہی مجلس مذہبی میں اپنے "محافظ کلیسا" ہونے کا اعلان کر دیا، اور مقتدایان دین کو حکم دیا کہ مرتدین اور پھرنے والے واعظین کے دبانے کا انتظام کریں۔ یہ اعلان اس قانون ارتداد کی تمہید تھی جو اوائل سنہ ۱۴۰۱ء میں نافذ ہوا۔ اس ناملائم قانون کی رو سے وہ تمام رکاوٹیں برطرف کردی گئیں جو اب تک اساقفہ کی کوششوں کو بیکار ثابت کر رہی تھیں۔ اساقفہ کو صرف یہی اختیار نہیں دیا گیا تھا کہ وہ تمام ایسے لوگوں کو جو ارتداد کا وعظ کہیں، مدرسوں میں ارتداد کی تعلیم دیں، ارتداد کے متعلق کتابیں لکھیں، یا انہیں اپنے پاس رکھیں، گرفتار کرلیں، اور بادشاہ کی اجازت سے (باوجود ان کے اپنے عقائد سے رجوع کرنے کے) انہیں قید کر دیں۔ بلکہ اگر وہ ان کاموں سے باز نہ آئیں، یا ایک مرتبہ ان سے رجوع کرکے پھر انہیں اختیار کریں، تو اساقفہ انہیں مرتد قرار دے کر ملکی حکام کے حوالہ کر سکتے تھے، اور اس حالت میں حکام ملکی پر لازم تھا کہ ایسے لوگوں کو کسی بلند جگہ پر لوگوں کے سامنے آگ میں جلا دیں۔ مذہبی خونریزی کے جن قوانین نے انگلستان پر دھبہ لگایا ہے ان میں یہ اپنی قسم کا پہلا قانون تھا۔ اس قانون کے منظور ہوتے ہی لن کا مقامی قسیس، ولیم ساٹر اس کا پہلا شکار ہوا، نو برس بعد ایک عام شخص

جان بیڈلی تبدیل لحم و دم کے عقیدے سے انکار کرنے کے باعث شہزادہ ویلز کے روبرو آگ میں جلا دیا گیا۔ اس کے کراہنے سے شہزادہ نے یہ سمجھا کہ وہ اپنے خیالات سے انکار کر رہا ہے، اور اس کے حکم سے وہ آگ سے نکال لیا گیا۔ مگر باوجود جان بخشی و وظیفہ کے وعدے کے اس کے جوش لولارڈی میں کسی طرح کمی نہیں ہوئی، اور وہ پھر آگ میں پھینک دیا گیا، مسلسل بغاوتوں سے ہنری کی بادشاہت کے متزلزل ہو جانے کا اندیشہ پہلے ہی سے موجود تھا، اب فرانس کی دشمنی اور مصلحین کے سخت بغض و کین کی وجہ سے ایک نیا خطرہ پیدا ہو گیا، اپنے عہد حکومت کے مضطرب زمانے میں بادشاہ کا محض اپنی طاقت کو قائم رکھنا ہی اس کی قابلیت کا بہترین ثبوت تھا۔ رچرڈ کے اہل قرابت، ارل ہنٹنگڈن اور ارل کنٹ نے اس کے لئے ایک سازش کی، مگر یہ سازش معاً فرو کر دی گئی اور اس کے بعد فوراً ہی رچرڈ کا بھی قید خانے کے اندر خاتمہ ہو گیا، بعد ازاں خاندان پرسی کے امرا نے بغاوت اختیار کی اور ارل نارتھمبرلینڈ کے بیٹے ہاٹسپر نے اہل اسکاٹلینڈ اور ویلز کے باغیوں سے اتحاد پیدا کر لیا، وہ تو شروزبری کے قریب ایک جنگ میں شکست کھا کر مارا گیا، مگر اس کے باپ نے دو برس بعد ایک نئی بغاوت پیدا کر دی اور اگرچہ وہ اپنے شریک سازش اسکروپ (اسقف اعظم یارک) کے گرفتار ہو کر قتل ہو جانے سے سرحد پار بھاگ گیا، مگر کچھ

دنوں بعد اس نے پھر ایک نئی یورش کی اور مرتے دم تک
تخت کے لئے باعث خطر بنا رہا۔ ویلز مدت سے خاموش تھا
مگر اس دوران میں انگلستان کی اس کمزوری کو دیکھ کر اس
نے بھی اپنے فاتحین کا جوا کندھے سے اتار پھینکا اور اُوِن
۱۴۰۰ گلنڈوور کی طلب پر تمام ویلز اٹھ کھڑا ہوا۔ گلنڈوور ویلز
کے قدیم شہزادوں کی اولاد میں تھا۔ اس نے بھی اپنے
بزرگوں کی طرح حملہ آوروں کو قحط اور کوہی طوفانوں کا
مقابلہ کرنے کے لئے چھوڑ دیا' ان کے واپس ہوتے ہی وہ
اپنے ناقابل گزر قلعوں سے نکلا اور فتح پر فتح حاصل کرنے لگا
تمام شمالی ویلز اور جنوب کا بیشتر حصہ اس کا معاون ہو گیا'
اور اس کے ساتھ ہی چارلس شاہ فرانس نے بھی اس کی
امداد کے لئے ایک فوج بھیجدی۔ ہنری کو گلنڈوور کی
کامیابی کے روکنے کا موقع صرف اس وجہ سے ملا کہ انگلستان
میں امن قائم ہو گیا تھا۔ شہزادہ ویلز نے آہستگی و فہمیدگی
کے ساتھ چار برس تک اس مہم کو جاری رکھا جب جاکر
وہ جنوب ویلز کو گلنڈوور سے نکال سکا۔ گلنڈوور کی شمالی
رعایا پے درپے شکستوں سے برداشتہ خاطر ہو کر بتدریج
اس سے کنارہ کش ہوتی گئی' اور بالآخر شراپشائر پر
ایک دلیرانہ حملے کے منہزم ہو جانے سے بمجبوری اسے سنوڈن
۱۴۱۰ کی پہاڑیوں میں پناہ لینی پڑی اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں
وہ اپنے انتقال کے وقت تک بطور خود مقابلہ کرتا رہا۔

ویلز کی بغاوت کے ختم ہو جانے سے خاندان لینکسٹر نے تخت کو بیرونی خطرات سے محفوظ سمجھ لیا، مگر اندرون ملک میں لولارڈ کا عظیم الشان خطرہ مثل سابق بر قرار تھا۔ نئے قانون اور اس کی درد انگیز سزاؤں کا دلیرانہ مقابلہ کیا جاتا تھا۔ ہنری کے خلاف پہلی بغاوت میں لولارڈی کا حامی ارل سالسبری مارا گیا، اور اس کا خون آلود سر جب لندن میں لایا گیا تو رئیسان خانقاہ اور اساقفہ کا ایک جلوس شکریہ کا راگ گاتا ہوا اسے لینے گیا، مگر اس فعل کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ اس فرقے کی سرغنائی اس وقت کے سب سے بڑے جنگ آور کے ہاتھ میں آگئی۔ سر جان اولڈکیسل (جو اپنی بیوی کے واسطے سے لارڈ کابہیم کے خطاب سے ملقب تھا) اس فرقے کا سرگروہ بن گیا، اس نے اپنے قصر کاؤلنگ کو لولارڈی کا مرکز بنا دیا، ان کے واعظوں کو وہاں پناہ دی اور اساقفہ کے امتناعات و احکامات کو بالائے طاق رکھ دیا۔ ہنری چہارم نے اپنے عہد حکومت کی پریشانیوں سے عاجز آکر جب ۱۴۱۳ء میں انتقال کیا، تو اس پر خطر معاملے کے یکسو کرنے کا بار اس کے جانشین کے سر پڑا۔ اساقفہ نے یہ مطالبہ کیا کہ کابہیم کو عدالت کے روبرو لانا چاہئے۔ اور اگرچہ بادشاہ نے اپنے ایک ایسے دوست کے لئے کارروائی میں تاخیر کی خواہش کی، مگر کابہیم کی علانیہ مخالفت نے آخرکار اسے مجبور کر دیا

ہنری چہا[رم کا] انتقال ۱۴۱۳

اور شاہی فوج کی ایک جماعت نے اس کو گرفتار کرکے ٹاور (لندن) میں پہنچا دیا۔ اس کا وہاں سے بھاگ نکلنا ایک وسیع بغاوت کا اشارہ ہو گیا۔ لولارڈوں کو خفیہ حکم دیا گیا کہ وہ لندن سے باہر سنٹ جائلز کے میدان میں جمع ہوں۔ ہنری نے اس مجمع کے متعلق جو کچھ بیان کیا اس سے اگرچہ شورش کے اصلی اغراض کا پتہ نہیں چلتا، مگر کم از کم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کس قدر خوف پیدا ہو گیا تھا۔ بالفاظ ہنری اس مجمع کی غرض یہ تھی کہ وہ "اسے، اس کے بھائیوں کو اور بہت سے دینی و دنیاوی امرا کو ہلاک کر ڈالیں" مگر نوجوان بادشاہ کی باخبری کے باعث لندن کے لولارڈ اپنے بیرونی احباب سے ملنے نہیں پائے اور جو لوگ میدان میں جمع ہو گئے تھے انہیں بھی شاہی فوجوں نے منتشر کر دیا۔ اس شورش کے ناکام رہنے سے قانون اور بھی سخت کر دیا گیا۔ حکام کو ہدایت کی گئی کہ وہ تمام لولارڈوں کو گرفتار کرکے اساقفہ کے حوالہ کر دیں۔ ارتداد کا عقیدہ جان و مال دونوں سے محروم کر دیتا تھا۔ چنانچہ انتالیس مقتدر لولارڈوں کو پھانسی دے دی گئی۔ کابہیم بچ نکلا اور مزید چار برس تک بغاوت برپا کرنے کی کوششیں کرتا رہا، مگر آخرکار ویلز کی سرحد پر گرفتار ہوا اور بجرم ارتداد جلا دیا گیا۔

اجنکورٹ

اولڈ کیسل کے انتقال کے ساتھ لولارڈوں کی سیاسی کوششوں کا دفعتہً خاتمہ ہو گیا، اور اساقفہ کے مسلسل جور و تعدی کے باعث اگرچہ مذہبی تحریک کی حیثیت سے لولارڈی فنا نہیں ہوی مگر ابتداے کار میں جس جوش و خروش کا اظہار ہوا تھا وہ جاتا رہا۔ لیکن خاندان لینکیسٹر جن مقاصد کو مد نظر رکھ کر تخت نشین ہوا، ان کا ابھی وہ صرف ایک جزو پورا کر سکا تھا۔ امرا کی نظر میں رچرڈ کا ایک خاص جرم یہ تھا کہ اس نے صلح کی روش اختیار کر رکھی تھی، اور اس انقلاب میں امرا کا مدد دینا ایک حد تک اسی امید پر مبنی تھا کہ جنگ پھر جاری ہو جائے گی۔ عام رعایا بھی جنگ کی گزشتہ مصیبتوں کو بھول گئی تھی، اور ان کی صرف یہ تمنا تھی کہ کسی طرح اپنی شکستوں کی شرم کو مٹا دیں۔ اس وجہ سے حامی جنگ فریق کو قوم کے میلان عام سے بھی مدد مل گئی تھی، فرانس اس وقت خود اپنی اندرونی مصیبتوں میں مبتلا تھا، اور اس لئے مداخلت کا بہت اچھا موقع نظر آ رہا تھا۔ فرانس کا بادشاہ چارلس ششم مخبوط ہو گیا تھا، اور شہزادے اور امرا دو فریق میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک کا سرگروہ ڈیوک برگنڈی تھا، اور یہ فریق اسی نام سے موسوم تھا، دوسرے کا سرگروہ ڈیوک آرلی انز تھا، اور اس نے آرمانیاک کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ ہنری چہارم

اس کشمکش کو رقیبانہ نظر سے دیکھ رہا تھا، مگر جب اس نے یہ چاہا کہ فرانس میں انگریزی فوج اتار کر اس کشش باہمی کو اور بڑھائے تو دونوں فریق فوراً متحد ہو گئے۔ لیکن جب ہنری پنجم نے اپنی تاجپوشی کے وقت تجدید جنگ کا یہ مقصد ظاہر کیا
۱۴۱۲ کہ وہ فرانسیسی تاج کا دعویدار ہے، تو ان دونوں فریقوں میں پھر نہایت سخت اختلاف پیدا ہو گیا۔ کوئی دعویٰ ہنری کے دعوی سے زیادہ بے بنیاد نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ پارلیمنٹ کے جس قانون کے بموجب خاندان لینکیسٹر کو انگلستان کی بادشاہت ملی تھی اس سے فرانس کی بادشاہت کا کوئی حق نہیں پیدا ہوتا تھا، اور اڈورڈ نے جس موروثی قانون کی بنا پر دعویٰ کیا تھا اس کی رو سے اگر حق پہنچتا تھا تو خاندان مارٹیمر کو پہنچتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف دعویٰ بلکہ خود جنگ کی نوعیت بھی اڈورڈ سوم کی کارروائی سے بالکل مختلف تھی، اڈورڈ کو خود اپنی مرضی کے خلاف فرانس ہی کے مسلسل حملوں سے مجبور ہو کر جنگ کرنا پڑی تھی، اور تاج کا دعویٰ ایک بعد کا خیال تھا، جو فلیڈوز کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ برخلاف ازیں ہنری کے جنگ کی کیفیت یہ تھی کہ اگرچہ وہ بظاہر رچرڈ کی میعاد صلح کے ختم ہو جانے سے محض سابقہ مخاصمت کی تجدید تھی، مگر اس کی حقیقت یہ تھی کہ ایک قوم اپنی سابقہ شکست کے باعث اپنے مخالف کی بے بسی سے فائدہ اٹھا کر اسکے

ملک میں بے وجہ و بے ضرورت مداخلت کرنا چاہتی تھی،
بیشک اس کارروائی کے لئے ایک عذر یہ ضرور موجود تھا
کہ گذشتہ پندرہ برس میں فرانس، خاندان لینکیسٹر کی بادشاہت
کے خلاف ہمیشہ بیرونی دشمنوں اور اندرونی غداروں کو شہ
دیتا رہا تھا۔ ۱۴۱۵ء کے موسم گرما میں ہنری ساحل نارمنڈی
کی طرف روانہ ہوا اور اس نے اپنی پہلی ہی مہم میں ہارفلر پر
قبضہ کرلیا۔ محاصرہ کے دوران میں مرض اسہال کے باعث اس
کی فوج بالکل ابتر ہو گئی تھی اور جب اس نے اڈورڈ کے
مانند کیلے پر دلیرانہ کوچ کرکے دشمن کو ذلیل کرنا چاہا، تو
اس وقت اس کے پاس بہت ہی تھوڑے آدمی رہ گئے تھے۔
غالباً اس نے فرانسیسیوں کے باہمی اختلافات کے باعث اپنے کو
محفوظ سمجھ لیا تھا، مگر جب حملہ آور واقعی فرانس کے قلب میں
پہنچے تو سب مخالفتیں برطرف ہوگئیں، اور ہنری کی درماندہ
اور فاقہ کش فوج نے دریائے سوم کے پار ہوکر دیکھا کہ
آزین کو ۲۵ اکتوبر ۱۴۱۵ میدان آزین کور میں ساٹھ ہزار فرانسیسی فوج اس کا راستہ
روکنے کے لئے خیمہ زن ہے۔ چونکہ فرانسیسیوں کے دونوں جانب
جنگل تھے اور سامنے صرف اتنی جگہ تھی کہ تیس تیس آدمیوں
کی صفیں قائم ہوسکیں، اس لئے ان کا موقع مدافعت کیلئے
تو مضبوط تھا مگر خود حملہ کرنے کے لئے موزوں نہیں تھا، علاوہ
فرانسیسی سرداروں کو کریسی اور پوائیٹرز کا تجربہ ہوچکا اس لئے
انہوں نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ وہ انگریزوں کے بڑھنے کا

انتظار کریں گے۔ برخلاف ازیں ہنری کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ یا حملہ کرے یا بلاشرط مطیع ہو جائے۔ اس کے آدمی فاقہ سے تباہ ہو رہے تھے، اور کیلے کا راستہ فرانسیسی فوج سے رکا ہوا تھا، مگر اس خطرے کے ساتھ ہی بادشاہ کی ہمت بھی بلند ہو گئی۔ اس کے جلو کے ایک نائٹ نے کہا کہ کاش انگلستان کے وہ ہزارہا مضبوط جنگ آور جو بیکار وقت گزار رہے ہیں، آج سب اس کے سامنے صف بستہ کھڑے ہوتے تو ہنری نے نہایت حقارت کے ساتھ جواب دیا کہ ”میں ایک زائد آدمی کا بھی یہاں ہونا نہیں چاہتا۔ اگر خدا نے ہمیں فتحیاب کیا تو اس سے صاف ظاہر ہو جائیگا کہ یہ اس کی رحمت ہے اور اگر ایسا نہ ہوا تو جس قدر کم آدمی ہوں گے اسی قدر انگلستان کا نقصان کم ہوگا“۔ ہنری کے مٹھی بھر آدمی اگرچہ فاقہ کشی و بیماری میں مبتلا تھے، مگر اپنے سرداروں کے جوش میں وہ بھی شریک تھے۔ جبکہ بارش کی سرد رات گزر گئی، تو ہنری کے تیر اندازوں نے تیر و کمان سے پوری طرح کام لینے کے لئے اپنے ہاتھوں اور سینوں سے کپڑے اتار دئے۔ انگلستان کے لئے اس وقت جو کچھ تھا یہی تیر اندازی تھی۔ یہ لوگ نہایت جوش و خروش کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ ان کو بڑھتے دیکھ کر فرانسیسیوں کا شعلۂ غرور بھڑک اٹھا، ان کے سرداروں نے اپنے عاقلانہ عزم کو فراموش کر دیا، اور بھاری زرہ پوش سپاہیوں کی صف رتیلی زمین میں

انگریزوں کے مقابلہ کے لئے بڑھ چلی، ان کو بڑھتے دیکھ کر ہنری نے اپنی صف کو جہاں تھی وہیں روک لیا اور ہر ایک تیر انداز نے نوکدار تختوں کو (جو پہلے سے ان کے پاس موجود تھے) اپنے سامنے گاڑ کر سپاہ مخالف پر تیر برسانے شروع کر دئے۔ فرانسیسی بے طرح مارے گئے، پھر بھی ان کے سواروں کے جانبازانہ حملوں نے تیر اندازوں کو ایک قریب کے جنگل کی طرف بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہاں سے انہیں موقع تھا کہ اپنے دشمنوں کے بازوں پر برابر تیر برساتے رہیں۔ ادھر ہنری خود اپنے زرہ پوشوں کو لیکر فرانسیسی صف میں گھس پڑا، اور اس کے بعد جیسی گھمسان کی لڑائی ہوئی اس میں بادشاہ نے اپنی بہادری کا سکہ جما دیا۔ ایک فرانسیسی کے گرز کی ضرب سے وہ ایک مرتبہ گر پڑا اور اس کے خود کے اوپر کا تاج ڈیوک الانسان کی تلوار سے کٹ گیا، مگر آخر اس نے دشمن کی فوج کو منتشر کر ہی دیا۔ اصل فوج کی ہزیمت کے بعد فرانسیسیوں کی محفوظ فوج میں بھی ابتری پھیل گئی۔ اس جنگ کے تناسب تعداد میں کریسی سے بھی زیادہ فرق تھا، اور اس وجہ سے یہ کامیابی اور بھی زیادہ شاندار تھی۔ گیارہ ہزار فرانسیسی میدان جنگ میں کام آئے، جن میں سو سے زائد شہزادے اور امرائے عظام بھی داخل تھے۔

جنگ آژن کور کا کوئی فوری نتیجہ نہیں نکلا، کیونکہ انگریزی فتح فوج اس درجہ خستہ و درماندہ ہو گئی تھی کہ تعاقب کی تاب

نہیں لاسکتی تھی، وہ فوراً کیلے کو روانہ ہو گئی اور وہاں سے انگلستان کو پلٹ آئی۔ جنگ صرف رودبار کے قبضے تک محدود ہو گئی تھی۔ تا آنکہ برگنڈیوں اور آرمانیاک میں مخاصمت کی شدت بڑھ گئی اور اس سے ہنری کو یہ حوصلہ ہوا کہ نارمنڈی کے واپس لینے کی کوشش کرے اس مبارزت کی اصل غرض کے متعلق لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کے خیال میں اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر انگلستان میں اس کے خاندان کی طاقت ٹوٹ جائے تو نارمنڈی ایک محفوظ جگہ ان کے لئے باقی رہے۔ بعض کا خیال تھا کہ وہ محض سمندروں کی حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال مقصد کچھ بھی ہو لیکن جس استقلال اور ہوشیاری سے اس نے اس کام کو پورا کیا ہے ان سے سپہ سالاران افواج کی صف میں اس کا رتبہ بہت بلند ہو گیا ہے۔ چالیس ہزار آدمیوں کو لے کر وہ دریائے ٹوک کے دہانے کے قریب اترا۔ کان کو سر کیا، بایو کو حلقۂ
اطاعت میں لیا، الان سان و فالیز کو زیر کیا، اور اپنے بھائی ۱۴۱۷
گلوسٹر کے قبضہ میں کانٹن کو چھوڑ کر خود آگے بڑھ کر آورانش اور ڈامفرنٹ کو مسخر کر لیا، اس طرح نشیبی نارمنڈی کو اپنے قبضہ میں لاکر وہ ایورو کی طرف بڑھا اور لوویرز اور پان ڈے لارش پر قبضہ کر کے اپنی فوجیں دریائے سین کے پار اتار دیں۔ ان شاطرانہ چالوں کی غائت اب ظاہر ہوئی۔ اس زمانے میں روآن، فرانس کا سب سے بڑا اور

سب سے زیادہ دولتمند شہر تھا۔ ایک زبردست توپخانہ اس کی حفاظت کے لئے متعین تھا۔ ایلین بلان شارڈ ایک دلیر اور قوی العزم محب وطن نے اس کی تمام وسیع آبادی کو اپنا ہی سا پرجوش بنا دیا تھا۔ اس کی قلعہ نشین فوج پہلے ہی سے مضبوط تھی اب اس میں پندرہ ہزار مسلح شہریوں کا بھی اضافہ ہو گیا۔ مگر ہنری کی قابلیت ان تمام مشکلات پر غالب آنے کے لئے کافی سے زائد تھی۔ نشیبی نارمنڈی کی تسخیر سے اس نے عقب کے حملے سے اپنے کو محفوظ کر لیا تھا، ہارفلر پر وہ پہلے ہی قبضہ کر چکا تھا اور اس طرح شہر کو سمندر سے منقطع کر دیا تھا، اب پان ڈے لارش کے فتح کر لینے سے پیرس کی طرف سے بھی مدد کا راستہ بند کر دیا۔ آہستگی اور استقلال کے ساتھ بادشاہ اس بدقسمت شہر کو اپنے حلقے میں گھیرتا گیا۔ کشتیوں کا ایک بیڑا ہارفلر سے لایا گیا، اور شہر سے بلندی کی جانب دریائے سین پر کشتیوں کا پل باندھا گیا۔ محاصرین کی گہری خندقیں تختہ بندی سے محفوظ کی گئیں، اور قلعہ نشین فوج کے سرفروشانہ حملوں کا بہت ہی استقلال سے جواب دیا گیا، چھ مہینے تک روآن عزم و استقلال کے ساتھ اپنی حالت پر قائم رہا، مگر گرد و نواح کے لوگوں کے شہر میں جمع ہو جانے کے باعث قحط نے بالآخر اپنا اثر دکھایا۔ مجبوراً ان میں سے بارہ ہزار آدمی شہر کے دروازہ سے باہر کر دئے گئے، مگر فاتح کو ان لوگوں پر کچھ رحم نہ آیا۔ اور اس نے انہیں راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس عالم ناچاری

میں وہ شہر کی دیوار اور محاصرین کی خندق کے درمیان ہلاک ہو کر رہ گئے۔ اس جانستان مصیبت کے اثنا میں بہت سی عورتوں کے بچے پیدا ہوئے۔ ان بچوں کو ٹوکریوں میں رکھ کر بپتسمہ دینے کے لئے دیوار شہر کے اوپر بھیجا گیا، مگر وہ پھر مرنے کے لئے اپنی ماؤں کی گود میں واپس کر دیے گئے۔ شہر کے اندر کی حالت بھی کچھ اس سے بہتر نہ تھی۔ جب جاڑے کا زور ہوا تو شہر کی نصف آبادی ہلاک ہو گئی۔ غضبناک بادشاہ نے کہا کہ "آتشزنی، خونریزی، اور فاقہ کشی، یہ تینوں جنگ کی لونڈیاں ہیں، اور میں نے ان میں سے سب سے زیادہ نرم دل لونڈی کو ان پر مقرر کیا ہے" مگر جب اس نے اہل شہر سے یہ کہا کہ وہ بلا شرط اطاعت قبول کر لیں، تو ناامیدی نے ان میں ایک طرح کی ہمت پیدا کر دی، اور انہوں نے یہ ارادہ کر لیا کہ شہر میں آگ لگا دیں، اور سب کے سب ایک ہی بار انگریزی صفوں پر ٹوٹ پڑیں، ہنری اس خوف سے کہ مبادا آخر وقت میں اس کا شکار ہاتھ سے جاتا رہے شرائط پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ جن لوگوں نے غیر ملکی حکومت کے قبول کرنے سے انکار کیا انہیں شہر سے چلے جانے کی اجازت دی گئی، مگر ایلن بلان شارڈ ہنری کے انتقام کی نذر ہو گیا اور یہ بہادر محب الوطن اس کے حکم سے بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

فتح فرانس

چند اور محاصرات نے نارمنڈی کی تسخیر کو مکمل کر دیا۔

اب تک بادشاہ کی امیدیں صرف اسی صوبے کے حاصل کرنے
محدود تھیں، پس فتح کے سلسلے کو روک کر اس نے یہ کوشش
کی کہ محصولات کے کم کر دینے اور شکایات کے رفع کر دینے سے
وہ اس صوبے کو اپنا وفادار بنالے، اور شاہ فرانس سے باضابطہ
صلح کرکے اس قبضے پر مہر تصدیق لگا دے۔ مگر مقام
پانٹواز میں جو گفتگو اس غرض کے لئے ہو رہی تھی وہ
فرانس کے مناقشات کے عارضی طور پر فرو ہو جانے سے
ناکام رہ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی جنگ میں طول کھینچنے
اور اخراجات کی وجہ سے خود انگلستان میں شکایت و بددلی
پیدا ہو گئی۔ بادشاہ کی مشکلات انتہا کو پہنچ گئی تھیں کہ
اسی اثنا میں ڈیوک برگنڈی کو جو ولیعہد فرانس کے ہمراہ
گفتگوے مصالحت میں شریک ہونے کے لئے آیا تھا، ولیعہد
کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا۔ اور فرانسیسیوں
میں ملکی مناقشات کی آگ پھر بھڑک اٹھی۔ جوش انتقام
میں تمام برگنڈوی فریق مع اپنے نئے ڈیوک فلپ نیکدل
کے ہنری کا شریک ہو گیا۔ دیوانہ بادشاہ چارلس اور اس
کی بیوی اور بیٹیاں فلپ کے قبضہ میں تھیں، اور چونکہ وہ
اس ارادہ پر جما ہوا تھا کہ ولیعہد کو تخت سے محروم کر دے،
اس لئے اس نے انگریزوں کو اپنا معاون بنانے کے لئے
یہ کارروائی کی کہ شاہ فرانس کی سب سے بڑی لڑکی کو
ہنری کی زوجیت میں دے دیا، اور چارلس کی زندگی تک کے لئے

اُسے ولیعہد مقرر کرکے یہ طے کر دیا کہ شاہ چارلس کے بعد
ہنری ہی تخت فرانس کا مالک ہوگا۔ خود چارلس نے بھی اس
معاہدہ کی بمقام ٹرائش باضابطہ تصدیق کر دی، اور ہنری نے
۱۴۲۰ ولیعہد ہونے کی حیثیت سے اپنے خسر کی جانب سے اس
حصہ ملک کو فتح کرنا شروع کر دیا جو ولیعہد فرانس کے قبضہ
میں تھا، اور بالائے سین کے شہروں کو مسخر کرکے بادشاہ کے
پہلو بہ پہلو شان و شوکت کے ساتھ پیرس میں داخل ہوا۔
پائے تخت میں طبقات عامہ کا باضابطہ اجلاس منعقد ہوا اور
معاہدۂ ٹرائش کے عجیب و غریب شرائط کی دارالعوام نے بھی
بلا چون و چرا تصدیق کردی، اور ہنری باضابطہ طور پر فرانس
کا آئندہ بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ آنژو میں اس کے بھائی کلیرنس
کے شکست کھا جانے سے اسے پھر میدان جنگ میں جانا
پڑا اور اس کے آتے ہی ڈرو پر قبضہ ہو گیا، اور آرلی آنز
کے سامنے پسپا ہونے کا عوض مو کی طویل و شدید
محاصرے کی کامیابی سے ہوگیا۔ مرنے سے چند دنوں قبل
ہنری کا ستارۂ اقبال اپنے انتہائی اوج پر پہنچ گیا تھا،
۱۴۲۲ اس کی علالت آناً فاناً ایسی بڑھی کہ تمام طبیب متحیر رہ گئے
اور یہ عظیم الشان فاتح یہ عجیب و غریب حسرت لئے ہوئے
دنیا سے رخصت ہوا کہ وہ یروشلم کے فتح کرنے کے لئے
زندہ نہ رہا +

باب ششم

شاہی جدید

۱۴۲۲ — ۱۵۴۰

جزو اول

جین آف آرک

۱۴۲۲ — ۱۴۵۱

(**ماخذ**۔ "وارز آف دی انگلش اِن فرانس" (محاربات انگریزاں در فرانس (Wars of the English in France اور ڈی رڈکشیونے نارمانی ای De Reductione Normanniae (تسخیر نارمنڈی مصنفہ بلانڈل دونوں ماسٹر آف دی رولز کی جانب سے شائع ہوئے ہیں اور اُس زمانے کی فوجی معاملات کے متعلق ان سے کافی واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ فرانسیسی نقطۂ نظر سے ہمارے معلومات کا خاص ماخذ بدستور مانسترلے ہی ہے۔ جون آف آرک کی تاریخ کے متعلق صرف ایک کتاب "پروسے دو ژان وارک" (مقدمہ جون

آو آرک Proces de jeane d'arc کو واقعی مستند کہ سکتے ہیں۔ اس کتاب کو فرانس کی مجلس تاریخ (Societe de (Historie de France نے شایع کیا ہے۔ انگریزی معاملات کے لئے ہمیں ولیم (درسسٹر) وقایع گر ولینڈ کے مختتم اور فے بین کے بیانات پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ فے بین لندن کا ایک الڈر مین اور خاندان لینکیسٹر کا سخت جانبدار تھا۔ اس کے بیانات صرف لندن کے لئے کارآمد ہو سکتے ہیں۔ وقایع کا مختتم اپنے طبقہ کے بہترین لوگوں میں سے ہے اور اگرچہ خاندان یارک سے اس کا خاص لگاؤ ہے۔ تاہم اس کی تصنیف بوسورتھ فیلڈ کے بعد ہی جلد شائع ہو گئی تھی، اور اس کے سنہ تصنیف کے لحاظ سے اسے ایک بڑی حد تک غیر جانبدار سمجھا جاسکتا ہے، مگر اس کی تحریر میں تصویر نگاری زیادہ اور بیان واقعات کم پایا جاتا ہے، علمی قابلیت کے لحاظ سے پالیڈ ورورجل کی زیادہ وسیع داستان ان سب پر فائق ہے، لیکن وہ بعد کے زمانہ کی ہے اور خاندان لینکیسٹر کی طرف بہت زیادہ مائل ہے۔ پارلیمنٹ رولز (صحائف Rolls) اور ریمر کی کتاب فیڈرا بہت ہی قابل قدر ہیں۔ جدید لکھنے والوں میں موسیو مشلے نے اپنی ہسٹری آف فرانس (تاریخ فرانس History of France جلد پنجم) میں عذرائے آرلینز کا ایسا نقشہ کھینچا ہے، جس میں انتہائی صحت اور پوری شاعرانہ نزاکت دونوں مجتمع ہیں، لارڈ بروم کی کتاب وو انگلینڈ انڈر دی ہاؤس آف لینکیسٹر" (انگلستان تحت خاندان لینکیسٹر England under the House of Lancaster — آئینی اعتبار سے بدستور کارآمد ہے۔

(ڈاکٹر اسٹبز کی کانسٹیٹیوشنل ہسٹری جلد سوم (تاریخ آئینی Constitutional History) ان صفحات کے لکھنے کے بعد شایع ہوئی۔ اس سے بھی اسس زمانہ پر اچھی طرح روشنی پڑتی ہے۔)

ہنری پنجم کے انتقال کے وقت اس کی عظمت و رفعت انتہائی کمال پر پہنچی ہوئی تھی۔ اُس نے کلیسا کو اپنی مذہب پرستی سے گروہ امرا کو اپنی جنگجویانہ قابلیت سے اور عام لوگوں کو کریسی اور

پواٹیرز کے شان وشکوہ کو زندہ کر دینے سے بالکل اپنا بنا لیا تھا۔ فرانس میں وہ اپنے پر وقار طرز عمل سے ایک بیرونی فاتح کے بجائے جائز وارث تاج و تخت قرار پایا گیا تھا، اور اُس کے اس حق کو طبقات رعایا نے باضابطہ تسلیم کر لیا تھا۔ اور اپنے انتقال کے وقت تک وہ جس رفتار سے ترقی کر رہا تھا اُس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جلد تر کل ملک کا مالک ہو جائے گا۔

ارکان دارالعوام کی سلب رائے

لیکن آژین کور کی فتح اور ہنری پنجم کی ذہانت و طباعی تاج کی اس کمزوری و ذلت پر پردہ نہ ڈال سکی جو اس کے اختتام عہد پر اس کے شیر خوار بچے کی جانشین ہوتے ہی پیش آگئی۔ ہنری ششم اپنے باپ کے انتقال کے وقت صرف نو مہینے کا بچہ تھا۔ اُس کے نابالغی کے طولانی زمانہ اور خود اس کے عہد حکومت کی ذاتی کمزوری کی وجہ سے خاندان لینکیسٹر کا دارمدار تمام تر پارلیمنٹ کے نظر عنایت پر رہ گیا تھا۔ پارلیمنٹ روز بروز محض طبقۂ بیرن اور بڑے بڑے زمینداروں کے قائم مقامی پر منحصر ہوتی جاتی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ارکان دارالعوام کو روپیہ کی منظوری دینے، اس پر نگرانی رکھنے، قانون بنانے میں شرکت کرنے اور وزرا پر الزام قائم کرنے کا حق حاصل تھا، مگر فی الواقع دارالعوام جس وجہ سے اس نام سے موسوم تھا یعنی عوام کی قائم مقامی ان معنوں سے وہ حقیقۃً ہٹتا جاتا تھا۔ عام میلان، رائے دہی میں قیدوں اور بندشوں اور امتیازات خاص کے بڑھانے کی طرف ہو رہا تھا اور اس سے قصبات کے حق رائے دہی کو نقصان پہنچ رہا تھا۔

قصبات کی حق رائے دہی کا محدود کیا جانا

بیشتر شہروں میں یہ رائے دہی بہت جلد ایک مضحکہ محض بن گئی۔ اس وقت تک یہ دستور تھا کہ

قصبے میں جس قدر آزاد اشخاص رہتے اور مواجبات ادا کرتے تھے وہ سب کے سب محض اپنی اقامت قصبہ کی وجہ سے اہل قصبہ میں شمار ہوتے تھے۔

مگر ہنری ششم کے عہد سے لفظ قصباتی کے ان عام معنوں میں تخصیص و تقیید بے قاعدہ کی جانے لگی۔ وہ تجارتی کمپنیاں جنھوں نے قدیم سوداگروں کی تعدی کے مقابلہ میں بلدی آزادی کو قائم و برقرار رکھا تھا، وہ خود ایک تنگ خیال اور محدود جماعت بنتی جاتی تھیں۔ اسوقت تک بیشتر قصبات نے بلدی حکومت حاصل کرلی تھی۔ مگر اس اقتدار میں وہ اجنبیوں کو شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اور اسی انتفاع خاص کو محفوظ رکھنے کے لئے زیادہ تر یہ ہوا کہ اس وقت کے اہل قصبہ بادشاہ سے جماعت بندی کے فرامین حاصل کرکے ایک معین و محدود جماعت بن گئے اور ان تمام لوگوں کو اپنے دائرے سے خارج کردیا جو قصبے کے اصلی باشندے نہ تھے یا اس حق کے حاصل کرنے کے لئے ایک طولانی زمانہ ملازمت کا پورا نہیں کرسکتے تھے۔ ایک طرف تو اہل قصبہ کی تعداد اس طرح محدود ہوگئی، دوسری طرف قصبات کی اندرونی حکومت بھی عوام کے ہاتھوں سے نکل گئی۔ دستور یہ تھا کہ قصباتی مجالس میں تمام اہل قصبہ جمع ہوتے اور آزادانہ رائے دیتے تھے مگر تیرھویں صدی کی اشتراکی تحریک کے ناکامیاب ہونیکے بعد سے تقریباً ہر جگہ قصبات کی اندرونی حکومت کے لئے مجالس عامہ قائم ہوگئیں، جو اپنے اراکین منتخب کرلیتی تھیں یا زیادہ دولتمند اہل قصبہ ان کے اراکین کا انتخاب کردیتے تھے۔ فرامین جدید کی رو سے انہیں مجلسوں کو پارلیمنٹ کے لئے قائم مقام منتخب کرنے کا حق عطا ہوتا تھا بلکہ ان میں بھی ایک

منتخب جماعت کے اندر ہی اندر حق انتخاب محدود کردیا جاتا تھا۔انہیں رکاوٹوں سے تنزل کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس سے آخرکار انگلستان میں قصبات کی قائم مقامی ایک مضحکہ محض بن گئی۔ بڑے بڑے امرا قرب و جوار کے زمیندار بلکہ خود بادشاہ تک ان قصبات کو شکار کی طرح پکڑ لیتے اور جسے چاہتے قصبہ کا قائم مقام منتخب کرا دیتے تھے۔جو کام قوت سے انجام نہ پاتا تھا وہ رشوت سے پورا کیا جاتا تھا۔گلابون والی جنگ کے زمانہ سے پٹ کے وقت تک رعایا کی خواہشوں کے معلوم کرنیکا ذریعہ ارکان قصبات نہیں بلکہ کوئنٹیوں یا ضلعوں کے نائٹ تھے۔ لیکن خود صوبوں کی حق رائے دہی میں بھی عوائق پیدا ہوگئے تھے۔اور یہ فعل بلا واسطہ خود پارلیمنٹ کا تھا، اقتصادی تغیرات کے باعث سے صوبوں میں تعداد رائے دہندگاں روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھی۔ معاشرت میں جس قسم کے تغیرات ہو رہے تھے اور جائدادوں کی جس طرح تقسیم در تقسیم ہوتی جاتی تھی ان کا بیان اس کے قبل ہو چکا ہے۔ یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے آزاد اراضی داروں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی، اور ترقی آزادی کا ایک نشان یہ بھی تھا کہ شرفا اور دوسرے لوگوں میں ہنگامے اور مناقشے بھی پیدا ہوتے جاتے تھے۔ مدبرین وقت اس قسم کے مناقشات و مشاجرات کو رائے دہندوں کی کثرت تعداد کی طرف منسوب کرتے تھے۔بہت سے صوبوں میں بڑے بڑے ذی اقتدار امرا اپنے حشم و خدم کے زور سے انتخاب پر بے دغدغہ قابو حاصل کرلیتے تھے۔ کیڈ کی شورش میں اہل کنٹ کی ایک شکایت یہ بھی تھی کہ کوئنٹی یا

ضلعوں کی حق رائے دہی کا محدود کیا جانا

ضلع کے لوگوں کو ضلع کے نائٹ کے انتخاب میں آزادانہ رائے دہی کا موقع نہیں ملتا بلکہ مختلف جاگیروں سے صوبے کے بڑے بڑے امرا کے نام خطوط آتے ہیں اور وہ اپنے متاجرین و دیگر اشخاص کو بزور مجبور کرتے ہیں کہ عام خواہش کے خلاف دوسرے لوگوں کا انتخاب کردیں؛ اسی خرابی کے رفع کرنے کی غرض سے ۱۴۳۰ء میں بعہد ہنری ششم ایک قانون نافذ ہوا کہ حق انتخاب ضلع کے صرف اُن آزاد اراضی داروں تک محدود کردیا جائے جن کی زمین چالیس شلنگ قیمت کی ہو۔ اس زمانے کے چالیس شلنگ کو اس وقت کے کم از کم بیس پونڈ کے برابر سمجھنا چاہئے اور منافع کے لحاظ سے نسبتہً اور بھی زیادہ۔ اِس قانون کو "سلب رائے دہی کا قانون اعظم" کہنا بہت بجا تھا۔ کیونکہ خود اس قانون ہی کے الفاظ میں اس کا مقصد ان رائے دہندوں کے خلاف تھا جن کی "کوئی حیثیت نہیں ہوتی تھی مگر جو چاہتے یہ تھے کہ اپنے ضلع کے رہنے والے ذی ثروت نائٹ اور اسکوائر کے برابر رائے دیں"۔ ان الفاظ کا جو کچھ ظاہری مقصد تھا وہ ہی کیا کم تھا۔ عملاً اسے اور بھی مضرت رساں بنا دیا گیا۔ اس وقت تک یہ تھا کہ شیرف کی عدالت میں جو شخص درخواست کرتا بلا مزاحمت ضلع کے نائٹ کے انتخاب میں رائے دے سکتا تھا۔ مگر اس قانون جدید سے بہت سے اُس زمانے کے اہل رائے اور تمام لیز ہولڈر (یا پٹہ دار) اور کاپی ہولڈر (یا سند دار) حق رائے دہی سے ضمناً محروم ہوگئے۔ کچھ زمانہ بعد ایک اور قانون منظور ہوا مگر بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پر عمل نہیں ہوا۔ اس قانون نے ضلع کے ہر نائٹ کے لئے خاندانی شریف ہونا لازمی

قرار دیا تھا۔ اس سے امرا و اعیان کے انداز اور اُن معاشرتی تغیرات کا پتہ چلتا ہے جن کے خلاف طبقہ اعیان یہ تمام کوششیں کر رہا تھا۔

انگلستان امرا کے تحت میں

ہنری پنجم کی موت سے اس سربستہ قوت کی حقیقت عیاں ہوگئی تمام شاہی اقتدار بلا مزاحمت اہل کلیسا اور طبقہ بیرن کے قائم مقام امرائے عظام کی ایک مجلس کے ہاتھ میں آگیا' اس وقت بیرنوں کا سرگروہ ہنری بوفرٹ اسقف ونچسٹر تھا' یہ شخص جان گانٹ کی مدخولہ کیتھرن سونفرڈ کے بطن سے تھا اور بعد میں جان کا جائز فرزند قرار پاگیا تھا۔ مذہب وکلف کے واعظوں نے اور اجتماعیت مذہب کے خیال نے کلیسا کی بڑھی ہوئی سیاسی طاقت کو باطل کردیا تھا اب وہ محض جاگیرداروں کی سی حیثیت رکھتا تھا۔ کلیسا کا بڑا مقصد یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح اپنی دولت کثیر کو محفوظ رکھے۔ اس دولت کو دہرے خطرے درپیش تھے ایک طرف ملحدوں کی نفرت اور دوسری طرف امرا کی حرص دراز۔ باوجود جور و تعدی کے وکلف کی رائے مذہبی و اخلاقی انقلاب کی روح رواں بنی ہوئی تھی' اور بادشاہ کی تخت نشینی کے نو برس بعد یہ دیکھا جاتا ہے کہ ڈیوک گلوسٹر ایک مسلح جماعت کے ساتھ انگلستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اس غرض سے گشت لگا رہا ہے کہ وکلف کے
۱۴۳۱ واعظوں کی شورشوں کو دبائے اور پادریوں کے خلاف اس کے سب وشتم کی اشاعت کو روکے۔ جور و زیادتی اور بدنظمی کا داغ ہمیشہ سے طبقہ بیرن پر لگا ہوا تھا' اب جنگ فرانس سے اسے اور بھی شہ مل گئی تھی۔ اس کشمکش کے ختم ہونے سے بہت پہلے امرائے انگلستان کے مزاج پر اس کا مہلک اثر پڑ چکا تھا۔ ان کا مطمح نظر طمع زر'

آز غنیمت، بربادیٔ زراعت، تخریب دیار و امصار، تاوان اسیران جنگ کے سوا اور کچھ نہ تھا، وصول غنائم کی حرص اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ صرف تہدید قتل سے ہی سپاہی اپنی صفوں میں روکے جاسکتے تھے، اس جنگ میں انگریزوں کو فتح پر فتح حاصل ہوئی مگر فاتحین کی اس فکر و تشویش نے کہ کسی طرح وہ اپنے مال غنیمت اور اپنے قیدیوں کو بحفاظت انگلستان پہنچادیں، کل نتائج پر پانی پھیر دیا۔ ہنری پنجم اور بڈفرڈ کے سے زبردست سرداروں نے اپنے زور بازو سے اس فتنہ کو دبائے رکھا۔ ان کا علیحدہ ہونا تھا کہ جنگ نے محض قتل عام اور لوٹ مار کی صورت اختیار کرلی۔ ایک فرانسیسی سپہ سالار کے منہ سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ "اگر خدا بھی اس زمانے میں کسی فوج کا سردار ہوتا تو وہ بھی ایک سفاک قاتل ہو جاتا"۔ ممالک غیر جس قدر امرا کی حرص و جفاکاری سے تباہ تھے اسی قدر خود اُن کا وطن اُن کی قانون شکنی اور بداطواری سے نالاں تھا۔ پارلیمنٹ امرا کے حشم و خدم اور ان کے ہواداروں کی ایک مجلس بن گئی تھی۔ اور بالکل ایک مسلح لشکرگاہ کا نمونہ معلوم ہوتی تھی جہاں امرائے عظام میں سے ہر ایک اپنے جلو میں ایک چھوٹی سی فوج لیکر آتا تھا جب ہتیار کا لانا ممنوع قرار پایا تو بیرنوں کے ملازمین کندھوں پر لاٹھیاں رکھ رکھ کر آئے اور اسی وجہ سے ۱۴۲۶ء پارلیمنٹ "کلب پارلیمنٹ" (مجلس دبوس) کہی جانے لگی۔ جب لاٹھیوں کی بھی ممانعت ہوگئی تو یہ لوگ پتھر اور سیسے کی گولیاں اپنے جیبوں میں چھپا چھپا کر لانے لگے۔ وکلف کے واعظوں نے جس بداطواری کے خلاف اِس

زور و شور سے اخلاقی اعتراض اٹھایا تھا اب بلا روک ٹوک ہر طرف اسی بداطواری کی حکومت تھی۔ بیشک علمی روشنی کی ایک شعاع اس عالم ظلمت میں نمودار ہو رہی تھی مگر کس لئے؟ صرف اس لئے کہ اس نفرت انگیز اخلاقی خرابی کو ذہنی طاقت اور تقویت حاصل ہو جائے۔ ڈیوک گلوسٹر نے جیسا گراں بہا کتب خانہ جمع کیا تھا اِس سے اس کا ذوق علمی ظاہر ہوتا تھا مگر وہی شخص اپنے وقت کا سب سے بڑا خود غرض و عیاش رئیس تھا کیکسٹن کا مربی، ارل ورسٹر تجدید علوم کے علمائے سابقین میں سے تھا مگر اپنے مظالم کی وجہ سے گلابوں والی جنگ کے خون آشام سرداروں میں بھی اسے بدنامی کا امتیاز خاص حاصل ہو گیا تھا، اور اسی باعث سے اس کا لقب "قصاب" قرار پا گیا تھا، یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مذہب و کلف کی بیخکنی کے ساتھ ہر طرح کی روحانی زندگی کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ انگریزی علم ادب کبھی پستی کے اِس درجہ پر نہیں پہنچا تھا۔ صرف چند جفاکش اہل اخلاق کی وجہ سے شاعری کا نام قائم رہ گیا تھا۔ تاریخ نہایت ہی معمولی اور بہت ہی بیکار بیانات و واقعات میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ عوام تک میں کسی قسم کے مذہبی جوش کا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا یا یہ کہئے کہ اساقفہ کی عدالتوں نے اسے نیست کر دیا تھا۔ اس زمانے میں صرف ٹونے اور جادو کے ایک اعتقاد کو قبول عام حاصل تھا، ڈیوک گلوسٹر کی بیوی الے نرکابھم اس بنا پر مجرم قرار دی گئی کہ اس نے بادشاہ کی جان لینے کے لئے ایک قسیس کے ساتھ جادو کی مشق کی تھی۔ اسے حکم دیا گیا کہ لندن کی سڑکوں پر توبہ کرے۔

بارنٹ کے میدان جنگ پر جب کہر چھاگئی تو اسے فرائر بنگے کی سحر سازیو
کی طرف منسوب کیا گیا، ایک پاک صورت جو زمانہ کی حرص و آز،
خود غرضی و بد اعتقادی سے بالاتر نظر آتی تھی وہ جین آف آرک کی
صورت تھی، مگر جن عالموں اور قسیسوں نے اس پر حکم لگایا انہوں نے
اُسے ایک ساحرہ خیال کیا،

جین آف آرک

ژان وارک یا جین آف آرک: دون ریمی کے ایک مزدور کی لڑکی
تھی، یہ مقام لورین اور شیمپین کے صدود پر نواح دوکولر میں ایک
چھوٹا سا موضع تھا، جس مکان میں وہ پیدا ہوئی تھی اس کے قریب
ہی سے دوژ کے جنگلات شروع ہوتے ہیں، یہیں دون ریمی کے
بچے پریوں کے شاعرانہ افسانے سنتے اور آسیب زدہ کوئیں کا پانی
پیتے، مقدس درختوں کے پھولوں کے ہار بناتے اور اُن نیک لوگوں کو
گانا سناتے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے اس چشمے کا پانی نہیں پی سکتے
تھے۔ جین کو اس جنگل سے خاص الفت تھی۔ جنگل کے چرند و پرند
اس کی طفلانہ آواز پر محبت کے ساتھ اس کے پاس آجاتے تھے، مگر
گھر کے اندر لوگ اسے بس اتنا سمجھتے تھے کہ وہ ایک نیک طبع، سادہ
مزاج اور خوش اطوار لڑکی ہے" دوسری لڑکیاں میدانوں کو چلی جاتیں مگر
وہ اپنی ماں کے پاس سینے پرونے میں مشغول رہتی، غریبوں اور بیماروں
سے شفقت آمیز برتاو کرتی، گرجے سے شوق رکھتی اور گرجے کا گھنٹہ
سننے سے اُسے ایسی مسرت ہوتی گویا وہ خواب دیکھ رہی ہے مگر اسکے
اس خوش آئند زمانہ کا بہت جلد خاتمہ ہوگیا، کیونکہ جنگ کا طوفان
آخرکار دون ریمی تک پہنچ گیا۔ ہنری پنجم کے مرنے کے تھوڑے ہی

زمانہ بعد شاہ چارلس کا بھی انتقال ہوگیا۔ تاہم حالات میں کچھ تغیر نہیں ہوا، ولیعہد نے فوراً ہی اپنے شاہ فرانس ہونے کا اعلان کردیا، اور چارلس ہفتم کا نام اختیار کیا، مگر ہنری ششم (شاہ انگلستان) اس تمام ملک کا جو فی الحقیقت چارلس کے زیر حکومت تھا بادشاہ تسلیم کیا جاچکا تھا، اور وہ اپنی وصیت کے ذریعہ سے اپنے بھائی جان (ڈیوک بڈفرڈ) کو فرانس کا کارفرما مقرر کرگیا تھا۔ چارلس کے ہواخواہوں نے میلین کے لمبارڈ سپاہیوں اور ارل ڈگلس کے چار ہزار اسکاٹ کی مدد پاکر لوار کے پارئے جوش و خروش سے حملے شروع کردئے۔ مگر بڈفرڈ نے ان حملوں کو نہایت آسانی سے مسترد کردیا۔ جان اپنی سیاسی قابلیت کی طرح تدابیر جنگ میں بھی کسی طرح ہنری سے کم نہ تھا اُس نے برگنڈی اور برٹنی کے امیروں کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کرلیا اور بڑی صبر آزما تدبیروں سے اُن کے ساتھ اپنے اتحادات کو زیادہ مضبوط کرکے شمالی فرانس کی فتح مکمل کرلی، ہیولین پر قبضہ کرکے نارمنڈی سے سلسلہ آمد و رفت محفوظ کرلیا، اوگزیر کے قریب ایک فتح حاصل کرکے یون کے راستے پر حاوی ہوگیا۔ اور آخرکار ماکون کے قریب کی سرزمین پر پہنچ گیا۔ اس کی اس رفتار ترقی کے روکنے کے لئے سپہ دار بیوکن، لوار کو دلیرانہ عبور کرکے عین سرحد نارمنڈی پر بمقام ورنوئیل انگریزی فوج پر حملہ آور ہوا، مگر اس کی ہزیمت کسی طرح آژین کور کی ہزیمت سے کم مصیبت انگیز نہ تھی، ایک تہائی فرانسیسی سوار میدان جنگ میں کھیت رہے۔ کار فرمائے فرانس (ڈیوک بڈفرڈ) لوار کو عبور کرنے کی تیاری ہی کررہا تھا کہ اپنے بھائی ڈیوک گلوسٹر کی سازشوں کی وجہ سے اُسے اپنا

ڈیوک بڈفرڈ

ڈیوک گلوسٹر

ارادہ ملتوی کرنا پڑا، شاہ متوفی نے اپنی وصیت میں ڈیوک گلوسٹر کو انگلستان
کی کارفرمائی کے لئے نامزد کیا تھا، مگر مجلس شاہی نے اسے اس عہدہ سے
علٰحدہ کرکے اُسے "محافظ ملک" مقرر کردیا۔ اس طرح مسلوب الاختیار
رہنے سے تنگ آکر اس نے اپنی پرجوش حوصلہ مندی کے لئے ندرلینڈ
میں ایک نیا موقع نکالا، ژاکلین اپنے ذاتی حقوق کی بناپر ہالینڈ اور
ہنیالٹ کی کاؤنٹس تھی اور ڈیوک برابانٹ کے عقد میں تھی۔ برابانٹ
نے جب اُسے طلاق دے دی تو گلوسٹر نے اس سے عقد کرلیا اور
ندرلینڈ میں اس کے دعووں کی تائید کرنے لگا۔ اس کی اس بلند عزمی
سے ڈیوک برگنڈی کا حسد بھڑک اٹھا کیونکہ وہ خود کو ڈیوک برابانٹ
کا ولیعہد سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے وہ بڈفرڈ کی رفاقت چھوڑ کر شمال
میں اسکے بھائی گلوسٹر کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوگیا اور بڈفرڈ کی کوششیں
بیکار ہوگئیں۔ گلوسٹر اگرچہ خود جلد انگلستان کو واپس چلا گیا مگر اس کشمکش
کی تباہی تین برس تک جاری رہی اور جب تک کہ یہ جنگ ختم
نہ ہوئی اور بڈفرڈ کو پھر برگنڈی کی مدد حاصل نہ ہوگئی اُسے مجبوراً اسوقت
تک حالت مدافعت پر قائم رہنا پڑا۔ ادھر خود انگلستان میں گلوسٹر
اور بوفرٹ کے درمیان مناقشہ برپا ہوگیا اور جنگ فرانس کے لئے
جس قدر آدمی اور روپیہ کی ضرورت تھی اس میں اسکی وجہ سے رخنہ پڑگیا
اور یہ امر نہایت خطرانگیز ثابت ہوا، مگر انگلستان کے عارضی سکون اور ہالینڈ
۱۴۲۸ کے امن سے بڈفرڈ ایکبار پھر اس قابل ہوگیا کہ جنوب کی طرف اپنے فتوحات
بڑھا سکے لیکن اس تاخیر سے فرانس کو بھی کوئی فائدہ نہیں تھا، اور چارلس
کی آنکھوں کے سامنے حلفا کی دس ہزار سپاہ نے آرلینز کو گھیر لیا اور وہ اسے

کسی طرح کی مدد نہ پہنچا سکا۔ جنگ اس کے بہت قبل لورین کے حدود تک پہنچ چکی تھی اور شمالی فرانس فی الحقیقت روز بروز ایک صحرا بنتا چلا جاتا تھا۔ کاشتکار پناہ کے لئے شہروں کو بھاگ رہے تھے یہاں تک کہ قحط کے خوف سے شہروں نے اپنے دروازے بند کرلئے ادھر سے مایوس ہو کر وہ جنگلوں میں جا رہے اور قزاقی و رہزنی شروع کردی۔ ویرانگی ملک اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ دو متخاصم فوجیں ایک وقت کے اندر تباہ شدہ بوس میں ایک دوسرے کو نہ پاسکیں۔ شہروں کی حالت بھی دیہات وقصبات سے کچھ بہتر نہ تھی۔ فلاکت و بیماری سے' صرف پیرس کے اندر ایک لاکھ آدمی ہلاک ہوچکے تھے۔ یہ خانماں برباد زخمی جب ڈون ریمی سے ہوکر گزرتے تھے تو نوعمر جین انہیں اپنے گھر میں ٹھہراتی اور انکی تیمارداری کرتی تھی۔ وہ ایک خیال میں غرق تھی اور ہر وقت یہی کہا کرتی تھی کہ" فرانس کے خوبصورت ملک پر اُسے رحم آرہا ہے"۔ اس جذبے نے جب کچھ اور ترقی کی تو اُسے پرانی پیشینگوئیاں یاد آنے لگیں کہ سرحد لورین کی ایک لڑکی ملک کو نجات دلائے گی۔ وہ انہیں باتوں کا خواب دیکھنے لگی۔ حضرت میکائیل آنکھوں کو خیرہ کردینے والی روشنی میں اس کے خواب میں آئے اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ کی مدد کے لئے جائے اور اس کا ملک اسے واپس دلائے۔ لڑکی نے جواب دیا کہ"حضرت میں تو صرف ایک غریب لڑکی ہوں یہ بھی نہیں جانتی کہ گھوڑے پر کیوں کر سوار ہوتے ہیں اور میدان جنگ کو کس طرح جاتے یا فوجوں کو کس طرح لڑاتے ہیں"۔ فرشتہ مقرب اس کی ہمت افزائی کے لئے واپس آیا اور اس سے اس "رحم" کا ذکر

کیا جو بارگاہ خداوندی سے فرانس کے خوبصورت ملک کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔ لڑکی رونے لگی اور اس نے یہ تمنا کی کا کاش جو فرشتے اس پر ظاہر ہوے تھے وہ اسے دنیا سے اٹھالے گئے ہوتے مگر اس کا کار مفوضہ بالکل صاف و واضح تھا۔ اس مقصد کو سن کر اس کے باپ نے قسم کھا کر کہا کہ میں تجھے غرق کر دونگا قبل اس کے کہ تو سپاہیوں کے ساتھ میدان جنگ میں جا سکے مگر اس لڑکی پر اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوا' دیہات کے پادری' ذی فہم اشخاص اور ووکولیر کے کپتان نے اس کے بیان میں شک ظاہر کیا اور اُسے مدد دینے سے انکار کر دیا مگر اس کا بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کسان کی لڑکی نے باصرار یہ کہا کہ "خواہ میرے پاؤں گھٹنوں گھٹنوں تک گھس ہی کیوں نہ جائیں مگر میں بادشاہ کے پاس جاؤں گی اور ضرور جاونگی"۔ اس نے درد انگیز انداز سے اس بات پر زور دیکر کہا کہ "میں تو یہی چاہتی تھی کہ اپنی ماں کے پاس رہتی اور چرخا کاتتی مگر مجھے اب جانا اور اس کام کو انجام دینا ہے کیونکہ میرے خداوند کی یہی مرضی ہے"۔ لوگوں نے پوچھا کہ "تمہارا خداوند کون ہے"۔ اس نے جواب دیا کہ "وہ وہی ہے جو تمام عالم کا خدا ہے"۔ اس قسم کی باتوں نے آخر درشت مزاج کپتان کو نرم کر دیا اور اس نے جین کا ہاتھ پکڑ کر قسم کھائی کہ وہ خود اسے بادشاہ کے حضور میں لیچلے گا۔ جب وہ مقام شینان میں پہنچی تو اس پر مشکوک و مشتبہ نظریں پڑنے لگیں۔ اہل مذہب نے اپنی کتابوں سے یہ ثابت کیا کہ انہیں اس لڑکی پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ مگر جین نے سادگی سے جواب دیا کہ "خدا کی کتاب میں تمہاری کتاب

سے زیادہ باتیں ہیں" آخرکار چارلس نے اُسے امیروں اور سپاہیوں کے ایک مجمع میں طلب کیا' لڑکی نے کہا کہ "اے نیک دل ولیعہد! میرا نام جین عذرا ہے۔ آسمانی بادشاہ نے مجھے یہ کہنے کے لئے بھیجا ہے کہ مقام ریمنز میں حضور کو خدا کی طرف سے بادشاہی عطا ہوگی اور تاج پہنایا جائے گا۔ اور آپ اس آسمانی بادشاہ کے جو فرانس کا حقیقی بادشاہ ہے نائب ہوں گے"۔

آرلینز کا خلاص

جین جب فرانسیسی دربار میں داخل ہوئی ہے اس وقت آرلینز فاقہ کشی سے مجبور ہوکر اطاعت کی درخواست کر چکا تھا۔ چارلس نے مدد پہنچانے کے لئے کچھ نہیں کیا تھا بلکہ خود مقام شینان میں قلعہ بند ہوکر مایوسانہ روتا رہتا تھا۔ فی الحقیقت انگریزی فتوحات کے طولانی سلسلہ نے فرانسیسی سپاہ کی ہمتوں کو ایسا پست کردیا تھا کہ سر جان فاسٹالف کے تحت میں تیر اندازوں کے ایک دستے نے "بیٹل آف دی ہرنگز" (جنگ ماہی) میں ایک فوج کی فوج کو بھگا دیا اور ذخیرہ خوراک کو لے کر بڑی شان کے ساتھ آرلینز کے لشکرگاہ کو روانہ ہوے۔ (اسی ذخیرہ خوراک کی وجہ سے اس جنگ کا یہ نام مشہور ہوا) اہل برگنڈی پھر انگریزوں کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے اور آرلینز کی خندقوں میں صرف تین ہزار انگریز رہ گئے تھے۔ شہر مسلح آدمیوں سے بھرا ہوا تھا مگر چھ مہینے کے محاصرے کے دوران میں ایک بار بھی انہیں یہ جرأت نہ ہوئی کہ نکل کر حملہ کرتے۔ تمام فرانس پر خوف کا ایک سحر چھا گیا تھا اور ان مٹھی بھر انگریز محاصرین کی کامیابی تمام تر اسی پر منحصر تھی۔ جین

کے نمودار ہوتے ہی یہ طلسم ٹوٹ گیا' اس لڑکی کی عمر اس وقت صرف اٹھارہ برس کی تھی۔ اس کا قد کشیدہ' اور اس کا جسم سڈول تھا اور کاشتکارانہ نشو و نما کے جوش و قوت سے بھری ہوئی تھی وہ صبح سے شام تک بغیر کھائے پئے گھوڑے پر سوار رہ سکتی تھی۔ جب وہ ازسرتاپا سفید زرہ بکتر میں غرق اور سفید نرگسوں* سے مزین ایک بڑا جھنڈا اڑاتی ہوئی گھوڑے پر سوار چلتی تھی تو اس کی صورت اور اس کی باتیں سب آسمانی معلوم ہوتی تھیں۔ دس ہزار مسلح اشخاص جو مقام بلوئے سے اس کے ساتھ چلے تھے وہ بالکل ہی لٹیرے تھے اور ان کی دعا ہمیشہ لاہیر (انعام) ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے جین کے کہنے سے اپنی قسم کھانے کی عادت اور اپنی بیہودہ طرز معیشت کو ترک کردیا اور اپنے کوچ میں گرجے کے اندر جمع ہونے لگے' اس کی اوجڈ دہقانوں کی سی طبیعت نے ان وحشی سپاہیوں کو قابو میں رکھنے میں اُسے بڑی مدد دی' اس کے ہمراہی اپنے فرودگاہ میں رات کو آگ کے گرد بیٹھتے تو اُس بڈھے سپاہی پر ہنسا کرتے جو قسموں کے ترک کر دینے کے حکم سے اس قدر حیران و پریشان تھا کہ آخر جین نے اسے کندۂ بندوق کی قسم کھانے کی اجازت دے دی تھی۔ ان تمام شورانگیزیوں کے باوجود خوش فہمی نے کبھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑا' راستہ میں لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور اُس سے معجزات دکھانے کی خواہش کرتے تھے۔ صلیب و تسبیح اس کے پاس لاتے کہ چھو کر

* نوٹ۔ سفید نرگس فرانسیسی بادشاہت کے جھنڈے پر بطور نشان امتیاز کے تھے۔

ان میں برکت دے دے۔ اس نے ایک بڈھی عورت مارگیرٹ سے کہا
کہ "تم خود اسے چھوؤ تمہارے چھونے سے بھی وہی فائدہ ہوگا۔" لیکن
اپنے مقصد کے متعلق اس کا اعتقاد ہمہ وقت یکساں طور پر مستحکم رہا،
اس نے بڈفرڈ کو لکھا کہ "یہ لڑکی آپ سے التجا کرتی ہے کہ اب ۱۴۲۹
فرانس میں زیادہ تباہی نہ پھیلائیے بلکہ اس کے ساتھ شریک ہو کر
"مزار مقدس" کو ترکوں کے ہاتھ سے نکالئے۔" دیونوا جب آرلینز سے
نکل کر اس کے پاس آیا تو جین نے اس سے کہا کہ میں تمہارے
لئے وہ مدد لائی ہوں جس سے بڑی مدد کبھی کسی شخص کو نہیں
بھیجی گئی، میں آسمان کے بادشاہ کی طرف سے مدد لائی ہوں" جب
وہ آرلینز میں داخل ہوئی ہے تو محاصرین ہیبت زدہ اس کی
طرف دیکھتے رہے۔ شہر میں داخل ہو کر اُس نے گھوڑے پر
سوار دیواروں پر چکر لگایا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان محاصرہ
کرنے والے مہیب قلعوں کی طرف سے بالکل بے خوف وخطر
ہو جائیں۔ اس کے جوش کو دیکھ کر مذبذب سپہ سالاروں کو بھی غیرت
ہوئی کہ ان مٹھی بھر محاصرین کا مقابلہ کرنا چاہئے فوجوں کی اس نمایاں
غیر مساوات کا اثر فوراً محسوس ہوا، قلعوں پر یکے بعد دیگرے قبضہ ہوتا گیا
یہاں تک کہ صرف ایک قلعہ جو سب میں مستحکم تھا باقی رہ گیا اور
اس وقت مجلس جنگ نے حملے کے ملتوی کر دینے کا فیصلہ کیا، مگر جین نے
جواب دیا کہ "تم اپنی مشورت کر چکے اب میں اپنی مشورت کرتی ہوں"
مسلح لوگوں کو اپنی سرکردگی میں لے کر اس نے شہر کے دروازے کھلوائے
اور قلعے پر دھاوا کر دیا، انگریز اگرچہ بہت تھوڑے ہی تھے مگر انہوں نے

جنگ میں ایسی جانبازی دکھائی کہ جب جین دیوار پر چڑھنے کی کوشش میں زخمی ہوکر گری اور لوگ اس کو ایک تاکستان میں اٹھالے گئے تو ڈیونوا نے نقارہ بازگشت بجوا دیا' اس لڑکی نے بہت ہی اصرار کے ساتھ کہا کہ "ابھی ذرا توقف کرو' تم لوگ کھاؤ پیو اور اطمینان رکھو کہ جس وقت میرا علم دیوار کو چھوئے گا اسی وقت تم قلعہ میں داخل ہو جاؤ گے۔" آخرالامر علم دیوار تک پہنچا' اور حملہ آور قلعہ کے اندر داخل ہو گئے' دوسرے روز محاصرہ اٹھا لیا گیا اور محاصرین ترتیب کے ساتھ شمال کو پلٹ گئے۔ ان کامیابیوں کے باوجود جین کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہ بدستور دوزن کی ایک پاکباز اور رحمدل کسان لڑکی ہی رہی' آرلینز میں داخل ہونے پر وہ سب سے بڑے گرجا میں گئی اور وہاں جب وہ دعا کے لئے جھکی تو اس جوش و بیخودی کے ساتھ روئی کہ "تمام لوگ اس کے ساتھ رو دئے۔" میدان جنگ میں جب اس نے اول بار خونی منظر اور لاشوں کو ہر طرف پڑا دیکھا تو دو بارہ اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ پہلی بار زخمی ہونے پر وہ خوف زدہ ہوگئی اور اس خوف نسوانی کا اثر صرف اس وقت زائل ہوا جب اس نے بازگشت کی آواز سنی۔ جس پاک دامنی کے ساتھ اس نے ازمنہ وسطی کے جنگی لشکرگاہ کے لوگوں میں وقت گزارا ہے اس سے اس کے نیک صفات اور بھی نمایاں ہو جاتے ہیں' محض اپنی عزت کے خیال سے وہ سپاہیوں کا لباس زیب تن کرتی تھی۔ انگریزوں کے مغلظہ طعن و تشنیع کا حال سن کر وہ زار و قطار رونے لگی اور عالم بیخودی میں خدا کو اپنی پاکدامنی کی گواہی کے لئے پکارنے لگی۔ جب انگریز

سپاہی نے اس کے متعلق سب سے زیادہ ہتک آمیز باتیں کہیں تھیں جب وہ زخمی ہوکر اس کے قدموں پر گرا ہے تو جین نے اس سے باواز بلند کہا کہ "گلیسڈیل توبہ کر تو نے مجھے فاحشہ کہا تھا، مجھے تیری روح پر بہت ہی رحم معلوم ہوتا ہے۔" گر اپنے مقصد کے خیال میں اپنی ذات کا تمام خیال اس سے محو ہو گیا تھا، فرانسیسی سپہ سالاروں نے اس امر کی بیکار کوشش کی کہ وہ دریاے لوآر پر رکے رہیں، جین اپنے کام کو پورا کرنے کا عزم مصمم کر چکی تھی، انگریز حیران و پریشان پیرس کے گرد ہی رکے رہے اور وہ مقام ژیاں سے فوج لیکر براہ ٹرائیز ریمز کے دروازوں پر جا پہنچی۔ راستہ میں اس کی فوج کی تعداد برابر بڑھتی گئی۔ چارلس کی تاجپوشی کے بعد اس نے یہ سمجھ لیا کہ اس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اس نے چارلس ہفتم کے قدموں پر گر کر جانیکی اجازت چاہی اور کہا کہ "اے نیک بادشاہ خدا کی مرضی پوری ہو گئی" جب اسقف اعظم نے اسے رکنے پر مجبور کیا تو اس نے کہا کہ "کاش خدا کی یہ مرضی ہوتی کہ میں گھر جاتی اور پھر اپنے بھائی بہنوں کے ساتھ گلہ بانی کرتی۔ مجھے دوبارہ دیکھکر وہ بہت ہی خوش ہوتے"۔

جین کی موت

فرانسیسی دربار نے اپنے مفاد کے خیال سے اُسے روک لیا، اور اس اثنا میں شمالی فرانس کے شہروں کے دروازے یکے بعد دیگرے بادشاہ کے لئے کھلتے گئے۔ مگر بڈفرڈ کے پاس پہلے روپیہ اور آدمی نہیں رہے تھے، اب اسے بھی نئی امداد حاصل ہو گئی اور چارلس کو پیرس کی دیواروں کے سامنے پسپا ہونا پڑا۔ وہ دریاے لوآر کے عقب میں جا رہا، اور ادھر دریائے اوآز کے شہر پھر ڈیوک برگنڈی کے مطیع ہو گئے،

ان آخری لڑائیوں میں جین حسب معمول بہادری کے ساتھ لڑی۔ مگر یہ مضر خیال ہمہ وقت اس کے دامنگیر تھا کہ اس کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اور کامپیٹنی کی مدافعت کرتے ہوئے وہ بیسٹرڈ آف واندوم کے ہاتھ میں پڑ گئی۔ اس نے ڈیوک برگنڈی کے ہاتھ اور ڈیوک نے اسے انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا، انگریزوں کی نظر میں اس کی ظفریابیاں محض فتوحاتِ سحر کے نتیجے تھے۔ ایک برس قید رکھنے کے بعد انہوں نے جادوگری کے جرم میں اُسے ایک مذہبی عدالت کے روبرو حاضر کیا۔ اس عدالت کا صدر اسقف بووے تھا، بہت طول طویل کارروائی اختیار کی گئی اور ہر طرح پر یہ تدبیر کی گئی کہ باتوں ہی باتوں میں اسے پھانس لیا جائے؛ مگر اس روستائی لڑکی کی تیز فہمی کے آگے ججوں کی کچھ پیش نہ گئی۔ انہوں نے سوال کیا کہ "تم یقین رکھتی ہو کہ خدا کی رحمت تمہارے شامل حال ہے" جواب ملا کہ "اگر نہیں ہے تو خدا مجھے یہ رحمت عطا کرے۔ اور اگر ہے تو خدا اُسے قائم رکھے" انہوں نے یہ حجت نکالی کہ اس کے گرفتار ہو جانے سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے اُسے چھوڑ دیا ہے۔ اس نے نرمی کے ساتھ جواب دیا کہ "چونکہ خدا کی مرضی اسی میں ہے کہ میں گرفتار ہو جاؤں اس لئے یہی ہر طرح پر بہتر ہے" آخر انہوں نے پوچھا کہ "آیا تم مجاہدین مذہبی کے فیصلے کو قبول کرو گی" جین نے جواب دیا کہ "میں خدا کے حکم اور آسمان کے ظفرمند کلیسا کی طرف سے شاہ فرانس کے پاس آئی ہوں اور اسی کلیسا کی مطیع ہوں" اور اپنی گفتگو ان پُرجوش الفاظ پر ختم کی کہ "موت مجھے اس سے بدرجہا زیادہ پسند ہے کہ میں اس شے سے

رجوع کروں جسے میں نے خدا کے حکم سے انجام دیا ہے۔" پادریوں نے اسے عبادت میں شریک کرنا بند کر دیا۔ اس نے رو رو کر کہا کہ "خدا تمہاری مدد کے بغیر بھی میری دعا سُن سکتا ہے"، ججوں نے پوچھا کہ "کیا تمہارے سروش غیبی تمہیں کلیسا اور پوپ کی اطاعت سے منع کرتے ہیں"۔ نہیں ہرگز نہیں، مگر خدا کی فرمانبرداری کو مقدم بتاتے ہیں" عدالت اور مذہبی امداد کی محرومیت کے ساتھ جب مقدمہ کی کارروائی اس درجہ طول پکڑتی گئی اور سوال پر سوال ہونے لگے تو جَین کے استقلال میں لغزش کا پیدا ہوجانا کوئی تعجب انگیز امر نہیں تھا، جادوگری اور فتنہ انگیزی کے الزام پر وہ بدستور استقلال کے ساتھ خدا کو گواہ لاتی رہی۔ جب دنیادار ججوں نے اس کے خلاف حکم صادر کیا تو اس نے کہا کہ "میں اپنے حاکم آسمان و زمین کے بادشاہ کی جوابدہ ہوں۔ میں نے جو کچھ کیا ہے ہمیشہ خدا ہی کو اپنا مالک سمجھ کر کیا ہے۔ شیطان نے کبھی مجھ پر قابو نہیں پایا ہے" فوجی قیدخانے سے مذہبی قیدخانے کو منتقل ہو جانے کی غرض سے وہ اس پر راضی ہوگئی کہ حسب ظاہر جادوگری سے توبہ کرے، انگریزی سپاہیوں کے درمیان میں اُسے اپنی آبرو کا خوف تھا اور اسی لئے اس نے اول ہی سے مردوں کا لباس اختیار کر رکھا تھا، مگر کلیسا کی نظروں میں اس کا یہ لباس بھی ایک جرم تھا اور اس نے اس لباس کو ترک کر دیا، مگر جب لوگوں نے پھر چھیڑ چھاڑ شروع کی تو اس کے پاس کوئی چارہ بجز اس کے نہ تھا کہ وہ دوبارہ مردانہ لباس اختیار کرے مگر اُسکا ایسا کرنا دوبارہ ارتداد اختیار کرنے کے برابر سمجھا گیا اور اس پر موت کا فتویٰ صادر

ہو گیا؛ روآن کے بازار میں جہاں اب اس کا بت نصب ہے لکڑیوں کا ایک بڑا انبار لگایا گیا؛ وہ وحشی سپاہی بھی جو اس "جادوگنی" کو پادریوں کے ہاتوں سے چھین کر جلد جلد قتلگاہ کی طرف لے گئے تھے، انبار ہیزم پر پہنچ کر ساکت ہوگئے۔ ایک سپاہی نے یہاں تک کیا کہ اپنی چھڑی کی ایک بھدی سی صلیب بنا کر اسے دے دیا، جسے جین نے اپنے پہلو سے پیوست کرلیا، اس قتلگاہ سے جب اس نے شہر کو دیکھا تو لوگوں نے اسے یہ کہتے سنا کہ "آہ روآن۔ روآن!! مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تجھے میری موت کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے"۔ جب آخر وقت آیا تو وہ دفعتہً چلا اٹھی کہ "ہاں میری آواز، خدا کی آواز تھی؛ اس نے کبھی مجھے دھوکا نہیں دیا"۔ شعلے بہت جلد اس کے قریب تک پہنچ گئے اور لڑکی کا سر اس کے سینہ پر جھک گیا، ایک آواز آئی "یسوع" اور بس۔ جب اژدحام منتشر ہوا ہے تو ایک انگریز سپاہی آپ ہی آپ کہ رہا تھا کہ "اب ہمارا خاتمہ ہے۔ ہم نے ایک ولی کو جلا دیا ہے"۔

انتزاع فرانس

فی الحقیقت انگریزی صورت معاملات ناقابل تلافی حد کو پہنچ گئی تھی۔ اگرچہ پیرس میں خورد سال بادشاہ ہنری کی تاجپوشی نہایت شان و شوکت سے عمل میں آئی مگر بڈفرڈ نے اپنی دانشمندی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ فرانس پر مستقل قبضہ قائم نہیں رہ سکتا۔ اس امید کو خیرباد کہ کر اس نے اپنے بھائی کی ابتدائی تجویز کے موافق نارمنڈی کو محفوظ کرلینے پر اپنی کوششیں منحصر کردی تھیں۔ روآن میں ایک برس تک ہنری کا دربار قائم رہا، کان میں ایک دارالعلوم

جاری کیا گیا' دوسرے مقامات میں کیسی ہی کچھ لوٹ مار اور بدامنی
روا رکھی گئی ہو، مگر ان مورد عنایت صوبجات میں انصاف' عمدہ
نظم و نسق' ناموئی تجارت کا انتظام برابر مستحکم رہا۔ اسقف ونچسٹر کو
۱۴۲۶ء میں کارڈنل کا درجہ حاصل ہو گیا تھا اور ڈیوک گلوسٹر کی بیکار
کوششوں کے باوجود وہ شاہی کونسل کی توسط سے انگلستان پر اب ۱۴۳۱
پھر حکومت کرنے لگا تھا۔ اس نے انگلستان میں پوری مستعدی کے
ساتھ بڈفرڈ کا ساتھ دیا یہاں تک کہ جب وہ گلوسٹر کی سازشوں سے
کونسل سے خارج بھی کر دیا گیا اس زمانے میں بھی اس کی لاانتہا
دولت خالی شدہ شاہی خزانہ میں بیدریغ داخل ہو رہی تھی تاآنکہ
سلطنت کے ذمہ اس کا قرضہ پانچ لاکھ تک پہنچ گیا۔ اس نے بوہیمیا
کے پیروان ہس کی جنگ صلیبی کے لئے خود اپنے خرچ سے ایک
فوج تیار کی تھی مگر جب آرلینز کو فرانسیسیوں نے لے لیا تو اس نے
بلا تامل اس فوج کو بڈفرڈ کی مدد پر روانہ کر دیا۔ کارڈنل کی سیاسی
قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کئی بار اسکاٹلینڈ کو عارضی
صلح پر مجبور کر دیا اور محض اپنی ذاتی کوشش سے فرانس و برگنڈی
میں کسی طرح صفائی نہ ہونے دی مگر ۱۴۳۵ء میں ڈیوک برگنڈی
نے کسی نہ کسی طرح چارلس سے ایک باضابطہ معاہدہ کر لیا' اور
اس کے بعد ہی بڈفرڈ کا انتقال ہو گیا' جس سے انگریزی قوت
کو اور بھی سخت صدمہ پہنچ گیا۔ پیرس دفعتہً انگریزی فوج کے
خلاف ہو گیا اور شاہ چارلس کی طرفداری کا اعلان کر دیا' ہنری کی
مملکت صرف نارمنڈی اور بیرون افتادہ قلعجات پکارڈی اور مین تک

محدود ہو کر رہ گئی مگر باوجودیکہ مٹھی بھر انگریزی سپاہیوں کے مقابلہ میں ایک پوری مسلح فوج تھی پھر بھی انہوں نے وہی جانبازانہ جرأت دکھائی جو زمانۂ کامیابی میں دکھا چکے تھے۔ ان کا سب سے زیادہ جری سردار لارڈ ٹالبٹ، کروٹوا کی خلاصی کے لئے گلے گلے تک پانی میں چل کر سوم سے پار ہوا اور پانتواز کی خلاصی کے لئے اپنے آدمیوں کو پوری فرانسیسی فوج کے مقابلہ میں اواز کے پار اتار دیا۔ بڈفرڈ کے بعد ڈیوک یارک کارفرما مقرر ہوا۔ اس نے اپنی قابلیت سے کچھ مدت تک ناگوار صورتوں کے پیش آنے کو روکا مگر بادشاہ کے مشیر اس سے حسد کرنے لگے اور رفتار جنگ پر اس کا نہایت مہلک اثر پڑا۔ بادشاہ کے سن بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد ارل سفک مجلس پر حاوی ہو گیا تھا، اس نے صلح کے لئے ازسرنو کوشش شروع کی اور اسی وجہ سے بوفرٹ کو مجبوراً کنارہ کش ہونا پڑا، اور وہ ونچسٹر چلا گیا، ارل سفک نے آنژو کے ڈیوک رُنے کی لڑکی کے ساتھ اپنے آقا کی شادی کے لئے نامہ و پیام بھی جاری کر دیا، اس عقد کے معاوضے میں نہ صرف آنژو (جس کا اب کوئی حصہ انگلستان کے قبضہ میں نہیں رہا تھا) بلکہ نارمنڈی کا خاص قلعہ میں بھی ڈیوک رُنے کو دیدیا گیا، سفک اسے صلح کی تمہید خیال کرتا تھا مگر صلح کے شرائط اور تکمیل صلح کی تعویق کی وجہ سے جنگی فریق کو بسرکردگی گلوسٹر ازسرنو قوت حاصل ہو گئی۔ اس خطرے کا
۱۴۴۷ انسداد نہایت سختی کے ساتھ کیا گیا، گلوسٹر پارلیمنٹ کو جاتے ہوئے خفیہ سازش کے الزام پر گرفتار کر لیا گیا، اور چند روز بعد وہ اپنی آقاگاہ

میں مردہ پایا گیا، مگر جو مشکلات اس نے پیدا کردئے تھے ان سے سنگ کے نامہ و پیام میں دشواریاں پیش آگئیں۔ اور اگرچہ چارلس نے تہدید جنگ سے لمان کو لے لیا مگر صلح کے شرائط بیشتر پورے نہیں کئے گئے۔اب کسی قسم کی جد و جہد محض بیکار تھی۔دوبارہ جنگ جاری ہونے سے دو ماہ کے اندر اندر نارمنڈی کا نصف حصہ دیونوا کے ہاتھ میں تھا۔روآن اپنے کمزور محافظین کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے دروازے چارلس کے لئے کھول دئے اور مقام فوری نی ای میں ایک انگریزی فوج کا شکست کھا جانا صوبے کے تمام باقی حصے کے لئے بغاوت کا اشارہ ہو گیا۔سنہ ۱۴۵۰ء میں شیربورگ کے مفتوح ہو جانے سے نارمنڈی کی چپہ بھر زمین بھی ہنری کے پاس باقی نہیں رہی، اور دوسرے سال امارت گی این کا آخری ٹکڑا بھی جاتا رہا۔ٹالبٹ (ارل شروسبری) کے تحت میں ایک انگریزی فوج کے آجانے سے صوبہ گیسکنی البتہ انگریزی فوج کا طرفدار ہوگیا۔ارل کی امداد کے لئے پارلیمنٹ نے بیس ہزار آدمیوں کی منظوری دی تھی مگر قبل اس کے کہ وہ آبنائے کو عبور کرسکیں پوری فرانسیسی فوج

۱۴۵۳ یک بیک شروسبری کے مقابل آپڑی فرانسیسی فوج کی توپوں نے ارل کے سپاہیوں کا بھراؤ کردیا۔ارل خود بھی میدان جنگ میں کام آیا، قلعہ پر قلعہ فتح ہوتا گیا اور آخرکار انگریز ہمیشہ کے لئے سرزمین فرانس سے خارج کردئے گئے، جنگ صد سالہ کا خاتمہ ہوا نہ اس طرح کہ صرف اڈورڈ سوم کے وقت سے لے کر اس وقت تک کے تمام عارضی فتوحات باستثنائے کیلے ضائع ہو گئے بلکہ وہ بڑا جنوبی صوبہ بھی جاتا رہا

جو اس کی ڈچیز الی اے نر اور ہنری دوم کے عقد کے زمانے سے برابر انگریزوں کے قبضے میں رہا تھا، اور فرانس جنگ کے قبل جس قدر قوی تھا اختتام جنگ پر اس سے بدرجہا زیادہ قوی ہو گیا۔

"حاشیہ ناظر مذہبی" جین آف آرک میں جو ایک نوجوان لڑکی تھی اپنی قوم کی تباہ حالت دیکھ کر ایک غیر معمولی جوش کا پیدا ہونا اور اس کا اثر ایسی فوج میں جس کی تعداد دشمن کی فوج سے زیادہ بھی ہو جانا ایسی بات نہیں تھی کہ فاتحین اس کو ولیہ اور ملہمہ سمجھیں اور مفتوحین اس کو ساحرہ خیال کریں۔ ممکن ہے کہ اس قصہ کے بیان کرنے میں مبالغہ اور رنگ آمیزی بھی شامل ہو۔ مگر اس زمانہ میں جو خیالات اہل یورپ کے تھے وہ اس قصہ سے اچھی طرح سمجھ میں آ سکتے ہیں۔"

جزو دوم

گلابوں والی لڑائی

۱۴۵۰ - ۱۴۷۱

ماخذ۔ جس آخری عہد کا اس کے قبل ذکر ہو چکا ہے۔ اس کے سوا اور کوئی عہد تاریخی اسناد کے اعتبار سے اس عہد سے جو زیر بحث ہے زیادہ ناقص نہ ہوگا

اس عہد کے لئے بھی ولیم (ورسٹر) فیبین اور کرولینڈ کا مختتم وقائع کارآمد ہیں۔ وارک اور اڈورڈ کے مناقشے کے لئے داستان آمد اڈورڈ چہارم The Arrival of Edward IV مرتبہ کیمڈن سوسائٹی ایک سرکاری قابل قدر بیان سمجھا جاتا ہے، مکتوبات پیسٹن (The Paston Letters) مرتبۂ گیرڈنر انگریزی تاریخ میں خاندانی مراسلت کی پہلی مثال ہے۔ اور اس وقت کی تاریخ معاشرت پر اس سے بہت روشنی پڑتی ہے۔ مسٹر ڈیورنٹ نے دو مضمونوں میں کیڈ کی بغاوت کو مفصلاً بیان کیا ہے یہ دونوں مضمون دوبارہ چھپ گئے ہیں۔ (صحائف پارلیمنٹ Rolls of Parliament بدستور سابق نہایت ہی مفید ہیں) -

بغاوت کیڈ فرانس کے ساتھ اس جنگ عظیم کے مصیبت انگیز نتیجے سے تمام انگلستان کا غصہ اس ملعون حکومت کے خلاف بھڑک اٹھا، جس کی کمزوری و کج فہمی سے یہ صورت پیش آئی تھی، سفک پر مقدمہ قائم کیا گیا اور بحالت جلاوطنی سمندر پار جاتے ہوئے اُسے قتل کر دیا گیا۔ اسقف چچسٹر ملاحوں کی تنخواہیں ادا کرنے کے
۱۴۴۹ لئے پورٹسمتھ بھیجا گیا تھا۔ اس نے ان کی تنخواہ سے کچھ کم دے کر انہیں ٹالنا چاہا، وہ سب کے سب اس پر ٹوٹ پڑے اور اُسے وہیں مار ڈالا، کنٹ اس زمانہ کا ایک بڑا صنعتی علاقہ تھا، اس کی آبادی بہت کاروباری تھی، اور سنک پورٹس کی قزاقیوں کے باعث مخاصمات فرانس سے اُسے خاص تعلق تھا، اس کے ہر گھر سے غنیمت جنگ کے کچھ نہ کچھ آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اس صلح سے وہاں بددلی پھیلی اور بددلی نے کھلی بغاوت کی شکل اختیار کر لی، کنٹ سے گزر کر سرے اور سسکس تک شورش پھیل گئی، تینوں ضلعوں کے اراضی داروں کی ایک فوج ترتیب دی گئی جس میں سو سے زائد اعیان و شرفا

بھی شریک تھے۔ سسکس کے دو بڑے زمیندار یعنی بیٹل کا رئیس خانقاہ اور لیوئس کا صاحب صومعۂ علانیہ ان کے طرفدار ہوگئے تھے، جان کیڈ جسے بہ حیثیت ایک سپاہی کے فرانسیسی لڑائیوں میں کچھ تجربہ حاصل ہوگیا تھا، مارٹیمر کا معزز نام اختیار کر کے ان لوگوں کا سرگروہ بن گیا، فوج کی جمعیت جب بیس ہزار آدمیوں تک پہنچ گئی تو یہ لوگ بلیکہیتھ کی جانب روانہ ہوئے۔ عوام کنٹ کے جو شکایات ان لوگوں نے مجلس شاہی کے روبرو پیش کئے تھے وہ بہت قابل قدر ہیں کیونکہ ان سے اس وقت کے رعایا کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ تمام مطالبات میں مذہبی اصلاح کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ سنہ ۱۴۵۰ء کے اس شکایت نامہ میں غلامانہ و نیم غلامانہ حالت کا ذکر تک نہیں ہے۔ آخری بغاوت مزارعین کے بعد اس ستر برس کے اندر اندر ترقی معاشرت کے باعث پہلے ہی اراضی کے ساتھ پابند ہونے کا غلامانہ دستور از خود اٹھ گیا تھا۔ "قوانین لباس" (جو اس وقت سے کتاب قانون پر ایک بار ہو گئے ہیں) مزدوروں اور کسانوں کے لباس کو چھوٹا کرنے پر زور دیتے ہیں، مگر اسی سے اُن طبقات کی خوشحالی و ثروت کی ترقی کا ثبوت ملتا ہے؛ اور خود ان قوانین کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس قدر مزدوری بڑھتی گئی کسان اور مزدور باوجود قوانین امتناعی کے اسی قدر اعلیٰ درجہ کی پوشاک اختیار کرتے گئے۔ اس موقع پر عوام نے جو تجاویز پیش کئے تھے ان میں صرف قانون مزدوران کے منسوخ کر دینے کی ایک

جون سنہ ۱۴۵۰ء

تجویز معاشرت سے تعلق رکھتی تھی، ورنہ باقی سب تجاویز امور سیاسی سے متعلق تھے۔ اس "شکایت نامہ" میں انتظامی، اقتصادی اصلاح، وزارت کے تغیر، شاہی آمدنی کے اخراجات کے انضباط اور زائل شدہ آزادی انتخاب کی بحالی پر زور دیا گیا تھا، مجلس شاہی نے اس "شکایت نامہ" کے قبول کرنے سے انکار کردیا، مگر اس کے بعد ہی اہل کنٹ کو شاہی فوجوں پر بمقام سیون آوکز فتح حاصل ہوگئی، بائی لنڈن میں داخل ہوگئے۔ اور شاہی وزرا میں سب سے زیادہ نفرت زدہ وزیر لارڈ سے کو پھانسی دیدی، اس کارروائی سے دوسرے وزیروں کی ضد ٹوٹ گئی، اور انہوں نے شکایت نامہ کو قبول کرلیا شورش کے تمام شرکائے کار کو معافی دی گئی۔ اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ کیڈ نے یہ کوشش کی کہ انہیں بدستور مسلح رکھے، مگر جب اس میں اسے ناکامی ہوئی، تو اس نے جیلخانے توڑ کر ایک نئی فوج تیار کرنا چاہی، لیکن یہ لوگ آپس ہی میں لڑ پڑے۔ اور خود کیڈ، سسکس کی طرف بھاگتے میں غیرف (ناظم) کنٹ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ "شکایت نامہ" بالائے طاق رکھ دیا گیا۔ اور ان شکایات کے رفع کرنے کی کسی قسم کی کوشش نہیں کی گئی۔ اور ڈیوک سمرسٹ جو نفرت عامہ کا خاص کر کے سزاوار تھا وہی شاہی مجلس کا صدر بن گیا۔

بوفرٹ (ڈیوک سمرسٹ، جان (اگانٹ)، اور اس کی بیوی کیتھرن سونفورڈ کی اولاد میں ہونے کے اعتبار سے خاندان لنکیسٹر کی ایک چھوٹی سی شاخ کا قائم مقام تھا، ہنری چہارم نے

جس قانون کی رو سے اس شاخ کو جائز قرار دیا تھا، اسی کی ایک دفعہ کے بموجب ان کے لئے وراثت تخت کا استحقاق باطل کردیا گیا تھا، مگر ہنری ششم کے لاولد ہونے کی وجہ سے بوفرٹ کے دل میں نئی امیدیں پیدا ہوگئیں تھیں۔ اس کا رقیب ڈیوک یارک خاندانہائے یارک، کلیرنس اور مارٹیمر کا وارث تھا، اور اڈورڈ سوم کے ساتھ دہرے دہرے نسب پر اسے خاص فخر تھا، دوسرے دعووں کے علاوہ جنہیں ظاہر کرنے سے یارک ابھی رکتا تھا، اسے یہ بھی دعوے تھا کہ اڈورڈ کے فرزند پنجم اڈمنڈ (لینگلی) کے اولاد میں ہونے کے سبب سے وہ تخت کا آئندہ وارث سمجھا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کا میلان بھی اسی کی طرف تھا مگر ۱۴۵۳ء میں خود بادشاہ کے یہاں لڑکا پیدا ہوگیا، اور اس سے یہ یقین ہوگیا کہ اب ولیعہدی کے خرخشے مٹ جائینگے۔ لیکن اسی زمانے میں ہنری خلل دماغ کی وجہ سے حکومت کے بالکل ناقابل ہوگیا، اور یارک سلطنت کا "محافظ" مقرر کردیا گیا، اس نے اپنے رقیب ڈیوک سمرسٹ پر مقدمہ دائر کرکے اسے ٹاور (برج) میں قید کردیا، مگر ہنری کی بحالی صحت کے بعد سمرسٹ کو پھر طاقت حاصل ہوگئی، اور ملکہ نے بذات خاص نہایت مستعدی و جسارت سے اس کی تائید شروع کردی، یارک نے فوراً ہی ہتیار اٹھائے اور خاندان نیول کے سرگروہ ارل سالسبری اور ارل وارک نے اس کی پشت پناہی کی، وہ تین ہزار آدمی لے کر ہنری کی فرودگاہ سنٹ آلبنز کی طرف بڑھا۔ شہر پر اس کا حملہ کامیاب رہا۔ ۱۴۵۵

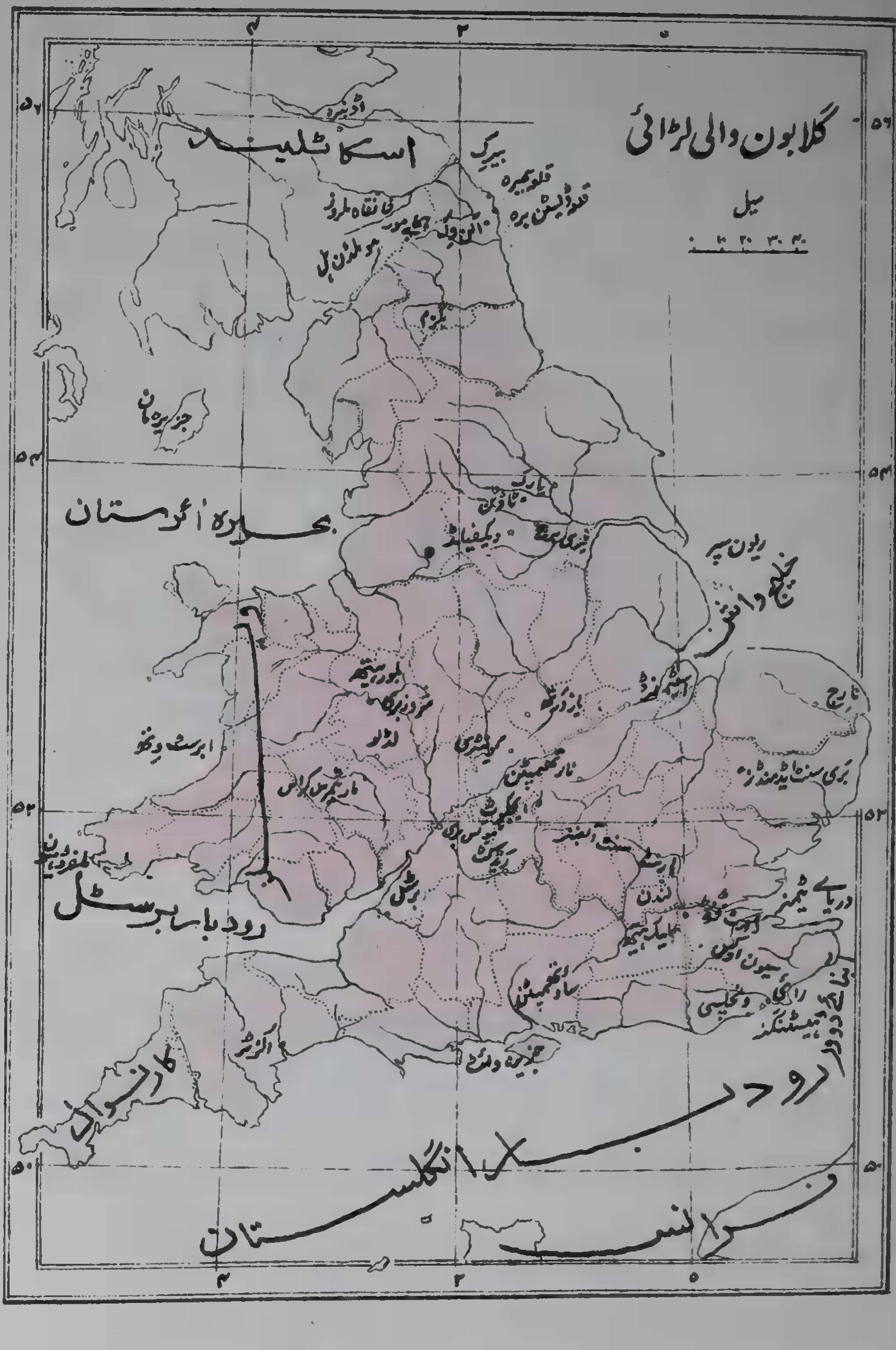
اور سمرسٹ کے انتقال سے اس کامیابی کا اثر اور بھی زیادہ ہوگیا۔
۱۴۵۵ء بادشاہ کی علالت نے پھر عود کیا اور یارک دوبارہ "محافظ ملک" مقرر ہوگیا، مگر ہنری کے صحت پانے پر خاندان بوفرٹ کو بدستور سابق غلبہ حاصل ہوگیا، اور دونوں فریق میں کچھ دنوں مصالحت رہنے کے بعد ازسرنو جنگ چھڑگئی۔ سالسبری نے لارڈ آڈلی کو بلورہیتھ میں شکست دی اور یارک نے ان دونوں ارلوں کی معیت میں بمقام لڈلو اپنا علم بلند کیا؛ بادشاہ بھی بہ استعجال تمام باغیوں کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا، مگر کوئی نتیجہ خیز جنگ نہ ہوسکی، کیونکہ یارک کی فوج کا کچھ حصہ تو اسے چھوڑ کر بھاگ گیا اور باقی حصہ منتشر کردیا گیا۔ ڈیوک خود آئرلینڈ کی طرف نکل بھاگا، اور ارل نے کیلے کی طرف راہ فرار اختیار کی۔ ادھر ملکہ نے کونٹری میں ایک پارلیمنٹ جمع کرکے ان کے خلاف اٹینڈر یا مخصوص قانون تعزیر پاس کرنے پر زور دیا، اسباب کچھ بھی ہوں مگر یہ حالت محض عارضی تھی، دوسرے ہی سال وسط گرما میں دونوں ارل پھر کنٹ میں وارد ہوگئے اور صوبے میں عام بغاوت برپا ہوگئی۔ باغیوں کو لئے ہوئے وہ لندن میں داخل ہوئے اور یہاں بھی شہریوں نے جوش و خروش کے ساتھ ان کا استقبال کیا، بمقام نارتھیمپٹن فریقین میں ایک سخت جنگ ہوئی اور شاہی فوج نے ہزیمت اٹھائی۔ مارگریٹ اسکاٹلنڈ کو بھاگ گئی، اور ہنری ڈیوک یارک کے ہاتھ میں قید ہوگیا،

جنگ نارتھیمپٹن

یارک، اڈمنڈ، (لینگلی) کی اولاد میں ہونے کے سبب سے

گلاب لڑائی

بظاہر تاج کا وارث سمجھا جاتا تھا، مگر ہنری کے ہاں لڑکا پیدا ہو جانے سے اس کی یہ حیثیت زائل ہو گئی تھی، نارتھیمپٹن کی فتح سے وہ ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا، اور جن فتنہ انگیز دعووں کو وہ دلمیں پوشیدہ کئے ہوئے تھا، اب بلا تامل ان کا اظہار کرنے لگا، ہنری اور اس کی ملکہ کو پہلے ہی سے اس کا علم تھا اور یہی وجہ ان کے بغض و عداوت کی تھی۔ (لینگلی) کی اولاد میں ہونیکے اعتبار سے وراثت میں یارک کا درجہ خاندان لینکسٹر کے بعد تھا، مگر جان (گانٹ) کے بڑے بھائی لایونل کی اولاد میں ہونے کے باعث سے اس کا حق وراثت خاندان لینکسٹر سے قطعاً متقدم تھا، اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح لایونل کا استحقاق خاندان مارٹیمر کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ این خاندان مارٹیمر کی بیگم نے ڈیوک کے باپ سے عقد کر لیا تھا اور اسی عقد کے سبب سے یہ حق ڈیوک کی طرف منتقل ہوا تھا، پارلیمنٹ نے اس حق کو باطل کر دیا تھا، مگر اس کے باطل کرنے کی کوئی آئینی بنا نہیں تھی کہ کیوں بڑے بھائی کے سلسلہ کو ترک کر کے وراثت چھوٹے بھائی کے سلسلہ کی طرف منتقل کر دی جائے پارلیمنٹ کے جس قانون نے خاندان لینکیسٹر کو تخت نشیں کیا، اس نے صاف طور پر خاندان مارٹیمر کے حق کو باطل کر دیا تھا، قبضہ بجائے خود اہل یارک کے ادّعا کے خلاف تھا، جدید خیال کے موافق ان کے دعویٰ کا بہترین جواب خود ہنری کے یہ الفاظ ہیں، کہ "میرا باپ بادشاہ تھا، اُس کا باپ بھی بادشاہ تھا، بچپن سے اس وقت تک میں خود چالیس برس سریر آرائے


گلابوں والی لڑائی
میل
اسکاٹلینڈ
بحیرہ آئرستان
جزیرہ مان
خلیج واش
رود بار برسٹل
لندن
دریائے ٹیمز
جزیرہ وائٹ
کارنوال
رود بار انگلستان
فرانس

حکومت رہا ہوں۔ تم سب نے مجھے بادشاہ تسلیم کر کے میری وفاداری کا حلف اٹھایا ہے۔ تمہارے بزرگوں نے بھی اسی طرح میرے بزرگوں کی وفاداری کا حلف اٹھایا تھا، پس اب میرے استحقاق کے متعلق کسی قسم کی بحث و حجت کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔" مدت دراز تک بے خلل قبضہ، نیز پارلیمنٹ کا آزادانہ قانون خاندان لینکسٹر کی تائید میں تھا، مگر لولارڈون پر ظلم و تعدی، انتخابات میں مداخلت، جنگ کی بدنامی سالہا سال کی بدانتظامی، متخاصم فریق کی مسلسل جنگ آزمائیاں یہ تمام باتیں ایک کمزور و ازکار رفتہ بادشاہ کے حق میں سم قاتل ثابت ہو رہی تھیں، طبقہ تجار کی روش سے ظاہر تھا، کہ حکومت کی خرابیاں کس قدر بڑھی ہوی تھیں، نارتھمپٹن کی فتح سلطنت کے سب سے بڑے تجارتی ضلع کنٹ کی شورش ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، اس کے بعد سے اس کشمکش کے دوران میں لندن اور تمام بڑے بڑے تجارتی شہر برابر خاندان یارک کے جانب دار رہے، اہل لینکسٹر کی طرفداری کا جوش صرف ویلز، شمالی انگلستان اور جنوب و مغرب کے اضلاع میں پایا جاتا تھا، یہ خیال کرنا قیاس مع الفارق ہے کہ چیپسائڈ کے چالاک تاجروں پر وراثت کے حق و ناحق ہونے کا اثر پڑا تھا اور اکثر اہل ویلز اس وجہ سے لینکسٹر کے طرفدار تھے کہ وہ پارلیمنٹ کے طے کردہ سلسلہ جانشینی کی تائید کر رہے تھے۔ مگر ڈیوک یارک کے مجبور ہو کر پارلیمنٹ کی طرف رجوع کرنے اور اپنے دعوے کو درخواست استحقاق کے طور پر امرا کے روبرو پیش کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب پارلیمنٹ نے کس قدر قوت حاصل کر لی تھی۔ ڈیوک کی دلیل یہ تھی کہ اس کا

موروثی حق نہ حلف سے باطل ہو سکتا ہے اور نہ ان کثیر التعداد قوانین سے جو خاندان لینکیسٹر میں انتقال تاج کا باعث ہوئے۔ بیرنوں نے کراہیت کے ساتھ اس درخواست کو قبول کیا اور بخیال خود اس مسئلہ کو تراضی باہمی سے طے کیا۔ انہوں نے بادشاہ کو تخت سے اتارنے سے انکار کر دیا اور چونکہ انہوں نے اس کے لڑکے کی اطاعت کا حلف نہیں اٹھایا تھا، اس لئے وہ اس امر پر رضامند تھے، کہ ہنری کے بعد ڈیوک کو تاج کا وارث تسلیم کریں۔ مگر یارک کے دعوی کے اس طرح علانیہ ظاہر ہو جانے سے شاہی خاندان کے ہوا خواہ فوراً متحد ہو گئے اور اہل شمال لارڈ کلیفرڈ کے گرد اور اہل مغرب ڈیوک سمرسٹ کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے۔ یہیں سے اس مہیب کشمکش کا آغاز ہوا جو گلابوں والی لڑائی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہوئی، کہ خاندان یارک کا نشان سفید گلاب اور خاندان لینکیسٹر کا نشان سرخ گلاب تھا۔ ڈیوک یارک بہت ہی تھوڑی سی فوج لیکر لارڈ کلیفرڈ کے مقابلے کے لئے بعجلت تمام روانہ ہو گیا اور ویکفیلڈ میں شکست کھا کر مارا گیا۔ (جنگ ویکفیلڈ) اس خانہ جنگی کے میدان میں غضب کی آگ بھڑک اٹھی، ارل سالسبری بھی اس کے بعد ہی بہت جلد قتل کر دیا گیا، اور کہا جاتا ہے کہ ڈیوک رچرڈ کے سر بریدہ پر تمسخر سے کاغذ کا ایک تاج پہنا کر یارک کی دیوار پر رکھ دیا گیا، اس کا دوسرا بیٹا لارڈ رٹلینڈ رحم رحم کہتا ہوا کلیفرڈ کے سامنے گھٹنوں کے بل گر پڑا، مگر اس وحشی بیرن نے یہ کہکر اس نوعمر رئیس کے سینے میں خنجر اتار دیا کہ "جس طرح تمہارے

باپ نے میرے باپ کو مارا ہے اسی طرح میں تمہیں مارتا ہوں" سنٹ آلبنز میں جب جنگ کا آغاز ہوا ہے، اس وقت سب سے پہلے کلیفرڈ کا باپ ہی کام آیا تھا، کلیفرڈ کا یہ ظالمانہ فعل بلا انتقام نہیں رہ سکتا تھا بہت جلد اسے اس کا عوض ملنے والا تھا، ڈیوک رچرڈ کا سب سے بڑا بیٹا اڈورڈ، (ارل مارچ) بہت تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف سے بڑھا اور مارٹیمرز کراس پر اہل لینکیسٹر کے ایک دستے کو شکست دیکر دلیرانہ لندن پر آ پڑا۔ ادھر ارل وارک کے تحت میں کنٹ والوں کی ایک فوج نے لینکیسٹر کی فوج کو دارالحکومت پر بڑھنے سے روکدیا۔ مگر سنٹ آلبنز پر ایک جانبازانہ جد وجہد کے بعد رات کی تاریکی میں طرفداران یارک کی فوج خود منتشر ہوگئی اور فتح لینکیسٹر والوں کے ہاتھ رہی۔ فاتحین اگر فی الفور بڑھ گئے ہوتے تو جنگ کا خاتمہ ہو جاتا مگر ملکہ مارگریٹ اپنی فتح پر ظالمانہ خونریزی کا داغ لگانے کے لئے ٹھہر گئی۔ جاہل شمالی اس کی فوج کا حصہ غالب تھے وہ لوٹ مار

۱۴۶۱ میں مشغول ہو گئے۔ اڈورڈ لندن کے سامنے جا پہنچا۔ اہل شہر اس کی طلب پر جمع ہو گئے اور جب یہ خوبصورت نوجوان سڑکوں سے ہوکر گذر رہا تھا تو ہر طرف سے آوازیں آرہی تھیں کہ "شاہ اڈورڈ کی عمر دراز"۔ فوراً ہی یارک کے طرفدار امرا کی ایک مجلس طلب کی گئی اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ پارلیمنٹ کی قرارداده مصالحت باقی نہیں رہی اور خاندان لینکیسٹر کا بادشاہ ہنری بادشاہت سے معزول کر دیا گیا، لیکن اب آخری فیصلہ کا انحصار پارلیمنٹ پر نہیں بلکہ تلوار پر تھا، لندن سے مایوس ہوکر لینکیسٹر کی فوج بہت جلد شمال کے طرف پلٹ پڑی اور

اڈورڈ بھی بڑے زوروں میں اس کے تعاقب میں چلا +

میدان ٹاؤٹن
ٹیڈکیسٹر کے قریب، میدان ٹاؤٹن میں، دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ فوجوں کی تعداد اور مقاتلہ کی شدت کے اعتبار سے جنگ سنلیک کے بعد سے ایسی لڑائی انگلستان میں نہیں ہوئی تھی۔ دونوں فوجوں کی مجموعی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تک پہنچی تھی، باوجود سخت

۲۹۔ مارچ ۱۴۶۱
برف باری کے اہل یارک نے دن نکلتے ہی بڑھنا شروع کر دیا۔ چھ گھنٹے تک جنگ کا زور رہا اور فریقین نے جانبازانہ داد مردانگی دی، وارک نے ایک نازک موقع پر دیکھا کہ اس کے آدمیوں میں کچھ لغزش پیدا ہو گئی ہے۔ اس نے ان کے روبرو اپنے گھوڑے کو خنجر مار دیا اور اپنے دستہ شمشیر کی صلیب پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ یا فتح حاصل کروں گا یا میدان ہی میں جان دیدونگا۔ نارفک کے ایک تازہ دم فوج کے ساتھ آجانے سے جنگ کی صورت حال بدل گئی، اور آخرالامر اہل لینکیسٹر دب نکلے، اُنھوں نے پلٹنا چاہا، مگر ان کی پشت پر ایک دریا واقع تھا اور اس وجہ سے ان کی مراجعت ہزیمت سے مبدل ہو گئی، چونکہ جانبین میں سے کوئی کسی کو پناہ نہیں دیتا تھا۔ اس لئے قتل و فرار تمام رات اور دوسرے دن تک جاری رہا۔ اڈورڈ کے نقیب نے لینکیسٹر والوں کی بیس ہزار لاشیں میدان میں شمار کیں، خود فاتحین کا نقصان بھی اس سے کم نہیں ہوا تھا، مگر ان کا غلبہ ہر طرح پر کامل ہو گیا، ارل نارتھمبرلینڈ مارا گیا۔ ارل ڈیون شائر اور ارل ولٹ شائر گرفتار ہو کر قتل

ہوے، ڈیوک سمرسٹ ملک سے باہر بھاگ گیا، ہنری نے خود مجبور ہوکر مع ملکہ سرحد کے پار جاکر اسکاٹلینڈ میں پناہ لی، خاندان لینکیسٹر کے اثر کا خاتمہ ہوگیا، اور ٹاؤٹن کی فتح سے انگلستان کا تاج اڈورڈ (یارک) کی طرف منتقل ہوگیا، جو امرا و رؤسا اب تک خاندان لینکیسٹر کے حامی تھے وہ بھی ضبطی جائداد کے قانون سے تباہ و برباد کردے گئے، مارگیرٹ نے کچھ جد و جہد کی مگر اس کا نتیجہ صرف یہ ہوا، کہ اس کے حمایتی نئی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے۔ شمال کی
۶۳ء نئی بغاوت کو ارل وارک نے پامال کردیا، ایک شاعرانہ افسانے سے اس زمانے کی پریشانی کا یہ حال معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ یہاں سے فرار کرکے رہزنوں کے ایک غول سے بڑی مشکلوں سے بچ کر نکلی ہی تھی کہ جنگل کے اندر ایک دوسرے گروہ نے اُسے گھیر لیا۔ مایوسی نے اس میں جرأت پیدا کر دی، اور اُس نے اپنے لڑکے کو ان کے حوالہ کرکے کہا کہ "میں تمھارے بادشاہ کے لڑکے کو تمھاری وفاداری کے اعتماد پر چھوڑتی ہوں، قزاقوں پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انھوں نے مارگیرٹ اور اس کے بچے کو سرحد پار پہنچا دیا۔ مگر ہنری ایک نئی بغاوت میں بمقام ہیگزم شکست کھاکر اِدھر اُدھر بے یار و مددگار پھرتا رہا، اور آخرکار لوگوں نے دغا دے کر اُسے دشمنوں کے پنجہ میں پھنسا دیا، اس کے پاؤں رکاب سے باندھ دے گئے اور تین بار اُسے چکر دے کر ایک قیدی کی طرح ٹاور (برج) کو روانہ کردیا گیا۔

طبقۂ بیرن کے زوال، خاندانہائے اُلا بر کے انقراض، اور بادشا

بڑی بڑی جاگیروں کے ٹکڑے ہو جانے سے نظام جاگیری فی الواقع برباد ہو چکا تھا، مگر ٹاؤٹن کے بعد کے چند سال میں جو قوت اُسے حاصل ہو گئی ایسی قوت اسے کبھی پہلے نہیں حاصل ہوئی تھی، بیرنوں کے عام طور پر پریشان ہو جانے سے ایک خاص خاندان کو جو ہمیشہ سے اپنے ہمسروں میں سربلند رہتا آیا تھا، بہت عروج حاصل ہو گیا، لارڈ وارک نسباً سالسبری کا رئیس اور اس امیر کبیر کا بیٹا تھا، جس کی امداد سے خاندان یارک کو تخت نصیب ہوا تھا، اس نے خاندان بیچم کی ایک رئیسہ سے عقد کرکے اپنی دولت اور اپنے اثر کو دوچند کر لیا تھا، خاندان یارک کی خدمت کے عوض میں لینکسٹر والوں کی ضبط شدہ جائدادوں سے اسے بہت ہی فیاضانہ انعامات عطا ہوئے، اور سلطنت کے اعلیٰ ترین عہدہ پر اس کا تقرر ہو گیا۔ وہ کیلے کا کپتان، آبنائے کے بیڑے کا امیر البحر اور مغربی سرحدوں کا وارڈن (محافظ) بنا دیا گیا، اس کی ذاتی طاقت کو خاندان نیول کی سرگروہی سے مزید تقویت حاصل ہو گئی تھی۔ شمالی سرحد کی سپہ سالاری اس کے بھائی لارڈ مانٹیگو کے ہاتھ میں تھی، جسے بطور غنیمت نارتھمبرلینڈ کی ضبط شدہ امارت اور اپنے موروثی رقیب پرسیون کی جائدادیں مل گئی تھیں۔ اس کا چھوٹا بھائی، جارج نیول یارک کے اسقف اور لارڈ چانسلر کے عہدے پر ممتاز کر دیا گیا، اس کے چچا لارڈ فالکنبرگ لارڈ ابرگیونی اور لارڈ لیٹمر کو بھی کمتر درجے کے انعامات ملے۔ دولت اور اعزاز کے اس طرح جمع ہو جانے سے ارل کو

بہت بڑی طاقت حاصل ہو گئی تھی، اور اپنی اس طاقت سے اس نے خوب ہی کام لیا، بظاہر وارک نظام جاگیر کا پورا نمونہ معلوم ہوتا تھا، وہ اپنی ہی ریاست سے اپنی طلب پر فوجیں جمع کر سکتا تھا، چھ سو مسلح خدام اس کے جلو میں پارلیمنٹ کو جاتے تھے، ہزارہا وابستگانِ دولت اس کے گھر کے صحن میں کھانا کھاتے تھے۔ مگر ان تمام شان و شکوہ ظاہری پر بھی اس کے دل میں نظام جاگیر کی مطلق وقعت نہ تھی، وہ اگرچہ جنگ میں نہایت ہی مستعد و بے رحم تھا مگر اس کے دشمن اس کی ذاتی شجاعت کے منکر تھے، جنگ میں اُسے خود لڑنا نہیں، بلکہ لڑانا آتا تھا، فی الحقیقت اس کی سپاہ گری اس کی سیاسی قابلیت کے ہم پلہ نہیں تھی، اسے جن باتوں میں کمال تھا وہ سازش، غداری، فتنہ گری تھی، وہ بے تامل ایک طرف سے دوسری طرف ہو جاتا تھا، جس نو عمر بادشاہ کو اس نے تخت پر بٹھایا تھا وہ ارل کے مقابلہ میں صرف ایک پختہ کار سپہ سالار ہی نہیں بلکہ ایک ایسا مدبر ثابت ہوا۔ جس کی چابکدستی و تیز فہمی کا گہرا اور دیرپا اثر معاملات ملکی پر پڑا۔ تخت نشینی کے وقت اڈورڈ کی عمر صرف انیس برس کی تھی، وارک اس کا چچا زاد بھائی تھا، اور اس کے تازہ خدمات اس کے سفارشی تھے۔ ان وجوہ سے ابتدا میں تین برس تک وارک سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رہا، مگر جنگ ہیگزم میں جب ہنری کی کامل بتاہی سے اس کی طرف سے ہمیشہ کیلئے اطمینان حاصل ہو گیا، اسیوقت سے

۱۴۶۴ ارل اور نوجوان بادشاہ کے درمیان دل ہی دل میں کشمکش
شروع ہو گئی۔ اڈورڈ نے پہلا کام یہ کیا کہ عین اس وقت
جبکہ وارک، فرانس میں اس کی شادی کے لئے نامہ و پیام کر رہا
تھا، اس نے بطور خود خاندان لینکیسٹر کی ایک بیوہ (ڈیم الزبیتھ گرے)
سے عقد کا معاہدہ کر لیا، اس کے خاندان وڈویل کے لوگوں
کو خاندان نیول کے مقابلہ میں بلند درجے عطا کئے گئے۔
الزبیتھ کا باپ لارڈ ریورز خزانچی و سپہ سالار بنایا گیا، پہلی
شادی سے اس کا جو لڑکا تھا، اس کی نسبت ڈیوک اکزسٹر کی
بیٹی سے کر دی گئی، جو باپ کے منصب و جاگیر کی وارث تھی
جسے وارک اپنے بھتیجے سے منسوب کرنا چاہتا تھا۔ وارک کی
حکمت عملی یہ تھی کہ فرانس سے گہرا تعلق پیدا کر لیا جائے۔
اسے جب اپنی پہلی تجویز میں ناکامی ہوئی تو اس نے اس
امر پر زور دیا، کہ بادشاہ کی بہن مارگیرٹ کا عقد فرانسیسی
شاہزادے سے کر دیا جائے۔ مگر ۱۴۶۷ء میں جبکہ وارک شاہ
لوئی سے معاملات طے کرنے کے لئے سمندر پار گیا ہوا تھا،
اڈورڈ نے اس کی غیبت میں موقع پا کر اس کے بھائی کو اس
منصب سے کہ شاہی مہر سے فرمان کو وہی مزین کرتا تھا معزول
کر دیا، اور فرانس اور وارک دونوں کے حقیقی دشمن چارلس
شجاع (امیر برگنڈی) سے مارگیرٹ کا عقد کر دینے کی تیاری کی، وارک
نے اڈورڈ کے اس وار کا توڑ یہ کیا کہ اہل یارک اڈورڈ سے
ناراض تو ہو ہی رہے تھے ان کو اس کے بھائی ڈیوک کلیرنس

کے گرد جمع کرنے کی سازش شروع کردی؛ خفیہ گفت و شنید کا انجام یہ ہوا کہ کلیرنس کے ساتھ وارک کی لڑکی کا عقد ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی ایک بغاوت کے مشتعل ہو جانے سے اڈورڈ ارل کے قبضہ میں آگیا۔ ارل نے بڑی جرأت سے یہ کام کیا تھا مگر بن نہ پڑا۔ یارک کے امرا نے بادشاہ کو رہا کر دینے کا مطالبہ کیا، واروک اپنی تائید کے لئے صرف لینکیسٹر والوں پر نظر ڈال سکتا تھا، مگر لینکیسٹر والے اپنی مدد کے معاوضے میں ہنری کو دوبارہ بادشاہ بنا دینے کے خواہاں تھے، یہ مطالبہ کلیرنس کو تخت نشیں کرنے کی تجویز کا مانع تھا، اور وارک کے لئے سوا اس کے کوئی چارہ کار باقی نہیں رہا کہ بادشاہ سے باضابطہ مصالحت کرلے۔ دوسرے موسم بہار میں ایک نئی بغاوت لنکنشائر میں برپا کی گئی، مگر اس وقت بادشاہ اس کے مقابلے کے لئے تیار تھا، اڈورڈ نے اولاً بہت جلد شمال پر دھاوا کرکے باغیوں کو منتشر کر دیا، اور اس کے بعد بغاوت کے بھڑکانے والوں کی طرف متوجہ ہوا، کلیرنس اور ارل اس کے مقابلے کے لئے کوئی فوج جمع نہ کر سکے، حامیان یارک و لینکیسٹر۔ دونوں الگ رہے، اور ان لوگوں کو مجبوراً راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ کیلے اگرچہ واروک کے ہاتھ میں تھا، مگر وہاں بھی ان لوگوں کو قدم رکھنے کا موقع نہ ملا، اور ارل کے بیڑے کو مجبوراً فرانس میں پناہ لینا پڑی، اڈورڈ کے تعلق برگنڈی کی وجہ سے اس کے دشمنوں کو فرانس میں لوئی یازدہم کی

تائید حاصل ہو گئی، مگر ارل کی غیر محتاط طبیعت کا اندازہ اس سے ہو گیا کہ اس نے فوراً ہی خاندان لینکسٹر کے ہواخواہوں سے اتفاق کرلیا، ملکہ مارگیرٹ کے اس وعدے سے کہ وہ اپنے بیٹے کا عقد ارل کی لڑکی این سے کردے گی، واروک نے اس بات کا ذمہ کیا کہ وہ اس قیدی بادشاہ کو پھر تخت پر بٹھا دے گا جسے
۱۴۷۰ اُسی نے ٹاور (برج) میں مقید کیا تھا۔ جس وقت کہ اڈورڈ شمال کی ایک بغاوت کے فرو کرنے میں مشغول تھا، اور برگنڈی کا بیڑہ جو آبنائے کی حفاظت کر رہا تھا طوفان سے منتشر ہو گیا تھا ارل دلیرانہ ساحل انگلستان پر آپڑا۔ وہ جس قدر شمال کی طرف بڑھتا گیا اس کی فوج میں ترقی ہوتی گئی، اور اڈورڈ کا معتمد علیہ لارڈ مانٹیگو بھی اس سے منحرف ہو گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس مرتبہ بادشاہ کو سمندر میں پناہ لینا پڑی۔ ادھر اڈورڈ اپنے جملہ رفقا کے ہمراہ چارلس شجاع سے مدد مانگنے کے لئے بھاگا، ادھر ہنری (لینکسٹر والا) پھر قید خانے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا گیا، مگر جس فریق کو وارک نے اس بے رحمی سے پامال کیا تھا وہ اپنے تنفر کی وجہ سے اس بادشاہ گر کے شکر گزار نہیں ہوے۔ موسم بہار میں جب اڈورڈ پھر ریونسپر میں اترا تو ارل اور اس کے فریق کے انداز سے اس نئے اتحاد کی کمزوری ظاہر ہو گئی۔ شاید مارگیرٹ کا خوف ارل کے اس عاجلانہ طرز کا باعث ہوا۔ کیونکہ ہر وقت اس کے انگلستان میں آجانے کا اندیشہ لگا ہوا تھا، اڈورڈ نے انگلستان میں اتر کر یہ اعلان کردیا کہ تاج کی نسبت اس نے اپنے تمام دعاوی ترک کر دئے ہیں،

زوال وارِوک

اور اب وہ صرف اپنی خاص موروثی امارت کا خواہاں ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی وہ شمال میں لینکیسٹر والوں کے اضلاع سے گزرتا گیا، اور اس وجہ سے مانٹیگو کی جمع کی ہوئی فوج نے بھی اس پر حملہ نہیں کیا۔ اس کوچ میں اس کا بھائی کلیرنس (جو اب تک واروک کے کہنے پر عمل کر رہا تھا) اس سے آملا۔ کونٹری میں خیمہ زن ہوکر خود ارل نے بھی اس قسم کی غداری کا منصوبہ باندھا مگر لینکیسٹر والے سرداروں کے آجانے سے نامہ و پیام کا خاتمہ ہو گیا۔ جب مانٹیگو اپنے بھائی سے مل گیا۔ اسوقت اڈورڈ نے لنڈن کی طرف کوچ کیا، اور اس کے پیچھے پیچھے واروک کی فوج تھی۔ ارل کے بھائی اسقف اعظم نیول نے دغا کرنیکی نیت سے شہر کے دروازے اس کے لئے کھول دئے تھے۔ اور ہنری باردگر ٹاور (برج) میں بھیج دیا گیا۔ جنگ بارنٹ جسے جنگ ۱۴۷۱ء
نہیں بلکہ کشت و خون و غدر و دغا کا ہنگامہ سمجھنا چاہئے، صرف تین گھنٹے تک جاری رہی۔ اس کا انجام وارک کے زوال پر ہوا اور اس پر بزدلانہ طور پر بھاگنے کا الزام لگایا گیا، مارگیرٹ اس قدر دیر کرکے آئی کہ وہ اپنے شریک کار کو کچھ مدد نہ دسکی، مگر اڈورڈ کی فوج کی ظفر مندی اس کی ہوشیاری و تدبیر سے حد کمال کو پہنچ گئی۔ اس نے نہایت چالاکی سے مارگیرٹ کو ٹیوکسبری میں جنگ کرنے پر مجبور کیا، اور اس کی فوج کو بالکل تباہ کر دیا۔ ملکہ خود قیدیوں میں شامل تھی۔ اس کا لڑکا میدان جنگ میں کام آیا۔ اور بوثوق کہا جاتا تھا کہ اس کے رحم کی فریاد پر

اڈورڈ نے اپنا دستانہ اس پر کھینچ مارا اور یارک کے امرا نے خنجروں سے اس کا کام تمام کر دیا۔ ٹاور (برج) کے اندر ہنری کے انتقال کر جانے سے خاندان لینکسٹر کی آخری امیدوں کا خاتمہ ہو گیا +

جزو سوم

شاہی جدید

۱۴۷۱ — ۱۵۰۹

اڈورڈ پنجم، ایک تصنیف کا موضوع کہ ہے، جسے سر ٹامس مور کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور یہ امر قریب قریب متیقّن ہے، کہ اس کتاب کا ماخذ اسقف اعظم مورٹن کے بیان کئے ہوئے حالات پر مبنی ہے۔ تاریخی اعتبار سے اس کی وقعت کچھ بھی ہو مگر بلحاظ زبان یہ ایک قابل قدر کتاب ہے، کیونکہ علمی پایہ کی یہی پہلی تاریخی تصنیف ہے جو جدید زبان میں لکھی گئی ہے۔ "رچرڈ سوم اور ہنری ہفتم کے خطوط و کاغذات" "ہنری ہفتم کے بعض تذکرے" جن میں اس کی ایک سوانح عمری مصنفہ برنرڈ آندرے (ساکن ٹولوز) بھی داخل ہے، اور اس کے عہد کی تاریخ کے "مواد تاریخی" کی ایک جلد، یہ سب سلسلہ صحائف (Rolls Series) کی طرف سے شائع ہوئے ہیں - لارڈ بیکن کے تصانیف میں ہنری کی ایک سوانح عمری بھی شامل ہے - ہال کے (وقائع) ہنری چہارم کے وقت سے ہنری ہشتم کے وقت تک کے حالات پر محتوی ہیں، مس ہالسٹیڈ نے اپنی تصنیف سوانح عمری رچرڈ سوم میں یک حد تک اس آئینی امتیاز کے عہد کا بیان شرح و بسط سے کیا ہے۔

کیکسٹن کے حالات کے لئے مسٹر بلیڈز کی مصنفہ سوانح عمری دیکھنا چاہئے]

انگریز جس دل برداشتگی اور تنفر کے ساتھ گلابوں والی لڑائی کے تذکروں سے کراہیت کرتے ہیں، ایسی کراہیت وہ اپنی تاریخ کے کسی اور عہد سے نہیں کرتے، اس زمانے کی وحشیانہ نبرد آزمائیاں ظالمانہ کشت و خون، گستاخانہ غداریاں، اس وجہ سے اور بھی زیادہ مہیب معلوم ہوتی ہیں، کہ جس غرض سے یہ لوگ لڑتے تھے وہ تمامتر خود غرضی پر مبنی تھی، خود جنگ میں بھی شریفانہ و سپاہیانہ جوہر بالکل مفقود تھا، اور انجام کار میں ان لڑائیوں کا کوئی اہم نتیجہ بھی نہیں نکلتا تھا مگر اس جدال و قتال کے زمانے پر جب ایک فلسفی مدبر تامل کے ساتھ نظر ڈالتا ہے، تو اُسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا سبب محض نفرت باہمی نہیں تھی، بلکہ کچھ اور اسباب بھی اس کے محرک تھے، فلب ڈی کامنس کے خیال میں انگلستان ایک عجیب وغریب ملک تھا، جہاں وحشیانہ خانہ جنگی کے باوجود "جنگ کی وجہ سے کوئی عمارت تباہ و برباد نہیں کی گئی، اور جنگ کے مصائب انہیں لوگوں تک محدود رہتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں۔" فی الحقیقت تباہی و خونریزی کا اثر بڑے بڑے امرا اور ان کے حشم و خدم ہی پر پڑا۔ البتہ دو ایک بار ٹاوٹن کی طرح بعض دوسرے شہر بھی ازخود اس کشمکش میں شریک ہو گئے، مگر زیادہ تر یہی ہوا کہ زراعت پیشہ اور اہل تجارت اس ہماہمی و کشمکش سے بالکل الگ رہے، ملک کی بیرونی تجارت اب تک اطالویوں، اتحاد ہینس، کیٹلونا و جنوب گال کے سوداگروں کے ہاتھ میں تھی، مگر

اب قطعی طور پر یہ تجارت بہ تدریج خود انگریزوں کے ہاتھ میں آتی جاتی تھی۔ انگریزی سوداگر فلورنس و وینس، میں آباد ہو گئے تھے، اور انگریزی تجارتی جہاز بحر بالٹک میں جانے لگے تھے۔ ترقی صنعت و حرفت کی پہلی خفیف جھلک ان حفاظتی قوانین میں نظر آتی ہے، جو اڈورڈ چہارم کے عہد کی نمایاں خصوصیت تھی۔ جس زمانے میں بیرن آپس میں لڑلڑ کر اپنے کو تباہ کر رہے تھے اس زمانے میں عام طور پر ملک میں جو سکون رہا وہ اس سے ظاہر ہے کہ عدالتیں ہمیشہ اپنے حال پر برقرار رہیں۔ عدالتیں وسٹ منسٹر میں اجلاس کرتی تھیں۔ جج بدستور سابق دورے پر جاتے تھے۔ فیصلہ کرنے والوں اور گواہوں کے ایک دوسرے سے علیحدہ کر دینے کے باعث جیوری کا طریقہ یوماً فیوماً وہ صورت اختیار کرتا جاتا تھا جو آج نظر آرہا ہے۔ لیکن جس طرح یہ عام خیال غلط ہے، کہ ان لڑائیوں کے دوران میں انگلستان میں غداری و خونریزی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا تھا، اسی طرح یہ عام خیال بھی غلط ہے کہ ان لڑائیوں کا حقیقی نتیجہ کچھ نہیں نکلا، گلابوں والی لڑائی کا نتیجہ اس سے بدرجہا زیادہ ہُوا کہ ایک شاہی خاندان تخت سے اتار دیا گیا، اور دوسرا تخت پر بٹھا دیا گیا، ان لڑائیوں نے اگر انگلستان کی آزادی کو بالکل ہی غارت نہیں کر دیا تو کم از کم سو برس سے زائد زمانے کے لئے اس کی ترقی کو روک دیا۔ حسب بیان کامین آغاز جنگ میں تمام ممالک عالم میں انگلستان ہی وہ

ملک تھا‘ جہاں بہبود عامہ کی حالت سب سے بہتر تھی اور جہاں رعایا پر اہل حکومت کی طرف سے سب سے کم زیادتی ہوتی تھی“۔ یہی ژرف نگاہ مبصر لکھتا ہے کہ انگلستان کا کوئی بادشاہ ”بغیر اپنی پارلیمنٹ کو جمع کئے ہوئے کوئی اہم کام نہیں کرسکتا‘ یہ نہایت ہی دانشمندانہ اور متبرک طریقہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انگلستان کے بادشاہ بر اعظم کے مطلق العنان بادشاہوں کی بہ نسبت زیادہ قوی اور زیادہ دولتمند ہیں“ ایک جج سر جان فارٹسکیو نے اسی زمانے میں فخریہ لکھا ہے کہ ”انگریزی بادشاہت مطلق العنان نہیں ہے‘ بلکہ وہ ایک پابند قوانین بادشاہت ہے‘ یہ وہ زمین نہیں ہے جہاں محض بادشاہ کی مرضی قانون کی قائم مقام ہو‘ بلکہ یہ وہ زمین ہے جہاں بادشاہ اپنی رعایا کی مرضی کے بغیر نہ کوئی قانون بنا سکتا ہے‘ اور نہ محصول لگا سکتا ہے“۔ کسی زمانے میں پارلیمنٹ نے حکومت ملک میں ایسا مسلسل اور ایسا نمایاں دخل نہیں پایا تھا‘ جیسا اس زمانے میں ہوا‘ کسی زمانے میں یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ عام رعایا نے آئینی آزادی کو اس خوبی سے سمجھا ہے‘ اور اسے ایسا عزیز رکھتی ہے جیسا اس زمانے میں تھا‘ اڈورڈ اول کے زمانے سے بادشاہ اور دونوں ایوان پارلیمنٹ کے درمیان کشمکش چلی آتی تھی اس طولانی کشاکش سے قومی آزادی کی محافظت کا نہایت قوی سامان مہیا ہوگیا تھا‘ بادشاہ کو اب محض اپنے حکم سے کسی قسم کے محصول کے عائد کرنے‘ کسی قانون کے نافذ

کرنے یا کسی کو قید کرنے کا اختیار باقی نہیں رہا تھا، اور اس کے ساتھ ہی یہ تسلیم کرلیا گیا تھا کہ تاج کے بڑے سے بڑے عہدہ دار پارلیمنٹ و قانون کے جوابدہ ہیں، مگر مسئلہ جانشینی کی کشمکش کے ختم ہوتے ہی یہ تمام آزادیاں بھی دفعتہً واحدۃً غائب ہوگئیں، ہم اب آئینی ترقی معکوس کے ایک ایسے دور میں داخل ہوتے ہیں، جس میں وہ تمام کام جو زمانۂ ماسبق میں بتدریج انجام پاچکے تھے، بہت جلد منقلب ہو جاتے ہیں، پارلیمنٹ میں جان باقی نہ تھی، اور جو کچھ تھی وہ بھی تاج کے غالب اثر کی وجہ سے محض ایک ضابطہ کی صورت میں رہ گئی تھی۔ دونوں ایوانہاے پارلیمنٹ کے قانونی اختیارات کو شاہی مجلس نے غصب کرلیا تھا، بلامشورہ پارلیمنٹ محصول تو نہیں عائد کئے جاتے تھے، مگر پیشکش اور جبری قرضہ کا مآل کار وہی تھا، جاسوسی کا خطرناک سلسلہ جاری ہوگیا تھا، اور تحکمانہ قیدوں کے متواتر واقعات پیش آنے لگے تھے، اس سے شخصی آزادی تقریباً معدوم ہوگئی تھی، قوانین ضبطی کا نفاذ بہت کثرت سے ہونے لگا تھا، رائل کونسل (یا شاہی مجلس) کے اختیارات بیحد وسیع ہوگئے تھے۔ ججوں نے خوشامد کا شیوہ اختیار کرلیا تھا، جیوری کو خوف دلا کر ان کی راے پر اثر ڈالا جاتا تھا، ان تمام باتوں سے انصاف میں سخت دقت پیدا ہوگئی تھی۔ یہ تغیر ایسا وسیع اور عام تھا کہ زمانۂ مابعد میں سرسری نظر سے دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اڈورڈ اور ہنری کے عہد کی آئینی بادشاہت ٹیوڈر کے زمانے میں دفعتہً

ترکوں کی سی کامل مطلق العنانی سے بدل گئی تھی۔ مگر فی الحقیقت یہ خیال مبالغہ آمیز و ناواجب ہے، قانون کی کیسی ہی توڑ مروڑ کیوں نہ کی گئی ہو، مگر کبھی کوئی وقت ایسا نہیں گزرا ہے کہ انگلستان کے بڑے سے بڑے خودسر حکمران نے بھی قانونی پابندیوں کے قبول کرنے سے انکار کردیا ہو، رعایا کے ادنیٰ ترین شخص کی اطاعت بھی ہمیشہ سیاسی و مذہبی حدود کے اندر رہی ہے، اور اس پر شاہ پرستی کا خیال کبھی غالب نہیں آسکا ہے، لیکن باوجود اس کے بھی اڈورڈ چہارم کے وقت سے الزبتھ کے وقت تک کی شاہی انگلستان کی تاریخ کچھ عجیب اور علیحدہ سی معلوم ہوتی ہے۔ قدیم انگریزی، نارمنی آنشروی۔ پلیمین ٹیجنٹ، بادشاہوں کی طرز حکمرانی کو خاندان یارک یا خاندان ٹیوڈر کی حکمرانی کے سلسلہ میں ملانا مشکل ہے +

شاہی جدید کے اسباب

اگر ہم ایسے فوری و کامل انقلاب کی وجہ تلاش کریں، تو اس کی وجہ صرف یہی معلوم ہوگی کہ جس نظام معاشرت سے انگریزی آزادی کی حفاظت ہوتی تھی، وہ اب معدوم ہوگیا تھا، آزادی بیرنوں کی تلوار سے حاصل ہوئی تھی، اہل کلیسا نے اس کے قیام پر رقیبانہ نظر رکھی تھی، پارلیمنٹ کے اندر دیہات کے اسکوائر (متوسط الحال اشخاص) اور شہر کے تاجروں سے مل کر جو طبقۂ "عوام" کا پیدا ہوگیا تھا وہ اپنی سیاسی کارروائیوں کو وسعت دیتا جاتا تھا، مگر اس جنگ کے ختم ہوتے ہی یہ تمام قدیمی رکاوٹیں تاج کے راستہ سے ہٹ گئی تھیں، طبقہ بیرن کی حالت

یوماً فیوماً تنزل پذیر ہوتی گئی، اہل کلیسا کا کوئی معاون و مددگار نہیں رہا، اور وہ ایک اضطرابی حالت میں کسی نہ کسی طرح وقت کو ٹالتا رہا یہاں تک کہ کرامول نے اس کا خاتمہ کردیا۔ تجار اور چھوٹے چھوٹے زمیندار سیاسی میدان عمل میں بیکار ہو گئے، ادھر یہ حالت تھی اور اُدھر تاج (جسے صرف پچاس برس پیشتر ہر فریق نے ایک کھیل بنا رکھا تھا) سب سے علیحدہ ہو کر کمال رفعت پر پہنچ گیا تھا۔ ازمنہ سابق میں بادشاہی کو جاگیردارانہ طریق، طبقہ قسیس کے مذہبی اذن، اور آئینی آزادی کی روز افزوں قوتوں نے محدود کر رکھا تھا، مگر اب یہ تمام قوتیں یک بیک زوال پذیر ہوگئیں، اور نئی بادشاہی میں ایک ہمہ گیر و بے قید مطلق العنانی پیدا ہو گئی۔ یہ تغیر اگرچہ انقلابی حد کو پہنچا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر فی الحقیقت یہ بھی تدریجی منازل کو طے کرتا ہوا اس حد کو پہنچا تھا، اور جن اسباب سے ایسا ہوا ہم انہیں پہلے ہی کہ چکے ہیں، دستکاری کی ترقی، روحانی و ذہنی تعلیم کی ترویج، اور فن جنگ کے تغیرات کے باعث اندر ہی اندر اس نظام معاشرت کی بیخ کنی ہو رہی تھی، جس سے انگریزوں کا سیاسی نظام حکومت پیدا ہوا تھا اور جس پر وہ اب تک قائم تھا۔ مگر کلیسا کی جانب لوگوں کی نئی روش، ارکان دارالعوام کی حق رائے دہی کا سلب ہو جانا اور طبقہ بیرن کے زوال کی وجہ سے اس کی تباہی روز افزوں ہوگئی تھی۔ بیرنوں کے بڑے بڑے خاندانوں میں سے بعض کا تو بالکل خاتمہ ہوگیا تھا

اور بعض کی کچھ غیر معروف شاخیں قائم رہ گئی تھیں، مگر وہ محض اپنی گزشتہ عظمت کا پرتو تھیں - خاندانہائے پول، اسٹینلی - اور ہاورڈ کے سوا (اور یہ بھی درحقیقت نئے خاندان تھے) قدیم طبقہ بیرن کے کسی گروہ نے شاید ہی اس وقت سے حکومت کے کام میں دخل دیا ہو دارالعوام میں اہل کلیسا، قصبات کے چھوٹے چھوٹے زمیندار اور طبقات تجار کے لوگ ہوا کرتے تھے مگر یہ لوگ بھی ان امرا کے قائم مقام نہیں ہو سکتے تھے جن کو خانہ جنگیوں نے تباہ کر دیا تھا - اپنے زمانہ گزشتہ کے کارناموں، اپنی وسیع دولت، اور اپنی ملک داری کی روایات کی وجہ سے بلند مرتبہ طبقہ مذہبی ابھی تک ذی اثر معلوم ہوتا تھا مگر جوش روحانی کے نقدان، اخلاقی سستی، عوام کے گہرے مذہبی معتقدات سے مخالفت اور دنیا میں ہلچل ڈال دینے والی ذہنی تحریک سے کورانہ عناد رکھنے کے باعث اس طبقہ نے بھی اپنی قوت اثر کو زائل کر دیا تھا - ان کی قدیمی آزادی کا کچھ شائبہ نیچے درجے کے پادریوں اور خانقاہی گروہوں میں البتہ باقی رہ گیا تھا، مگر سیاسی معاملات میں کلیسا کا براہ راست اثر اس کے مقتداؤں کی وجہ سے تھا، اور ان کا انداز عام پادریوں کی بہ نسبت کچھ اور ہی تھا - بیرن ان کی دنیاوی املاک پر اور واعظین مذہب وکلف یعنی لالرڈ ان کے مذہبی اقتدار پر حملے کر رہے تھے اس حالت نے انہیں مجبور کر دیا کہ تاج کی معاونت پر بھروسہ کریں، اور محض اس خیال سے کہ شاہی امداد سے وہ کلیسا کی دولت کو لٹنے سے بچالیں گے انہوں نے بادشاہ کی آڑ پکڑی تھی - مگر کسی

وسیع سیاسی مفہوم میں ان کے گروہ کا اثر بالکل ہیچ تھا، پہلی نظر میں یہ امر صاف واضح نہیں ہوتا کہ کلیسا اور امرا کی سیاسی تباہی میں ارکان دارالعوام کیوں شریک ہو گئے حالانکہ قصبات کے زمینداروں کی دولت و تعداد بہت جلد جلد بڑھ رہی تھی، اور اہل شہر بھی تجارت کے نشوونما سے مالا مال ہو رہے تھے مگر رائے دہی کے حق کو محدود کر دینے اور انتخابات میں مداخلت کرنے کا یہ نتیجہ تھا اور اس کا اثر اب دارالعوام کی سیاسی بے دلی سے صاف ظاہر ہو گیا ان کارروائیوں کی وجہ سے پارلیمنٹ میں کام کا دارو مدار عملاً طبقہ بیرن پر رہ گیا تھا اور اب کہ دارالعوام طبقۂ بیرن کے زوال کے باعث اس کی امداد اور رہبری سے محروم ہو گیا تو لازماً وہ خود ہی زوال پذیر ہو گیا۔ جب اس طرح کی حریف طاقتیں غائب ہو گئیں تو از خود تمام اختیارات بادشاہ کے ہاتھ میں آ گئے فی الحقیقت صرف اتنا ہی نہیں ہوا کہ اہل کلیسا متوسط الحال اشخاص اور اہل شہر، تاج کے مقابلہ میں آزادی کو برقرار رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے بلکہ اپنے ذاتی مفاد کی طمع میں انہوں نے آزادی کو تاج پر نثار کر دیا تھا، کلیسا ارتداد کی ترقی سے کانپ رہا تھا، شہروں کے اجتماعی گروہوں کو اپنے امتیازات برقرار رکھنے کے لئے حفاظت کی ضرورت تھی، تاجروں کے ساتھ ہی زمیندار بھی جس جنگ و بدنظمی کا مشاہدہ کر چکے تھے اس کے مصائب کے خیال سے وہ ہیبت زدہ ہو رہے تھے، اور دونوں کی بے انتہا خواہش تھی کہ ایسی صورت کے دوبارہ پیش

نہ آنے کے لئے جس اعانت کی ضرورت ہو وہ تاج کو دی جائے۔ لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ زمیندار اور ساہوکار اس زور شور کے ساتھ بادشاہ کا ساتھ صرف اس غرض سے دے رہے تھے کہ وہی ایک طاقت تھی جو معاشرتی انقلاب سے انہیں بچا سکتی تھی۔ اہل کنٹ کی شورش سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جن دقتوں کے رفع کرنے کے لئے قوانین اجرت نافذ کئے گئے وہ اب تک بدستور قائم ہیں اور ناراضی پھیلنے کا بڑا سبب یہی ہے۔ زراعت کے جن وسیع تغیرات کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، یعنی چھوٹے چھوٹے مقبوضات کا باہم ملا دینا، اراضی کاشت کا کم، اور چراگاہوں کا زیادہ ہو جانا، یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے ایک بڑی حد تک بے خانماں مزدوروں کی تعداد اور ان کا شور و شر بہت بڑھ گیا تھا، رمنوں کے اور احاطوں کے مخصوص کر لینے پر شورشوں کا ذکر پہلے پہل ہنری ششم کے عہد میں سنا جاتا ہے، اور دور ٹیوڈر کی، تو وہ ایک مستقل خصوصیت ہو گئی تھی۔ ان شورشوں سے صرف یہی نہیں ظاہر ہوتا کہ زمینداروں اور چھوٹے درجہ کے کسانوں کے درمیان ہر جگہ مناقشہ برپا تھا، بلکہ ان سے اس عام معاشرتی بدحالی کا بھی اظہار ہوتا ہے، جو شورش و انقلاب کے ذریعہ سے اپنے لئے کوئی منفذ پیدا کرنا چاہتی تھی۔ اور اس وقت خاص میں جنگجو امرا کے خاندانوں کے شکست ہو جانے اور لڑائیوں سے زخمی و بیکار سپاہیوں کے واپس آنے سے اس بھڑک اوٹھنے والے انبار میں زیادتی و بدنظمی کے ایک نئے جزو کا اضافہ ہو گیا تھا، حقیقت یہ

ہے کہ یہی معاشرتی خطرہ ٹیوڈر کی مطلق العنانی کی بنیاد تھا۔ صاحب املاک طبقہ کے لئے غریبوں کا زیر کرنا زندگی وموت کا سوال تھا، مزدوروں سے کام لینے والے اور صاحبان جائداد اس امر پر آمادہ تھے کہ وہ آزادی کو ایک ایسی طاقت کے حوالہ کردیں جو انہیں معاشرتی آشوب سے بچا سکے۔ زمینداروں کے خودغرضانہ اضطراب ہی کا نتیجہ تھا کہ انگلستان میں قانون اجرت نافذ ہُوا، اور اس کا خوفناک نتیجہ محتاجوں کی کثرت میں ظاہر ہوا۔ زمینداروں اور تاجروں ہی کے خودغرضانہ اضطراب کی وجہ سے انگلستان کو مطلق العنان شاہی سے سابقہ پڑا +

اڈورڈ چہارم

اس شاہی جدید کا بانی اڈورڈ چہارم تھا، وہ ابھی محض لڑکا ہی تھا کہ دوران خانہ جنگی میں اس نے خود کو ایک نہایت ہی قابل اور بیرحم جنگجو ثابت کر دکھایا۔ عنفوان شباب میں وہ بڈھے بڈھے امرا کو تختہ قتل پر جاتے ہوے دیکھتا اور اس کے دل میں ذرا بھی رحم نہیں آتا تھا، زمانہ مابعد میں حصول طاقت کی تگ ودو میں، لوگوں سے بیوفائی کرنے میں اس نے وارک کو بھی پس پشت ڈال دیا مگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہی نوجوان بادشاہ عیاشانہ کاہلی میں پڑ گیا، لندن کی زناں بازاری کے ساتھ سرخوشیاں اور جین شور کی سی عورتوں کے ساتھ نازونیاز ہونے لگے۔ وہ ایک کشیدہ قامت اور نہایت حسین شخص تھا۔ اس کے دلفریب اطوار اور مسرت آمیز بے پروائی کی وجہ سے اسے وہ ہردلعزیزی حاصل ہوگئی تھی جو اس سے معزز تر بادشاہوں کو

بھی میسر نہیں ہوئی تھی مگر اس کی یہ بے پروائی و احتراز محض نقاب تھے جن کے نیچے اس نے اپنی اعلیٰ سیاسی قابلیت کو پوشیدہ کر رکھا تھا، لوئس یازدہم اور فرڈیننڈ (والی اراگان) اس وقت کے بہت ہی ہوشیار بادشاہوں میں تھے، اور ظاہری حالت کے اعتبار سے اڈورڈ سے زیادہ کوئی ان سے مشابہت نہیں رکھتا تھا۔ درحقیقت اڈورڈ کو کام بھی وہی کرنا تھا جو ان لوگوں نے کئے، اور اس نے اپنے کام کو نہایت خوبی کے ساتھ انجام کو پہنچایا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اڈورڈ اکابر شہر سے مذاق یا عورتوں سے دل لگی بازی کرنے اور وسٹ منسٹر کے چھاپہ خانہ کے نئے مطبوعات کے دیکھنے میں وقت گزاری کرتا ہے، مگر درپردہ وہ مطلق العنان حکومت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا، پارلیمنٹ کا قریب قریب بالکل ہی بند ہونا بجائے خود ایک انقلاب تھا، اس وقت تک دونوں ایوانہاے پارلیمنٹ نے حکومت ملک میں جو کام انجام دئے تھے وہ یوماً فیوماً زیادہ نمود حاصل کرتے جاتے تھے۔ خاندان لنکیسٹر سے بعد کے دو بادشاہوں کے عہد میں پارلیمنٹ کم و بیش ہر سال طلب کی جاتی تھی، دارالعوام کو نہ صرف اجراے محصول اور وضع قانون کا حق تفویض کر دیا گیا تھا، بلکہ وہ نظم و نسق سلطنت میں بھی دخل دینے اور محاصل کے اخراجات کی ہدایت کرنے لگے تھے۔ علاوہ بریں انہوں نے کتنی بار وزراے شاہی پر مقدمات قائم کر کے ان سے جواب طلب کئے، ہنری ششم کے عہد میں یہ ہوتا رہا تھا کہ پارلیمنٹ کی خواہشات درخواست کی صورت میں پیش ہو کر

شاہی مجلس میں قانونی شکل اختیار کرتی تھیں۔ اب یہ طریقہ ترک کردیا گیا اور آئینی ترقی میں ایک قدم اور آگے بڑھا یعنی خود پارلیمنٹ کی جانب سے قانون آخری صورت میں شاہی منظوری کے لئے پیش ہونے لگا اور مثل سابق کے، بادشاہ کو اس قانون کی ترمیم کرنیکا حق باقی نہیں رہا، مگر اڈورڈ کے عہد سے نہ صرف اس قسم کی ترقیاں رک گئیں بلکہ خود پارلیمنٹ ہی کا کام تمام ہوگیا، جان کے بعد سے یہ پہلا موقع تھا کہ آزادی کو ترقی دینے یا حکومت کی خرابیوں کو رفع کرنے پر کوئی ایک مسودہ قانون بھی پیش نہیں ہوا، حقیقت یہ ہے کہ خانہ جنگی کی وجہ سے ضبطیاں اس کثرت سے ہوئیں کہ شاہی خزانہ دولت سے بھر گیا، اور پارلیمنٹ کو طلب کرنے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی۔ فتح ٹاؤٹن کے بعد ایک قانون ضبطی کے ذریعہ سے بارہ امرائے عظام اور اور سو سے زائد نائٹ اور اسکوائر کی جائدادیں بادشاہ کے حق میں ضبط ہوگئی تھیں، کہا جاتا ہے کہ خانہ جنگی کے کسی زمانہ میں کل اراضی ملک کا قریب قریب پانچواں حصہ شاہی ملک میں آگیا تھا۔ محصولات بحری کی آمدنی بھی زندگی بھر کے لئے بادشاہ کو عطا کردی گئی تھی۔ اڈورڈ نے اپنی آمدنی کو اپنی وسیع تجارت کے نفع سے اور بھی بڑھا لیا تھا، شاہی جہازات ٹین، اون، اور کپڑے سے لدے ہوئے اس تاجر بادشاہ کے نام کو اطالیہ و یونان کے بندرگاہوں میں روشن کرتے پھرتے تھے۔ فرانس کے مقابلہ میں جو دلیرانہ کارروائیاں اس نے کرنا چاہی تھیں وہ اگرچہ چارلس برگنڈوی کے انکار شرکت کی وجہ سے خراب ہوگئیں، مگر اس سے حصول زر کا ایک نیا ذریعہ نکل آیا۔ جنگ کی

ضرورت پیش نہیں آئی اور جو رقمیں اس جنگ کے لئے دی گئی تھیں، شاہی خزانہ کی توفیر میں شامل ہوگئیں۔ اس حیلہ سے اڈورڈ نے نہ صرف اپنے اندوختہ میں اضافہ کر لیا، بلکہ اس نے عوام کی آزادی پر بھی چھری پھیر دی۔ پارلیمنٹ کی اجازت سے قرض لینے کے دستور کو بالائے طاق رکھ کر اس نے لندن کے سوداگروں کو خود اپنے روبرو طلب کیا، اور ان سے یہ خواہش کی کہ وہ بقدر ضرورت کے پیشکش یا نذر دیں، طبقہ تجار میں بادشاہ بہت ہردلعزیز تھا، مگر یہ جبرستانی انہیں بھی بہت شاق گزری، لیکن اس وقت مخالفت بیکار تھی، پیشکش "و نذر" کا یہ دستور بہت جلد وولزی اور چارلس اول کے زمانے میں جبری قرضہ کی صورت میں بدل گیا، اڈورڈ کے جانشینان ٹیوڈر کا وسیع نظام جاسوسی تعذیب کے لئے شکنجہ کا استعمال اور بے لاگ انصاف میں مداخلت ان سب کی ابتدا یہیں سے ہوئی تھی۔ اڈورڈ کا عہد اگر کسی معاملہ میں روشن نظر آتا ہے تو وہ صرف ذہنی ترقی ہے، اور نئی مطلق العنان حکومت کا بانی کیکسٹن کا مربی ہونے کے لحاظ سے عزت کا مستحق ہے۔

فی الحقیقت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں جس طرح آزادی چاسر کے کا خاتمہ ہوگیا تھا اسی طرح علم ادب کا بھی خاتمہ ہوگیا تھا۔ چاسر بعد کا اور اس کے بعد کے دو ایک شاعروں کی ذہانت نے (جن کی علم ادب تصانیف چاسر کے کلام میں خلط ملط ہو گئے ہیں) ایک وقت تک اپنے زمانے کی اظہار علم، تصنع و بے مائگی، کا مقابلہ کیا، مگر اس

شاعرانہ روانی خیال کے یک بیک بند ہو جانے سے انگلستان میں صرف پست درجہ کے شاعر، و مولف، غیر متناہی اخلاقیات کے جمع کرنے والے، تذکرات کو نظم کرنے والے، اور فرسودہ فرانسیسی افسانوں کے ترجمہ کرنے والے باقی رہ گئے تھے۔ گاور کے گراں سطحی خیالات میں قدیم انداز کی خوبی و زندہ دلی کی ایک خفیف سی جھلک نظر آجاتی ہے، مگر آکلیو اور لڈگیٹ کے معلمانہ و عامیہ خیالات میں اس کا بھی پتہ نہیں چلتا ازمنہ وسطی کا علم ادب ازمنہ وسطی کے ساتھ ہی فنا ہوتا جاتا تھا، طرز معاشرت کی طرح ان کا ذوق علمی بھی فلسفہ کے لا حاصل پیچیدگیوں میں ضایع ہوچکا تھا، سپہگری کا شریفانہ خیال لغو و مضحکہ آمیز نمایش میں بدل گیا تھا۔ ریاضت کے صوفیانہ جوش نے سخت گیری کے شروع ہوتے ہی تنگ خیالی، قدامت پرستی، اور سطحی اخلاق کی صورت اختیار کرلی تھی، طبقہ قسیس قدیم وقتوں میں تمام ذہنی کوششوں کا مرجع تھا، اب بہ حیثیت مجموعی اسے علم سے کچھ بھی مس باقی نہیں رہا تھا، خانقاہیں تحصیل علوم کا مرکز تھیں۔ چاسر کے انتقال کے بیس برس بعد ایک اطالوی سیاح پوجیو انگلستان آیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ "میں نے پادریوں میں ایسے لوگ بہ کثرت دیکھے جو شہوت پرستی میں مبتلا تھے، مگر علم کے شایق اشخاص ان میں بہت ہی کم پائے، اور جو تھے بھی وہ بھی مہمل علوم کی طرف راغب تھے۔ علم ادب کے بجائے انہیں الفاظ کے الٹ پلٹ کرنے اور سوفسطائیت کی خوب مہارت تھی"۔ نئے نئے کالجوں کی تعمیر شروع ہوگئی تھی، مگر دارالعلوموں کے

طلبہ کی تعداد اور علم میں جو انحطاط رونما تھا ان کے روکنے میں کامیابی
نہ ہوئی۔ ایک صدی قبل آکسفورڈ کے طلبہ کی جو تعداد تھی اب
اس کا صرف پانچواں حصہ رہ گئی تھی۔ ایسی کج بحثیوں کے لئے
جن میں قواعد زبان تک کا خیال نہ کیا جائے "آکسفورڈ کی
لاطینی" کا فقرہ زبان زد عام ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے علمی تصانیف
تقریباً بند ہو گئے تھے، البتہ تاریخی تصانیف کا کچھ سلسلہ چلا جاتا تھا
مگر ان کی بھی کیفیت یہ تھی کہ نام نہاد وقائع والسنگھیم کی طرح کچھ
تو گذشتہ مصنفین کے اقتباسات جمع کر کے تیار کی جاتی تھیں اور کچھ
خانقاہوں کے بے مغز وقائع اور کچھ بے مصرف عام خلاصے تھے۔
البتہ کیمیا، سحر، اکسیر حیات سنگ پارس کے متعلق بے شمار رسالے تیار
ہوئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ اصلی ذہنی کوششیں کس طرف مصروف
تھیں، اور صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ اس زمانے میں ذہنی انحطاط
کس حد کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی تعمق نظر سے یہ بھی
معلوم ہوتا ہے کہ قدیم علمی گروہ جس قدر فنا ہو جاتا تھا اسی قدر
خود عوام میں علم کا شوق بڑھتا جاتا تھا، خوش قسمتی سے خاندان پیسٹن کے
کچھ مراسلات محفوظ رہ گئے ہیں، اُن سے نہ صرف روانی و قوت اور ایسی
صحت زبان کا اظہار ہوتا ہے جو چند برس قبل بے تکلف خطوط میں
ناممکن تھی، بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دیہاتوں کے متوسط الحال
اشخاص کتابوں کے متعلق بحث کرتے اور کتب خانے جمع کرتے تھے۔ اس
زمانے کی تصانیف کے خصوصیات یہ تھے کہ علمی و تاریخی کتابوں کے خلاصے لکھے جائیں،
کھیل تماشے اور اسرار کی کتابیں تیار کی جائیں روزمرہ کی اخلاقی کیفیات کو شاعری

کا مقصود قرار دیا جائے اور واقعات عامّہ کو نظم میں بیان کیا جائے۔ ان رجحانات سے اس امر کا مزید ثبوت ملتا ہے کہ علم ادب خالص علمی طبقہ سے نکل کر عوام میں شایع ہونا شروع ہو گیا تھا، گراں قیمت صاف شدہ چمڑے کے بجائے کتابوں کے لئے کاغذ کا کثرت سے استعمال ہونے لگا تھا اور اس سے علم کے شیوع عام کو بہت مدد مل گئی تھی۔ زمانۂ ماسبق میں کبھی کتابوں کی نقلیں اس زمانے سے زیادہ نفیس نہیں ہوئیں، اور نہ کسی زمانے میں اس کثرت سے کتابیں نقل ہوئیں۔ کتابوں کی اس کثرت طلب کی وجہ سے ان کے نقل کرنے اور قلمی نسخوں کے مزین کرنے کا کام اکثر مذہبی کے زاویہ سے نکل کر برونز کی مجلس "سنٹ جان" یا برسلز کے "برادرانِ اہل قلم" کی سی تجارتی مجلسوں کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پندرھویں صدی کے وسط میں کتابوں، رسالوں، اور خاصکر قواعد زبان اور مذہبی کتب کی بھی کثرت سے طلب تھی، جو مطبع کے وجود میں آنے کا باعث ہوئی۔ طبع کی پہلی صورت یہ تھی کہ لکڑی کے تختیوں پر حروف کھود کر اوراق چھاپتے تھے۔ ان کتابوں کو "تختی سے چھپی ہوئی کتابیں" کہتے ہیں۔ بعد کو اس ضرورت کے لئے علیٰحدہ علیٰحدہ حروف بنائے گئے، تاکہ وہ باہم جوڑے اور الگ کئے جا سکیں۔ اس کی ابتدا مینز کے تین مشہور اہل مطابع، گٹنبرگ، فسٹ اور شیفر سے ہوئی۔ وہاں سے یہ نیا طریقہ جنوب کی طرف بڑھا اور اسٹراسبرگ سے ہو کر آلپس کے دوسری جانب وینس میں پہنچا، اور وہیں سے بوسیلہ آلدی تمام یورپ میں یونانی علم ادب کی اشاعت کا باعث ہوا۔ بعد ازاں

اطراف رائن سے ہوتا ہوا فلینڈرز کے شہروں میں داخل ہوا غالباً بمقام بروژ گرجاء سینٹ ڈونا کے دروازے کے چھوٹے سے کمرے کے اندر کولرڈ مینشن کے چھاپے خانے میں کیکسٹن نے اس فن کو سیکھا اور وہاں سے اول بار اسے انگلستان میں لایا'

کیکسٹن

ولیم کیکسٹن، کنٹ میں پیدا ہوا تھا' وہ لڑکپن ہی میں لندن کے ایک بزاز کے وہاں ملازم ہو گیا تھا اور انگریزی مجلس تاجران سیاح کے صدر کی حیثیت سے تیس برس فلینڈرز میں رہنے کے بعد اڈورڈ کی بہن ڈچز مارگیرٹ (برگنڈوی) کے ہاں نقل کتب پر متعین ہوا' مگر کولرڈ مینشن کے ذریعہ سے یہ نیا فن بروژ میں قائم ہو چکا تھا' اس کے مقابلہ میں نقل کرنے کا زحمت طلب کام بہت جلد ترک کر دیا گیا' کیکسٹن اپنی پہلی مطبوعہ کتاب افسانہا ے ٹرائے کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ لکھتے لکھتے میرا قلم گھس گیا' ہاتھ شل ہو گیا' سفید کاغذ پر نظر جمائے رکھنے سے آنکھیں خیرہ ہو گئیں' اور اس کے ساتھ ہی عمر گزرتی گئی' اور جسم کمزور ہوتا گیا' میں نے بہت سے معززین اور اپنے بہت سے دوستوں سے حتی المقدور اس کتاب کے جلد پیش کرنے کا وعدہ کر رکھا ہے' اس لئے میں نے بہت صرف اور محنت سے اس فن کو سیکھا اور اس کی مشق کی تاکہ میں اس کتاب کو اسی طرح پر چھاپ سکوں جس طرح وہ اس وقت ہمارے پیش نظر ہے' غرض اس سے یہی تھی کہ ایک ہی وقت میں یہ کتاب ہر شخص کے پاس پہنچ جائے' اس قصہ کی تمام کتابیں' ایک ہی دن میں چھپنا شروع ہوئیں' اور ایک ہی دن میں چھپکر

۱۴۷۶ ختم ہوگئیں یہ پینتیس برس کی غیر حاضری کے بعد یہی چھاپہ خانہ وہ بیش بہا سامان تھا جسے وہ انگلستان میں لایا تھا' اس عمر کو پہنچ کر لوگ آرام و آسایش کے خواہاں ہوتے ہیں مگر ہم کیکسٹن کو دیکھتے ہیں کہ پندرہ برس اور وہ خاص انہماک کے ساتھ اپنے اس نئے کام میں مشغول رہا۔ اس کے تختۂ اعلان کے وسط میں ایک سرخ نشان کھینچا ہوا تھا' اور اسی وجہ سے اس کی دکان ہی کا نام "سرخ نشان" ہوگیا تھا' یہ تختہ خریداران کتب کے لئے صلائے عام تھا۔ کیکسٹن کا کارخانہ وسٹ منسٹر کے خیراتخانہ کے احاطہ میں واقع تھا' یہ خیرات خانہ گرجے کی مغربی حد پر تھا' اس میں ایک عبادتخانہ اور وہ خیرات خانے تھے جہاں خانقاہ کی طرف سے غریبوں کو خیرات تقسیم کی جاتی تھی' کیکسٹن کے اشتہار کی عبارت یہ تھی کہ "اگر کسی دنیاوی یا مذہبی شخص کو رائج الوقت خط میں خوشنما و بالکل صحیح چھپے ہوئے سالسبری کے تذکروں کے کسی دو تین ٹکڑوں کی ضرورت ہو تو اُسے وسٹ منسٹر کے خیرات خانہ میں "سرخ نشان" پر آنا چاہئے' اور یہاں اُسے یہ ٹکڑے نہایت سستے مل جائیں گے"۔ جیسا کہ اسکے اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے' وہ ایک باعمل کار وباری آدمی تھا' وہ وینس کے آلدی یا رومہ کے ادب القدما کے چھاپنے والوں کا حریف نہیں تھا۔ وہ اپنی تجارت سے اپنی معاش حاصل کرنا چاہتا تھا' قسیسوں کو عبادت نامے اور واعظوں کو کتب مواعظ مہیا کرتا تھا' عام پادریوں کے لئے ان کا "فسانہ زرین" تیار کرتا تھا' اور نائٹ اور بیرن کو سپہگری کے "مسرت آمیز دلفریب قصے" بہم پہنچاتا تھا۔ لیکن

اگرچہ اسے حصول معاش کی فکر دامنگیر رہتی تھی مگر پھر بھی وہ سہل الحصول اعلیٰ علم ادب کی خدمت کے لئے بھی وقت نکال لیتا تھا، انگریزی نظمیں خواہ کسی زمانے کی ہوں، اس وقت جس قدر موجود تھیں، اس نے ان سب کو چھاپ ڈالا۔ حیات ابدی کے مستحق قابل الاحترام جافری چاسر کی توقیر جس درجہ اس کے دل میں تھی اس کا اظہار نہ صرف افسانہائے کینٹربری کے اول بار چھاپ دینے سے ہوا، بلکہ جب اس نظم کا ایک زیادہ صاف نسخہ ہاتھ آیا تو اس نے اسے دو بارہ طبع کردیا۔ اس کے بعد لڈگیٹ اور گاور کی نظمیں بھی طبع کی گئیں۔ مورخانہ انداز کی قابل الحصول کتابوں میں اس وقت انگریزی زبان میں صرف برٹ کی وقائع اور ہگڈن کی "وقائع عام" موجود تھیں کیکسٹن نے نہ صرف انہیں طبع کیا، بلکہ موخرالذکر کو خود اپنے زمانہ تک پورا کردیا۔ بیٹیس کے تراجم فرانسیسی سے اینڈ کا ترجمہ سیسرو کے دو ایک رسالے یہ انگلستان کے قدیم ترین چھاپہ خانہ کے متفرق و مقدم نتایج تھے۔

کیکسٹن اگرچہ طبع کے کام میں ہمہ تن مشغول تھا مگر ترجمہ کے کام میں اس کا انہماک اور بھی بڑھا ہوا تھا، اس کے مطبوعات میں چار ہزار سے زیادہ صفحات خود اس کے ترجمہ کئے ہوئے ہیں، ان ترجموں کی ضرورت ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ علم ادب نے اس زمانے میں عام پسند روش اختیار کرلی تھی، اس قسم کے ترجموں کی طلب اگرچہ بہت بڑھی ہوئی تھی، مگر کیکسٹن نے اس ضرورت کے رفع کرنے میں کسی قسم کے تصنع کو دخل نہیں دیا۔ اس کے

نادر دیباچوں میں ایک طرح کا سادہ و فطری ذوق علم (خاص کر اسلوب زبان کے متعلق) جوش زن نظر آتا ہے، وہ اپنے ترجمہ اینڈ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ "میرے پاس کوئی کام نہیں تھا، اور میں اپنے مطالعہ کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، مختلف مضامین کے رسالے و کتابیں جمع تھیں، انہی میں سے ایک چھوٹی سی فرانسیسی کتاب میں نے اُٹھائی، جسے تھوڑے ہی زمانے قبل فرانس کے کسی معزز عالم نے لاطینی کتاب اینڈ سے ترجمہ کیا ہے، اصل کتاب ہمارے معزز شاعر و موقر عالم ورجل کی تصنیف ہے، اس کتاب کے صاف وصحیح فرانسیسی فقرات و الفاظ سے مجھے بہت ہی مسرت حاصل ہوئی ایسے دلپذیر و باترتیب فقرے اور الفاظ کہیں اور میری نظر سے نہیں گزرے تھے، دل میں خیال آیا کہ روانیٔ بیان اور تاریخی واقعات کے لحاظ سے یہ کتاب اعیان ملک کے مطالعہ کے لئے بہت ہی موزوں ہوگی۔ اس خیال پر میں نے بخوبی غور کیا اور آخرکار اس کتاب کو انگریزی میں ترجمہ کرنیکا تہیہ کرلیا، میں نے فوراً قلم اُٹھایا اور صفحے دو صفحے اسی وقت لکھ ڈالے، مگر ترجمہ کے کام میں انگریزی کے خاص طرز کے اختیار کرنے کی بھی ضرورت تھی، اور اسی سے کیکسٹن کے کام کو انگریزی زبان کی تاریخ میں خاص وقار حاصل ہوگیا ہے، اس زمانے میں ترجمہ کے دو طریقے تھے، ایک میں فرانسیسی تصنع کا اور دوسرے میں انگریزی اظہار علم کو زور تھا، کیکسٹن ان دونوں طریقوں کے بین بین تھا، یہ وہ وقت تھا، جب انگریزی زبان اپنے موجودہ سانچے میں ڈھل رہی تھی، جو ہماہمی اس وقت تھی،

اس کا نقشہ خود گیکسٹن ہی کے الفاظ میں دیکھنا بہت دلچسپ معلوم ہوگا، وہ لکھتا ہے کہ بعض بڑے بڑے عالموں نے نیک ولی کے ساتھ مجھ سے یہ خواہش کی کہ مجھ سے جہاں تک ہو سکے نادر سے نادر فقرے استعمال کروں برخلاف ازیں بعض معززین نے مجھے یہ طعنہ دیا کہ میں اپنے ترجمے میں بہت سے ایسے نامانوس فقرے استعمال کرتا ہوں جنہیں عام لوگ سمجھ نہیں سکتے، اور یہ خواہش کی کہ میں اپنے ترجمے میں پرانے اور مانوس فقرے استعمال کروں"۔ یہ خوش مذاق صاحب مطبع اس پر یہ حاشیہ چڑھاتا ہے کہ "میں بہت ہی خوش ہوتا اگر میں ہر شخص کو راضی کر سکتا"۔ اس کے استقلال طبیعت نے اسے دربار کی امیدواری اور ان فرقوں کے دام فریب دونوں سے بچا لیا، خود اس کی ذوق طبیعت نے اسے انگریزی ترجمے کی طرف مائل کیا، مگر ایسی انگریزی کی طرف نہیں جو اس کے قدامت پسند مشیروں کو مرغوب تھی، بلکہ "اس عام بول چال کی طرف جو روزمرہ استعمال میں تھی"۔ گیکسٹن خود لکھتا ہے کہ "میں نے ایک پرانی کتاب کو لیکر پڑھا، اس کی انگریزی ایسی سخت اور اس قدر از کار رفتہ تھی کہ میں اسے بخوبی سمجھ بھی نہ سکا" پرانے انگریزی فرامین جو وسٹ منسٹر کے رئیس خانقاہ نے اپنے دفتر خانے سے نکال کر نمونے کے طور پر اسے دئے تھے، ان کی نسبت اس کا خیال تھا کہ وہ انگریزی کے بجائے ڈچ زبان میں معلوم ہوتے تھے" معہذا ایسے وقت میں جبکہ عام بول چال تک میں اس شدت کے ساتھ تغیرات ہو رہے تھے، مروج زبان کا اختیار کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، بقول گیکسٹن "اس وقت جو زبان استعمال

ہو رہی ہے، وہ اس سے بہت ہی مختلف ہے، جو میری پیدائش کے وقت مروج و مستعمل تھی۔ صرف اتنا ہی نہیں تھا، بلکہ ہر صوبے کی زبان میں اس قدر فرق تھا کہ ایک صوبے کی زبان دوسرے صوبے کے لئے تقریباً ناقابل الفہم تھی۔ ایک صوبہ کی عام انگریزی دوسرے صوبے کی انگریزی سے جس درجہ مختلف نہیں ہے، اس کا اندازہ میرے وقت کے ایک واقعہ سے اچھی طرح سے ہو سکتا ہے، چند تاجر زیلینڈ جانیکے ارادہ سے ٹیمز میں جہاز پر سوار ہوئے، مگر ہوا کی کمی کے باعث وہ فورلینڈ میں جہاز کو ٹھہرا کر بغرض تفریح خشکی پر چلے گئے۔ ان میں سے شیفیلڈ نامی ایک بزاز ایک گھر میں گیا اور کھانے کے لئے کچھ طلب کیا، اور بالتخصیص انڈے کی فرمایش کی گھر کی مالکہ نے جواب دیا کہ وہ فرانسیسی نہیں بول سکتی۔ سوداگر کو غصہ آیا کیونکہ وہ بھی فرانسیسی نہیں بولتا تھا، اس نے صرف انڈے مانگے تھے، مگر مالکہ مکان اس کی زبان کے سمجھنے سے قاصر تھی۔ آخر ایک دوسرے سوداگر نے ایک دوسرے لفظ کے ذریعہ سے اسی مطلب کو ادا کیا، اس وقت اس عورت نے کہا کہ اب اس نے اچھی طرح سمجھا پس بتاؤ اس زمانے میں کوئی کیا لکھے"۔ فی الحقیقت زبان کی اس تغیر کی وجہ سے ہر شخص کا خوش کرنا نہایت مشکل ہے"۔ خود اس کی زبان بھی" ویلڈ" واقع کنٹ کی زبان تھی۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہاں بھی ویسی ہی سخت دور از کار انگریزی بولی جاتی ہے۔ جیسی انگلستان کے اور دوسرے جگہوں میں رائج تھی" جب اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال کیا جائے کہ وہ مدت تک ملک سے باہر

فلینڈرز میں رہا تھا، تو پھر اس کے اس عذر تقصیر پر (جو اس نے اپنے پہلے ترجمہ میں پیش کیا ہے) متعجب ہونے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔ وہ لکھتا ہے کہ جب پانچ چھ جزو لکھنے کے بعد ان تمام امور سے مجھے سابقہ پڑا تو مجھے اس کام سے نا امیدی ہو گئی، اور میں نے یہ ارادہ کیا کہ اب اس کام کو ہرگز جاری نہ رکھوں گا، ان اجزا کو میں نے الگ رکھدیا اور دو برس تک پھر ادھر توجہ نہیں کی"۔

علم ادب اور طبقۂ امرا

مگر بااین ہمہ جس وقت کیکسٹن کا انتقال ہوا ہے، وہ ترجمہ کرنے میں مشغول تھا، فی الحقیقت اس کی محنتوں سے علم ادب کے متعلق جو عام دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، اس نے تمام مشکلات کو آسان کردیا۔ جب فسانہ زرین میں طول ہو جانے کی وجہ سے اسے انجام کو پہنچانے سے گونہ مایوسی ہو گئی اور وہ اسے چھوڑ دینے پر آمادہ ہو گیا، تو ارل ارنڈل نے اس کی خوشامد کی کہ وہ اسے ہرگز ترک نہ کرے، اور اس کے مکمل ہو جانے پر ہر سال گرمی میں، ایک ہرن اور جاڑے میں ایک ہرنی نذر کرنے کا وعدہ کیا"۔ ملک کے اور بہت سے امرا اور مختلف معززین نے مجھ سے باربار دریافت کیا کہ میں نے سان گرال San Graol کی سی نفیس تاریخ کیوں نہیں چھاپی"۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس صاحب فراست اہل مطبع کے ملاقاتی اس سے آرتھر کے وجود پر تاریخی بحث کر رہے ہیں سمرسٹ کی ڈچز مارگیرٹ اسے اپنی "بلانشارڈین اور انگلنٹین" Blanctor dine & Englantine عاریت دیتی ہے کو لچسٹر کا ایک آرچ ڈیکن اپنی مترجمہ کتاب "کیٹو" اسکے پاس لاتا ہے، لندن کا ایک بزاز اس پر زور دیتا ہے کہ

وہ فلپ خوبرد کی کتاب شاہی کا ترجمہ کرے۔ ملکہ کا بھائی ارل ریورز اپنے ترجمہ "مقولات فلاسفہ" کے متعلق اس سے گفتگو کرنے آتا ہے۔ بادشاہوں تک نے اس کے تالیفات کو دلچسپ سمجھا اس کی کتاب ٹلی اڈورڈ چہارم کی سرپرستی میں طبع ہوئی "آرڈر آف شیولیری" رچرڈ سوم کے نام پر معنون کی گئی۔ فیٹز آف آرمز" ہنری ہفتم کی خواہش سے شایع ہوئی؛ اس کے وقت میں وسیع و شاندار کتبخانوں کا شوق فرانسیسی بادشاہوں سے گزر کر انگریز بادشاہوں میں بھی پیدا ہو گیا تھا۔ ہنری ششم کے پاس کتابوں کا ایک بیش قیمت مجموعہ تھا، لوور کے کتب خانہ پر گلوسٹر کے ڈیوک ہمفری نے قبضہ کرلیا تھا، اور اسی سے اس نفیس کتب خانہ کی بنیاد قائم ہوئی؛ جسے اس نے بعد ہی دارالعلوم آکسفورڈ کی نذر کردیا۔ بڑے بڑے امرا اس علم تجدید میں عملی و ذاتی طور پر شریک تھے، کتابوں کے ساتھ جنگجو سرجان فاسٹالف کی الفت زبان زد عام تھی۔ ارل ریورز بذات خاص اس زمانے کے مصنفین میں شامل تھا۔ زیارتوں اور ملکی معاملات کی مصروفیتوں کے درمیان اسے اتنا موقع مل جاتا تھا کہ اس نے کیکسٹن کے مطبع کے لئے "مقولات فلاسفہ" اور دو مذہبی رسالوں کا ترجمہ کرڈالا، لیکن کیکسٹن کو جن امرا کی دوستی حاصل ہوگئی تھی، ان میں سب سے زیادہ ذی امتیاز عالم جان ٹپٹاف (ارل ورسٹر) تھا، ہنری ششم کے زمانے میں طلب علم کے شوق میں وہ مدتوں اطالیہ میں سرگرداں رہا، وہاں کے متعدد دارالعلوم میں تعلیم حاصل کرکے وہ پادوا میں معلم ہو گیا، جہاں اسکی لاطینی کے

لطف بیان نے عالم ترین پوپ پائس دوم (مشہور بہ اینیس سلویس) کی آنکھوں سے آنسو جاری کردئے۔ کیکسٹن کو مناسب الفاظ نہیں ملے جس میں وہ اپنے وقت کے صلاح و دانش کے اس گل سرسبد کی وقعت کا اظہار کرسکے" وہ لکھتا ہے کہ میں دنیاوی امرا میں کسی کو نہیں جانتا جو علم و اخلاق میں اس کا نظیر ہو' مگر اس علمی قوت کے ساتھ ہی ساتھ نشاۃ جدیدہ کی سفاکی بھی پیناف میں موجود تھی۔ اور جس شخص نے اپنے مظالم کی وجہ سے خانہ جنگی کے سے ہولناک زمانے میں "قصاب" کا لقب پایا ہو اس کے زوال پر سوا اس وفاشعار صاحب مطبع کے اور کسی نے اظہار افسوس نہیں کیا۔ اس کے زوال کے بہت دنوں بعد کیکسٹن ایک دیباچے میں لکھتا ہے کہ" اس پاکباز و نیکدل امیر کا زوال کیسی سخت مصیبت کا باعث ہوا' میں جب اسے یاد کرتا ہوں اور اس کی زندگی' اس کے علم اور اس کی نکوکاری کو مشتہر کرتا ہوں' تو میں اسکی دولت و علم کے لحاظ سے اس کے زوال کو ایک بڑی مصیبت خیال کرتا ہوں' (خدا اس سے ناخوش نہ ہو)۔"

رچرڈ سوم جن امرا نے کیکسٹن کی ہمت افزائی کی تھی ان میں ہم بادشاہ کے سب سے چھوٹے بھائی رچرڈ ڈیوک گلوسٹر کو بھی دیکھ چکے ہیں۔ اڈورڈ کی طرح وہ بھی بیرحم و چالاک تھا' اور بادشاہ کے بعد جب ایک تیرہ برس کے لڑکے کے تخت نشین ہونے سے دربار میں پھر رقابتوں کی گرم بازاری ہوئی' تو ڈیوک نے ایک بہت ہی بے باکانہ منصوبہ گانٹھ کر معاملات ملکی میں سب سے آگے قدم ۱۴۸۳

بڑھایا۔ بادشاہ کے مرتے ہی اس نے نہایت عجلت کے ساتھ اپنے بھتیجے اڈورڈ پنجم کو اپنے قابو میں کر لیا، ملکہ کے خاندان کی قوت کو توڑ دیا اور مجلس شاہی کی جانب سے "محافظ ملک" کا منصب اپنے لئے حاصل کرلیا، ایک مہینے سے زیادہ نہیں گزرا تھا کہ اس نے یکایک ایوان مجلس میں داخل ہوکر لارڈ ہیسٹنگز پر یہ الزام لگایا کہ وہ جادوگر ہے، اور جادو کے زور سے اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ لارڈ ہیسٹنگز شاہ سابق کا خاص مشیر اور اس کے لڑکوں کا خاص حامی تھا، ڈیوک نے اپنا ہاتھ میز پر پٹکا اور معاً کمرہ سپاہیوں سے بھر گیا، پھر اس نے خود ہیسٹنگز کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ" میں اس وقت تک کھانا بھی نہیں کھاؤنگا جب تک کہ یہ سپاہی تمہارا سر میرے سامنے لاکر نہ رکھدیں۔" اس کہنے کے ساتھ ہی سپاہیوں نے اس زبردست وزیر کو بعجلت تمام صحن میں لیجاکر اس کا سر اڑا دیا۔ یارک کا اسقف اعظم اور ایلی کا اسقف دونوں قید خانے میں ڈال دئے گئے، اور رچرڈ کی خوشی میں جس قسم کی بھی کوئی دقت حائل ہوئی سب رفع کردی گئی۔ اب صرف ایک قدم اٹھانا باقی رہ گیا تھا، اور رچرڈ نے اپنے بھائی کے مرنے کے دو مہینے کے بعد اظہار ناگواری کے ساتھ اس درخواست کو قبول کرلیا جو ہر طبقات رعایا کی طرف سے امرا اور چند دوسرے اشخاص کے نام سے پیش کی گئی تھی۔ اس درخواست میں اڈورڈ کے لڑکے اس بنا پر وراثت سے محروم کردئے گئے تھے کہ وہ ناجائز عقد سے پیدا ہوئے تھے، اور کلیرنس کے لڑکے اس کی جائداد ضبط

ہو جانکی وجہ سے محروم قرار دئے گئے تھے، اس لئے رچرڈ سے التجا کی گئی کہ وہ شاہی منصب و خطاب کو قبول کرے۔ اس کے نوعمر بھتیجے اڈورڈ پنجم اور ڈیوک یارک ٹاور میں قید کر دئے گئے، اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہیں اپنے چچا کے حکم سے قتل کر دئے گئے۔ ملکہ کے بھائی اور بیٹے یعنی لارڈ ریوزر اور سر رچرڈ گرے کا بہت ہی جلد خاتمہ کردیا گیا۔ مورٹن، (اسقف ایلی) بکنگھم کی نگرانی میں ویلز میں قید تھا، اس نے ان دونوں لڑکوں کے نہ رہنے سے ایک تجویز یہ نکالی کہ بدل اہل یارک کو لینکیسٹر والوں کے چند پس ماندہ اشخاص سے متحد کرکے ایک وسیع سازش قائم کی جائے۔ ہنری چہارم کی اولاد میں اب کوئی باقی نہیں رہا تھا، البتہ جان اگانٹ کے سلسلہ میں کچھ لوگ موجود تھے، خاندان سمرسٹ کی آخری یادگار لیڈی مارگیرٹ بوفرٹ، نے اڈمنڈ ٹیوڈر (ارل رچمنڈ) سے عقد کرلیا تھا، اور ہنری ٹیوڈر اسی کا بیٹا تھا، جس قانون کی رو سے خاندان بیوفورٹ کو جائز قرار دیا گیا تھا، اس میں ہنری چہارم نے خلاف انصاف ایک شرط یہ لگادی تھی، کہ وہ تاج کے وارث نہ ہوسکیں گے۔ مگر ہنری ٹیوڈر خاندان لینکسٹر کی آخری نشانی تھا، اور اس کے طرفدار اس کے حق کو مسلم سمجھتے تھے، اور یہی باعث تھا کہ شاہان یارک اس سے حاسدانہ عناد رکھتے تھے اور اسے بھاگ کر بریٹنی میں پناہ لینا پڑی تھی۔ مورٹن کی تجویز یہ تھی کہ اڈورڈ چہارم کی بیٹی اور وارثہ الیزبیتھ سے ہنری ٹیوڈر کا عقد کردیا جائے، اور بکنگھم کی مدد سے ایک سخت بغاوت برپا کی جائے، مگر بغاوت

۱۴۸۳ شروع ہی میں فوراً دبادی گئی۔ رچرڈ کی طبیعت جیسی جری تھی ظاہر ہے، مگر تخت پر اس نے محض اپنے زور بازو کے اعتماد پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے عہد میں بغور دیکھتا رہا تھا کہ شاہی کے جدید طرز عمل سے عام نفرت بڑھ رہی ہے، اور عوام سے اس بنا پر اسے اپنی تائید کی توقع تھی کہ اس نے قدیم آزادی کو بحال کردیا تھا۔ لندن کے شہریوں نے بادشاہ کو ایک درخواست دی تھی، اور اس میں لکھا تھا۔ "ہم شدائد کے برداشت کرنے اور اپنی جانوں کو موت کے خطرات میں ڈالنے کے لئے تیار ہیں، مگر غلامی و پابندی میں جس طرح زندگی بسر کرتے رہے ہیں، اس طرح زندگی آیندہ بسر نہیں کرنا چاہتے۔ خدا اور انسان کے قوانین اور اس ملک کے مسلمہ قوانین و آزادی کے خلاف (جو ہر انگریز کا خلقی حق ہے) ہم پر ظلم ہوتے رہے ہیں، اور ہم سے نئے نئے طرح کے محصولات جبراً وصول کئے جاتے ہیں"۔ ہم لکھ چکے ہیں، کہ اڈورڈ کے زمانہ میں پارلیمنٹ کے اجلاس بالکل ہی بند ہوگئے تھے، رچرڈ نے اس درخواست کے جواب میں پارلیمنٹ کو ازسرنو طلب کیا، اور اصلاحات کے نہایت وسیع الاثر قوانین نافذ کرنا شروع کئے۔ اس کے مختصر دور حکومت کے ایک ہی نشست پارلیمنٹ میں "پیشکشوں" کے ذریعہ
۱۴۸۴ سے روپیہ حاصل کرنا ناجائز قرار دیا گیا، لوگوں کو معافی دی گئی، اور بہت سی ضبط شدہ جائدادیں واپس کی گئیں۔ ان کارروائیوں سے اڈورڈ کے طرز عمل کا وہ خوف کسی قدر رفع ہو گیا جو ملک پر طاری ہوگیا تھا اور جس سے اس نے اپنا خزانہ بھر لیا تھا کثیر التعداد

قوانین کے نفاذ سے یہ معلوم ہونے لگا کہ پارلیمنٹ خواب سے بیدار ہوکر اجرائے قوانین کی طرف متوجہ ہوگئی ہے۔ مسلسل تجارتی قوانین کے ذریعہ سے اغراض تجارت کی ترقی و حفاظت کی کوشش کی گئی، علم ادب کی طرف بادشاہ کی توجہ اسی حکم سے ظاہر ہوئی کہ "کسی قوم یا ملک کا کوئی دستکار یا تاجر کسی قسم کی کوئی مطبوعہ یا قلمی کتاب خردہ فروشی یا تھوک فروشی کے لئے اس ملک میں لائے تو از روئے قانون اس میں کسی طرح پر روک نہ پیدا کی جائے۔ اڈورڈ کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ اثبات جرم کے قبل ہی مال و اسباب ضبط کرلیا جاتا تھا رچرڈ نے اس طریقے کو منسوخ کردیا، شاہی جاگیر میں اب تک جس قدر غیر آزاد غلام باقی رہ گئے تھے، ان سب کو اس نے آزاد کردیا، مذہبی عمارات کی تعمیر کی طرف خاص توجہ کی۔ ان تمام امور سے رچرڈ کی اس سخت تشویش کا اظہار ہوتا ہے کہ کیونکر وہ اپنے ابتدائے عہد کی خونریزی کو عام ہر دلعزیزی سے بدلنا چاہتا تھا، مگر شاہ متوفی کے بچوں کے قتل کی خبر آہستہ آہستہ پھیلتی جاتی تھی، اور بے رحم سے بے رحم شخص بھی اس کی اس انتہا کی خونخواری کو سن کر مبہوت ہو جاتا تھا، آئینی حکمرانی کا پردہ بھی جلد تر اٹھ گیا، اور نئے جاری شدہ قانون کے خلاف متواتر پیشکشوں کے وصول کرنے سے عوام کا غصہ بھڑک اٹھا، مگر بادشاہ اپنے کو محفوظ سمجھتا تھا، اس نے شاہ متوفی کی ملکہ سے الیزبیتھ کے ساتھ عقد کرلینے کی منظوری بھی حاصل کرلی تھی۔ اور ہنری کی طرف سے کچھ ایسا خطرہ نہیں معلوم ہوتا تھا، کیونکہ وہ تنہا جلاوطنی میں

پڑا ہوا تھا، مگر جب ہنری ملفرڈ ہیون میں اترا اور ویلز کی طرف بڑھا تو فوراً ایک وسیع سازش کا اظہار ہو گیا، بوسورتھ فیلڈ واقع لیسٹر شائر میں جب ہنری شاہی فوج کے مقابل آیا تو آن واحد میں غداری نے جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ آغاز جنگ کے قبل ہی لارڈ سیٹلی کے تحت میں فوج کا ایک حصہ رچرڈ کو چھوڑ کر ہنری سے جا ملا تھا، جنگ کے شروع ہوتے ہی ارل نارتھمبرلینڈ کی سرکردگی میں ایک دوسری جماعت بھی روگرداں ہو گئی، رچرڈ "غداری۔ غداری" کا شور مچاتا ہوا عین اس مقام پر حملہ آور ہوا، جہاں لڑائی کا سب سے زیادہ زور تھا، مایوسانہ جوش غضب میں اس نے لینکیسٹر کے علم کو زمین پر گرا دیا، اور اپنے رقیب کے سامنے تک پہنچ گیا، مگر کثرت تعداد سے مغلوب ہو کر مارا گیا، اس کا تاج اختتام جنگ پر ایک جھاڑی میں پڑا ہوا ملا، اور اسی وقت فاتح کے سر پر رکھدیا گیا۔ بوسورتھ فیلڈ

ہنری ہفتم کی تخت نشینی سے ان خونریز خانہ جنگیوں کا طویل سلسلہ ختم ہو گیا، اور الیزبیتھ اور ہنری کے عقد کی وجہ سے دونوں متخاصم خاندان متحد ہو گئے۔ ہنری کے رقیب صرف اڈورڈ کے دو قریبی رشتہ دار تھے، جن میں سے ایک اس کا بھانجا جان ڈی لاپول (ارل لنکن تھا) جسے رچرڈ سوم نے اپنا جانشین تسلیم کیا تھا، اور دوسرا اس کا بھتیجا یعنی ڈیوک کلیرنس کا بیٹا ارل وارک تھا، اور یارک کے سلسلہ کے ورثۂ ذکور میں یہی سب میں مقدم تھا، مگر ان دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا، اور اس طرح یہ خطرہ ہنری ہفتم

۱۴۸۷ بھی جاتا رہا۔ دو قابل الذکر فرضی شخصوں کو کچھ دنوں کے لئے مہیب
بغاوتیں برپا کرنے میں کامیابی ہوگئی تھی' ان میں سے ایک لیمبرٹ
سمنل تھا' جو ارل وارک بن بیٹھا تھا' اور دوسرا پرکن واربک
۱۴۹۲ تھا جو ڈیوک یارک بنا ہوا تھا' (ملحوظ رہے کہ ڈیوک یارک
اڈورڈ پنجم کا چھوٹا بھائی تھا' اور ٹاور میں مارا جا چکا تھا)
شکست نے پہلے شخص کو شاہی باورچیخانہ کا مشعلچی بنا دیا' اور دوسرا
نہایت ہی حیرت انگیز مہمات کے سر کرنے اور اسکاٹلینڈ و فرانس
کے بادشاہوں اور برگنڈی کی بیوہ ڈچز سے (جسے اس نے اپنی
چچی بنایا تھا) اپنے حقوق تسلیم کرانے کے بعد گرفتار ہوا' اور چار
برس بعد ٹائبرن میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ فن جنگ میں ترقی
۱۵۰۱ ہونے کی وجہ سے شاہی جدید کو جو طاقت حاصل ہو گئی تھی'
اس کا ثبوت ان بغاوتوں سے بہت ہی صاف طور پر مل گیا۔
بارود کے رواج نے نظام جاگیرات کو تباہ کر دیا تھا' سوار و زرہ پوش
نائٹ کی جگہ ذلیل پیادوں نے لے لی تھی۔ ازمنہ وسطی کے
حملوں کے مقابلہ میں جن قلعوں کو ناقابل التسخیر سمجھا جاتا تھا' وہ
نئے توپخانوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتے تھے' اگرچہ بارود
کا استعمال جنگ کریسی کے وقت سے رائج ہو چکا تھا' مگر خاندان
لینکیسٹر کے تخت نشینی کے قبل فوجی کاموں میں اس کا موثر
طور سے استعمال شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کے استعمال سے
طریق جنگ میں فوری انقلاب ہو گیا' ہنری پنجم کی تمام لڑائیاں
محاصرات کی لڑائیاں تھیں' وارک جسے تفنناً آخری بیرن کہتے

ہیں، وہ زیادہ تر اپنے توپخانہ ہی پر بھروسہ کرتا تھا۔ توپخانہ ہی نے بارنٹ اور ٹیوکسبری میں جنگ کا پانسہ پلٹ دیا، اور اسی سے ہنری ہفتم پیش آنے والے مہیب خطرات پر فتح حاصل ہوئی، اس تغیر سے بادشاہ کو جو قوت حاصل ہوگئی تھی، اس کا مقابلہ بالکل ہی ناممکن تھا۔ ازمنہ وسطی میں ایک ذی مقتدر بیرن کا اُٹھ کھڑا ہونا ایک بڑی بغاوت کے لئے کافی تھا، مگر اب وہ زمانہ گزرگیا جب عوام الناس اپنے دودکش کے کونوں سے اپنی کمانیں اتار لیتے، نائٹ اپنی زرہیں پہن لیتے، اور چند دنوں کے اندر ہی اندر بادشاہ کو ایک پوری فوج کے مقابلہ کا خطرہ پیش آجاتا، توپخانے کے بغیر اس قسم کی فوج بیکار محض تھی، اور ملک میں ایک ہی توپخانہ تھا اور وہ بادشاہ کے قبضہ میں تھا۔ اپنی اسی قوت کے احساس نے نئے بادشاہ کو اس قابل بنادیا کہ وہ خاموشی کے ساتھ اڈورڈ چہارم کی حکمت عملی پر کاربند ہوجائے یہ صحیح ہے کہ سلسلہ نسب کے لحاظ سے اسے مجبور ہونا پڑا کہ اپنے حق شاہی کو پارلیمنٹ کے عطا کئے ہوئے منصب پر مبنی کرے استحقاق نسب یا فتح کا کسی قسم کا ذکر مذکور کئے بغیر ہر دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے یہ طے کردیا تھا کہ "ہمارے اعلیحضرت شاہ ہنری ہفتم تاج کے وارث ہیں، اور آئندہ بھی تاج کے مالک رہینگے، اور ملک معظم ہی کی جائز اولاد میں بادشاہت قائم رہے گی"، مگر ہنری نے اڈورڈ کے طرز عمل کی پوری تقلید کی اور اپنے عہد کے آخری تیرہ برس میں صرف دو بار پارلیمنٹ کو طلب کیا، فی الحقیقت

بادشاہ کا خاص مقصد یہ تھا کہ وہ ایک ایسا خزانہ جمع کرلے جس سے آیندہ وہ پارلیمنٹ کی مدد سے بے نیاز ہو جائے، جنگ کے لئے ایک خاص امداد منظور کی گئی تھی، مگر ہنری نے کسی نہ کسی طرح جنگ کو ٹال کر اس رقم کو جمع کرلیا، اور اسی کو اپنے خزانے کی بنیاد قرار دیا، تاج کے ساقط العمل حقوق کی تجدید، ازیاد رفتہ لگانوں کے ادا نہونے پر جرمانے اور اسی قسم کی لاتعد جبر و ظلم سے اس نے اپنے خزانے کو بھرلیا؛ اس کے مورد عنایت وزیر مورٹن نے ایک عجیب اجتماع ضدین کی صورت پیدا کی تھی، اور یہ طریقہ اسی کے نام پر "مارٹن کا پھندا" کہلاتا تھا۔ جو لوگ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ رہتے تھے، ان سے اس بنا پر خزانے کے لئے نذرانے طلب کئے جاتے تھے کہ ان کی دولت و ثروت عیاں ہے، اور جو لوگ سادی زندگی بسر کرتے تھے، ان پر یہ حجت قائم کی جاتی تھی کہ کفایت شعاری کی وجہ سے ضرور ان کے پاس دولت جمع ہو گی۔ بادشاہ کی حکومت میں جن شورشوں سے رخنہ پڑا تھا، ان میں جن لوگوں کے ساتھ رعایت کی گئی، ان سے اور بھی زیادہ بڑی بڑی رقمیں وصول کی گئیں یہ کوششیں اس قدر کامیاب ثابت ہوئیں کہ ہنری اپنے جانشین کے لئے بیس لاکھ پونڈ چھوڑ مرا۔ ملکی نظم و نسق میں بھی اسی طرح اڈورڈ کے طرز عمل کی نقل کی گئی۔ طبقہ بیرن کی طاقت اگرچہ ٹوٹ گئی تھی، مگر اب بھی ایسے امرا موجود تھے، جنہیں بادشاہ رقیبانہ نظر سے دیکھتا تھا، ان کی طاقت کا انحصار ان متوسلین پر تھا جو ان کے گھروں کے گرد جمع رہتے تھے، اور شورش کے وقت امرا

انہیں سے ایک فوج بنا لیتے تھے، اور حالت امن میں وہ ہر طرح کی زیادتیوں اور نقض قانون کا مرکز بنے رہتے تھے۔ اڈورڈ نے اپنے "وردیوں کے قانون" میں ان صاحب فوج خاندانوں کے توڑ دینے کا حکم دیا تھا، اور ہنری نے نہایت ہی سختی کے ساتھ اس قانون پر عمل کیا۔ ارل آکسفورڈ، خاندان لینکیسٹر کا نہایت ہی طرفدار تھا، اور ہنری جب ایک بار اس سے ملنے گیا تو اس کے استقبال کے لئے وردی پہنے ہوئے خدام کی دو قطاریں کھڑی تھیں۔ رخصت کے وقت ہنری نے کہا کہ "مائی لارڈ، آپ کی اعلیٰ مہمان نوازی کا میں شکر گزار ہوں، مگر میں یہ نہیں دیکھ سکتا، کہ میری نظر کے سامنے میرے قانون کی اس طرح بیحرمتی کی جائے۔ میرا مختار کار آپ سے گفتگو کرے گا۔" ارل خوش ہوا کہ اسے صرف دس ہزار پاونڈ جرمانہ دینا پڑا۔ خاص اسی خطرے کے دبانے کی نظر سے ہنری نے مجلس شاہی کے فوجداری اختیارات استعمال کئے۔ اس نے مجلس شاہی کی ایک کمیٹی بطور مستقل کورٹ آف عدالت کے مقرر کی یہ عدالت اپنے مقام نشست کی نام سے کورٹ آف اسٹارچیمبر عدالت ستارہ منزل کہلانے لگی۔ غالباً بادشاہ کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں تھا کہ وہ بڑے بڑے امرا کو خود اپنی عدالت کے روبرو طلب کرکے ملک میں امن قائم کرے مگر جب اس عدالت کے رواجی اختیارات کو پارلیمنٹ کی تصدیق بھی حاصل ہوگئی، اور اس کے اجلاس گاہ بیگاہ ہونیکے بجائے مستقل طور پہ ہونے لگے اور جوری (پنچ) کے نہ ہونے سے ملزم کا یہ حق بھی جاتا رہا کہ اس کا فیصلہ اسکے ہمسر کریں، تو ہنری کے بیٹے کو ایک نہایت ہی کارآمد ذریعہ ظلم و ستم کا ہاتھ آگیا۔ ہنری کا

طرز عمل اگرچہ برابر مطلق العنانی کی طرف مائل رہا مگر اس کے انداز طبیعت سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ ایک مدبر کے بجائے ایک خواب دیکھنے والے شاعر کی طرح حکمرانی کرے گا۔ اس کے نحیف جسم، زرد چہرے، تیز آنکھ، شرمیلی طبیعت، اور تنہائی پسندی کی رغبت کے ساتھ دلپذیر گفتگو اور پرلطف طنز کی آمیزش سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ صفات مختلفہ کا مجموعہ اور ایک پرجوش شخص ہے۔ اسے علوم اور صنعت و حرفت سے بھی دلچسپی تھی، وہ نئے چھاپے خانے کا مربی تھا، اور کتابوں اور صنعتوں سے اسے خاص رغبت تھی۔ مگر مراحل زندگی نے ہنری کو شیریں خواب دیکھنے اور علوم و فنون حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا، غیر ملکی سازشی تجاویز میں گھرے ہونے اور اندرون ملک کے خطرات کی کشمکش میں پڑے ہونے کے باعث ہنری کو اپنے عہد کے اس بڑی علمی ترقی میں خود کچھ کرنے کا بہت کم موقع ملا جو "تجدید علوم" کے نام سے موسوم ہے ؀

جزو چہارم

علوم جدیدہ

۱۵۰۹ — ۱۵۲۰

اسناد۔ مسٹر ہیلم نے اس عہد کی عام علمی تاریخ بہت شرح وبسط اور صحت کے ساتھ "ادبیات یورپ" Literature of Europe میں بیان

کی ہے: "انگریزی شاعری کی تاریخ" History of English Poetry میں وارٹن نے ژولیدہ مگر دلچسپ طور پر اسی پہلو کو دکھایا ہے۔ مور کی تصنیف یوٹوپیا اس "دور تجدید" کا آئینہ ہے، اور اس کا سب سے زیادہ رائج نسخہ وہی ہے جو ایلزبیتھ کے عہد میں مرتب ہوا اور جسے ۱۸۶۹ء میں "طبع ثانی کتب انگریزی" English Reprints کے تحت میں مسٹر آربر نے شایع کیا ہے۔ ارتیمس کے قیام انگلستان کی تاریخ خود اسی کے دلپذیر خطوط میں دیکھنا چاہئے۔ ان میں سے بعض کا خلاصہ جارٹن کی مشہور و معروف سوانح عمری میں بھی ملے گا۔ کالٹ کے کارنامے اور "دور تجدید" کے مذہبی پہلو کو مسٹر سیبوم نے "۱۴۹۸ء کے مصلحان آکسفورڈ" The Oxford Reformers of 1869 کے اندر نمایاں کیا ہے۔ وارہم نے جو کام انجام دے، اس کے متعلق میں نے خود اپنے ایک مضمون "لیمبتھ و اساقفۂ اعظم" Lambeth & the Arch Bishops سلسلۂ "اسٹرے اسٹڈیز" Stray Studies سے بھی کسی قدر اقتباس کیا ہے۔]

تعلیمات جدیدہ

ہنری کی حکمت عملی کے نتائج اگرچہ بہت ہی عظیم الشان تھے مگر جو پرزور تحریکیں اب لوگوں کے دلوں کو ابھار رہی تھیں ان کے مقابلے میں وہ بالکل ہی ہیچ معلوم ہوتے تھے عیسائیت کی فتح رومی سلطنت کے زوال کے بعد سے دنیا کو کبھی اتنے بڑے تغیرات سے سابقہ نہیں پڑا تھا، جیسے اب پیش آرہے تھے، دنیا کے حدود خارجی میں دفعتہً وسعت پیدا ہوگئی تھی۔ کوپرنیکس کے انکشافات نے کائنات کے راز سے پردہ اٹھا دیا، پرتگال کے ناخداؤں نے راس امید کا چکر لگا کر اپنے تجارتی بیڑے ہندوستان کے بندرگاہوں میں لنگر انداز کردئے۔ کولمبس نے اس بحر محیط کو قطع کیا جس میں اب تک کسی کا گذر نہیں ہوا تھا، اور پرانی دنیا میں ایک نئی دنیا کا اضافہ کردیا۔

سبیٹین، برسٹل کے بندرگاہ سے روانہ ہوکر تودہائے برف میں راستہ نکالتا ہوا لیبریڈور پہنچ گیا۔ نئی سرزمینوں، نئے مذہبوں، اور نئی نسلوں سے اس طرح یک بیک سابقہ پڑ جانے سے یورپ کی خوابیدہ قوت ذہنی میں ایک عجیب قسم کا استعجاب پیدا ہوگیا۔ دریائی سفروں کی پہلی کتاب جس میں مغربی دنیا کا مذکور تھا، امیرالبحر ویسپچی کے سفرنامے تھے۔ یہ کتاب بہت جلد ہر شخص کے ہاتھ میں "پہنچ گئی"۔ مور کی کتاب یوٹوپیا" انسانی خیال و عمل کے ہر صف پر حاوی ہے، اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کے تنگ حدود کیسے کامل و قطعی طور پر ٹوٹ گئے تھے۔ قسطنطنیہ پر ترکوں کے قابض ہو جانے اور یونانی علما کے وہاں سے بھاگ کر سواحل اطالیہ پر چلے جانے سے قدیم علم و ادب کا مخزن ازسرنو عین اس وقت کھل گیا جبکہ "ازمنہ وسطیٰ" کی ذہنی قوت تھک کر بیکار ہو چکی تھی۔ اطالیہ نے ان جلاوطن یونانی علما کا خیر مقدم کیا، اور فلورنس جو اب تک آزادی و صنعت کا مرکز رہا تھا، اب علمی تجدید کا مرکز بن گیا۔ ہومر کی شاعری، سوفوکلیس کا ڈراما، ارسطو و افلاطون کا فلسفہ، اس عظیم الشان گنبد کے سایہ میں پھر جاگ اٹھا، جسے برونیلیشی نے حال ہی میں دریار آرنو کے قریب (فلورنس میں) تیار کیا تھا، اور جو تمام شہر کی عمارتوں کا سرتاج تھا۔ فلورنس نے ابتک آزادی کی حمایت میں ہر طرح پر قوت صرف کی تھی، لیکن اب کہ خود اس کی آزادی چھن گئی تھی، اس نے اپنی قوت علم کی حمایت میں لگا دی۔ اس کے سوداگروں کے جہازات مشرق سے قلمی کتابیں لاتے تھے، اور ان کے تمام ذخائر میں

یہی کتابیں سب سے زیادہ قیمتی ذخیرہ سمجھی جاتی تھیں۔ اس کے امرا کے محلات میں گرلانڈایو کی پچی کاری کئے ہوئے طاقچوں کے اندر زمانۂ قدیم کے مجسمات کے ٹکڑے سجائے جاتے تھے۔ سیسرو کی کوئی کتاب ٗسیلسٹ کا کوئی رسالہ کسی خانقاہ میں دبا دبایا ملجاتا تھا تو فلورنس کے مدبر و اہل فنٗ روچیلائی کے باغات میں جمع ہوکر نہایت جوش کے ساتھ اس کا خیر مقدم کرتے تھے۔ زبان یونانی اس نئے علم کی کنجی تھی، اور غیر ملکوں کے طلبہ فلورنس کے معلمین سے اس زبان کے سیکھنے کے لئے کوہستان آلپس کو قطع کرکے آتے تھے۔ انگریزوں میں شاید نیو کالج آکسفرڈ کا فیلو (رفیق) گروسن پہلا شخص تھا، جس نے یونان
١٤٩١ کے ایک جلاوطن کالکوندلاس سے تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے آکر اس نے آکسفورڈ میں یونانی زبان کے متعلق لکچر دئے، اور یہیں سے انگریزی تاریخ علمی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، یونان کے قدیم علما کے اس طرح دوبارہ آشکار ہو جانے سے جسمانی و ذہنی دونوں قوتیں بیدار ہوگئیں، اور انگریزی سائینس کی مسلسل ترقی کا آغاز اسی دن سے سمجھنا چاہئے، جس دن آکسفورڈ کا ایک دوسرا طالب علم لائی نیکر فلورنسی پولیشن کے درس سے واپس آیا اور اس نے جالینوس کی کتاب کا ترجمہ کرکے علم طب کی قدیمی روایات کو از سر نو زندہ کردیا۔

کالٹ بمقام آکسفورڈ

مگر اول ہی سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ انگلستان میں یہ "علمی تجدید" اطالیہ سے بالکل ہی الگ رنگ اختیار کرلے گی۔ اس میں ادبیات و ہمدردی انسانی کا جزو کسی قدر کم ہوگا، مگر تمدن، و

سیاست پر اثر ڈالنے میں اس کا اخلاقی، مذہبی، اور علمی رنگ بڑھا ہوا رہیگا۔ انگلستان اور قوم ٹیوٹن کے دوسرے تمام ممالک میں عقائد عیسائیت کی ایسی بیداری جو قرین عقل ہو جان کالٹ کے اطالوی علوم کے مطالعہ سے شروع ہوئی، اور انگریزوں کے مذہب پر اس تحریک سے جو گہرا اثر پڑنے والا تھا، اس کا بہترین ثبوت خود کالٹ کا جوش و صدق تھا۔ وہ جب انگلستان میں واپس آیا ہے تو افلاطونی صوفیت اسے چھو تک نہیں گئی تھی، نہ اس پر اس لمحدانہ رعونت کا کچھ اثر پڑا تھا جو لارنزو "ذیشان" کے طلبہ کی عام خصوصیت تھی۔ ان کے علمی جوش سے بھی وہ کچھ زیادہ متاثر نہیں ہوا تھا۔ زبان یونانی کے حاصل کرنے سے اس کی صرف ایک غرض معلوم ہوتی ہے یعنی واقفیت زبان یونانی ہی وہ کنجی تھی جس سے کتب مقدس کے قفل کھل سکتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح ایک نیا مذہبی میدان ہاتھ آجائے گا۔ اس نے یہ عزم کرلیا تھا کہ اپنے وقت کے روائتی معتقدات کو ترک کرکے خود انجیلوں سے ایک معقول مذہب کا پتہ لگائے۔ اور یہی وہ عزم تھا جس نے "نشاۃ جدیدہ" کے دینیات میں خاص انداز پیدا کردیا، اس کا اعتقاد صرف اس امر پر مبنی تھا کہ حضرت عیسٰی کی شخصیت کو صاف طور پر سمجھ لیا جائے۔ اس رائے کی اخلاق و خیالات پر ایک نمایاں تاثیر، قدیم نسخہائے انجیل کی آزادانہ تنقید، اور معتقدات و مسلمات مذہبی میں سادگی کی طرف میلان یہی وہ خصوصیات تھے، جن کے ذریعے سے کالٹ نے اس مذہبی طرز خیال کی بنا ڈالی جو ازمنہ مابعد کے

اصلاح مذہبی" سے اسی قدر مغائر تھی، جس قدر خود کیتھولک کے خلاف تھے۔ ازمنہ وسطیٰ نے دینیات کو معمیٰ و استعارات سے مزین کرنے اور اسے پُراسرار بنانے میں جس قدر دماغی قوت صرف کی تھی، وہ سب اس ایک ضرب سے پاش پاش ہوگئی کہ کالٹ نے کتب مقدس کی اصل عبارت کے لغوی و تاریخی مفہوم کے سوا اس سے اور کسی طرح کا مطلب نکالنے سے یکقلم انکار کردیا۔ ازمنہ وسطیٰ کے علما نے اعتقادات کی جو ایک بڑی عمارت بنا کر کھڑی کی تھی اسے وہ محض "پرانے علما" کے مزخرفات" سمجھتا تھا۔ اسے بانی مذہب کے اقوال و افعال میں ایک سادہ و قرین عقل عیسائیت نظر آئی تھی اور اس کے نزدیک اس کا بہترین اظہار حواریین کے حالات سے ہوتا تھا۔ اس نے اسی کو اختیار کرلیا تھا اور" باقی تمام امور کے لئے" اس نے بے تامل یہ کہدیا کہ" علمائے دین جسطرح جھگڑتے ہیں جھگڑتے رہیں" مروجہ مذہب کے زیادہ عامیانہ صورتوں کی نسبت اس کے خیال کا سرسری اندازہ اس امر سے ہو جاتا ہے، کہ جب اس نے کینٹربری میں سنٹ ٹامس کے مشہور مزار کے جواہرات کی چمک دمک، اس کے قیمتی نقش ونگار اور اسکے نازک فلزاتی کاموں کو دیکھا، تو اس نے یہ تعریض کی کہ جو ولی اپنی زندگی میں غریبوں سے اس قدر فیاضانہ سلوک کرتا تھا، وہ یقیناً اس امر کو پسند کرے گا، کہ اس کے مرنے کے بعد جو دولت اس کے گرد جمع ہوگئی ہے، وہ ان غریبوں ہی کو دیدیجائے۔ تبرک کے لحاظ سے ٹامس کا بوسیدہ لباس اور اس کا جوتہ بوسہ

دینے کے لئے کالٹ کے روبرو پیش کیا گیا، مگر اس نے سخت تنفر کے ساتھ انہیں الگ ہٹا دیا۔ اس کے ہر قول و فعل سے جس سچائی، جوش مذہبی، بیچینی، اور ازمنہ گزشتہ سے عدم ہمدردی کا اظہا ہوتا ہے، وہ سب اس کی ان تقریروں سے ظاہر ہوگئیں جو
۱۴۹۷ پولوس کے خطوط" کے متعلق اس نے آکسفورڈ میں کی تھیں۔ اسکے سامعین میں سخت ترین نکتہ چین کو بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ اسکی آواز، اس کی نظر، اس کا چہرہ، اس کا تمام انداز "عام انسانی حالت سے بلند ہے، گویا اس پر الہامات وارد ہو رہے ہیں"۔

یہ نیا معلم اپنی ظاہری طرز زندگی میں بہت ہی سخت تھا، اس کی یہ سختی اس کے سادے سیاہ چغے اور (اپنے زمانۂ آخر کے اعلیٰ مناصب کے باوجود) اس کے کفایت شعارانہ دسترخوان سے ظاہر تھی، مگر گفتگو میں اس کی زندہ دلی، اس کی سادگی پسند صفائی، اس کی طرز زندگی کی پاکیزگی و شرافت سب سے زیادہ اس کے مزاج کے ناگوار اشتعالات تک نے اسے ایک جماعت علماء میں نہایت عزیز بنا دیا تھا، جن میں ارسیمس اور ٹامس مور سب میں مقدم تھے۔

ارسیمس انگلستان میں

تارک الوطن آرگیروپولوس نے جب جرمن روأخلن کا ترجمہ تھوسی ڈڈیس سنا تو چلا اٹھا کہ "یونان الپس کے پار آگیا ہے"، مگر ارسیمس کے سامنے روأخلن اور اس کے بعد کے علما کی شان و شوکت بہت جلد ماند پڑ جانے والی تھیں، ارسیمس نے محنت ہائے شاقہ برداشت کیں، اور بتدریج علوم قدیمہ کا ایک بڑا

خزانہ جمع کرلیا، مگر اس معاملے میں وہ منفرد نہیں تھا، اس کے وقت کے اور لوگوں نے بھی ایسا کیا تھا، آبائے عیسوین کی کتابوں کے معلومات میں، وہ لوتھر کے رتبے کو نہیں پہنچا تھا، خیالات کی جدت و وسعت میں وہ یقیناً مور سے کمتر درجے پر تھا، اس کے علم کے بجائے اس کی دینیات کا دنیا پر زیادہ اثر پڑا، مگر یہ دینیات بلا کم وکاست کالٹ کے افکار طبع سے ماخوذ تھی۔ درحقیقت جس شے نے اسے اپنے اماثل و اقران میں بلند کردیا تھا، وہ ایک دوسری ہی چیز تھی، اس کی جامعیت اور ہمہ گیری تھی جس نے اسے اس رتبے پر پہنچا دیا۔ وسعت علم کے ساتھ باریک بینی، مشاہدات و رائے صائب کے ساتھ زندہ دلی، جودت طبع کے ساتھ کامل معاملہ فہمی، سچی پرہیزگاری، اور عقلی مذہب کے لئے کالٹ کے سے جوش کے ساتھ قدیمی معتقدات کے متعلق باوقار حق شناسی، دنیاوی علوم سے رغبت، طبیعت کی سچی آزادی، یہ وہ صفات جامع تھے جن کی وجہ سے اریسمس نے اپنی عمر میں وہ عمر جو طولانی اور عالمانہ تھی قوم ٹیوٹن کے لوگوں میں نئے علوم کا شوق پھیلا دیا تھا، اس عمر کا آغاز پیرس میں، اور غم انگیز خاتمہ بازل میں ہوا۔ کالٹ جب اطالیہ سے واپس آیا ہے اس وقت اریسمس نوعمر اور کسی قدر غیر معروف شخص تھا، اور اس زمانے میں حصول علم کے لئے پھرتا ہوا پیرس میں پہنچا تھا، وہاں سے جو خطوط اس نے بھیجے ہیں ان میں نئی تحریک کے متعلق اس کا جوش دلیری کے ساتھ ابل پڑا ہے۔ وہ لکھتا ہے

کہ "میں نے یونانی علوم کے حاصل کرنے میں اپنی جان تک کھپادی ہے، اور جس وقت بھی کچھ روپیہ میرے ہاتھ آوے گا، میں اول یونانی کتابیں، خرید کروں گا۔ اس کے بعد پھر کوئی کپڑا خریدوں گا" یہ نوجوان طالب علم جب اطالیہ پہنچنے سے نا امید ہوگیا اس وقت اس نے آکسفورڈ کا قصد کیا، کیونکہ آلپس
۱۴۹۸ کے اس طرف یہی ایک مقام تھا جہاں گروسن سے وہ یونانی علوم حاصل کرسکتا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچ گیا تو یاس و حسرت کے تمام خیالات غائب ہو گئے۔ وہ لکھتا ہے کہ "مجھے آکسفورڈ میں ایسی جلا اور تعلیم حاصل ہوئی کہ اب مجھے اطالیہ جانے کی مطلقاً فکر نہیں رہی، بجز اس کے کہ محض وہاں رہ آنا مقصود ہو تو جاؤں، جب میں اپنے دوست کالٹ کی باتیں سنتا ہوں تو یہ معلوم ہوتا ہے گویا افلاطون سے ہمکلام ہوں۔ گروسن کے وسیع معلومات پر کسے تعجب نہیں ہوتا؟ لائی نیکر کے نتائج علمی سے زیادہ کونسی شے تعجب انگیز عمیق، و پاکیزہ ہو سکتی ہے؟ فطرت نے کبھی کسی کی طبیعت کو مور کی طبیعت سے زیادہ نازک، محبت آگین، اور خوش گزران بنایا ہے؟"

تجدید علوم لیکن یہ نئی تحریک صرف آکسفورڈ کی دیواروں کے اندر محدود نہیں تھی، زمانے کے خاموش اثرات برابر اسے آگے بڑھا رہے تھے۔ چھاپہ خانوں کی وجہ سے علوم سب لوگوں کی مشترک ملک بن گئے تھے، کہا جاتا ہے کہ پندرھویں صدی کے آخری تیس برس میں تمام یورپ میں کتابوں کے دس ہزار سے زائد اڈیشن

شائع ہوئے، جن میں سے نصف سے زائد اور بہترین حصہ تنہا اطالیہ میں شائع ہوا۔ پندرھویں صدی کے ختم ہونے کے قبل تمام لاطینی مصنفین کی کتابیں ہر طالب علم کے دسترس کے اندر پہنچ گئی تھیں، اور بعد کی صدی کے اول بیس برس میں تقریباً تمام قابل قدر یونانی مصنفین کی کتابیں بھی شائع ہوگئیں، ان بڑی قدیمی ادبیات کے اس طرح سے دنیا میں پھیلتے ہی عظیم الشان اثر ظاہر ہو گیا، موسیو ٹین نے اپنے ان الفاظ سے اس کی تصویر کھینچ دی ہے کہ "لوگوں نے پہلی بار آنکھیں کھولیں اور دیکھا جو دیکھا"۔ جو وسیع میدان اسوقت نظروں کے سامنے تھا، اس سے طبائع انسانی میں نئی قوتیں پیدا ہوگئیں۔ علم کے ہر شعبہ پر اعتراضات ہوئے، اور سب کی صورتیں بدل گئیں، علوم بذریعۂ تجربیات، فلسفہ زبان، سیاسیات، عقائد مذہبی کی تنقید، ان سب کی بنا اسی "نشاۃ جدیدہ" میں پڑی گویا دنیا ازسرنو پیدا ہوگئی۔ علوم نظری کی جدت و صفائی اگرچہ بہت کچھ جاتی رہی تھی مگر اس کے حدود میں وسعت اور اس کے میلان اور فطرت میں آزادی پیدا ہوگئی تھی، علم ادب اگرچہ یونان و روم کے پر عظمت نمونوں کی کشش سے مغلوب ہو کر کچھ دنوں کے لئے پامال ہوگیا تھا، مگر بعد میں اس کی ظاہری شان اور اس کے جذبات انسانی کی ترجمانی نے جو وسعت و جدت اختیار کی، وہ اس سے قبل کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ چند برس قبل انگلستان میں اس نئی تحریک کا اثر ایک مختصر سی جماعت میں

محدود تھا، مگر اب وہ اس محدود حلقہ سے بہت باہر نکل گیا تھا۔ بڑے بڑے اہل کلیسا اس کے سرپرست بن گئے تھے۔ لینگٹن (اسقف ونچسٹر) بڑی خوشی سے ہر شام کو اپنے مستقر کے نوعمر طلبہ کا امتحان لیا کرتا تھا، اور ان میں سے جسے قابل دیکھتا، اسے تعلیم حاصل کرنے کے لئے اطالیہ بھیج دیتا تھا۔ کینٹربری کا اسقف اعظم تعلیم کا اور بھی زیادہ معاون تھا۔ اسقف اعظم وارہم اگرچہ نظم و نسق سلطنت میں مستغرق تھا، مگر وہ محض اسی کا بندہ نہیں تھا۔ ارسمیس نے اس کی زندگی میں جس شد و مد سے اس کی مدح خوانی کی ہے، جس طرح اس کی ایک ایک خوبی کو سراہا ہے، جس بلند آہنگی سے اس کے علمی پایہ، اس کی عملی قوت، اس کے خوش آئند مذاق، اس کی حیاداری، اور دستوں کے ساتھ اس کی وفاشعاری کی تعریفیں کی ہیں، ممکن ہے کہ انہیں زیادہ وقعت نہ دی جائے، کیونکہ زندگی میں بالعموم سب کی مدح سرائیاں یوں ہی ہوا کرتی ہیں، لیکن جب موت نے خوشامد کا کوئی موقع باقی نہیں رکھا اس وقت اس نے اسقف اعظم کی جو درخشاں تصویر کھینچی ہے، اس کی صداقت میں کسی قسم کا شک کرنا مشکل ہے۔ کلیسا کے اس رکن اعظم اور اس خانہ بدوش طالبعلم (ارسمیس) کے درمیان جو مراسلت ہوتی رہی، اسقف اعظم نے اپنے جاہ و مراتب کے باوجود محض اپنی نیک طبعی سے اس علمی دوستی میں جیسی کامل مساوات کو ملحوظ رکھا، ارسمیس نے اپنے سینٹ جیروم کے دیباچے میں اس کی روشن خیالی، صلاح و تقویٰ کی نسبت جیسے پر وقعت الفاظ استعمال کئے ہیں، یہ سب وارہم کی وہ خوبیاں ہیں جن سے اس کے

اسقف اعظم وارہم

وقت کے ہر نیک دل شخص کو اتفاق ہوگا۔ اسقف اعظم جیسی سادہ زندگی بسر کرتا تھا، وہ اس وقت کے امرا کی عیاشانہ طرز زندگی کی بالکل ہی ضد تھی۔ امراء وقت تمامتر اظہار شان و شوکت، شہوات نفسانی، صید افگنی، اور قمار بازی میں منہمک رہتے تھے، مگر اسقف اعظم ان خرافات کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔ اس کے ملکی و مذہبی مشاغل کبھی ختم ہوتے ہی نہ تھے۔ اس دور میں اگر کسی وقت کوئی وقفہ پڑ جاتا تھا تو صرف یہ کہ کچھ دیر کے لئے وہ کوئی دلچسپ کتاب پڑھنے لگے، یا کسی نووارد عالم سے تنہائی میں باتیں کرنے لگے۔ علمی و اخلاقی مساوات کے نئے خیال کو جس کے سامنے قدیم دنیا کے تمام معاشرتی امتیازات فنا ہو جانے والے تھے، وارہم سے بہتر کسی نے نہ سمجھا ہوگا۔ اس کی نہایت پسندیدہ تفریح یہ تھی کہ رات کو اپنے ذی علم ملاقاتیوں کے ساتھ کھانا کھائے۔ ان کی ظرافت سے لطف اٹھائے، اور خود اپنی حاضر جوابی سے انہیں محظوظ کرے۔ مگر اسقف اعظم کی میز پر گروہ علما کو کھانے اور مذاق سے کچھ زائد ہاتھ آجاتا تھا۔ ان کی حاجت روائی کے لئے اس کے خزانہ کا منہ ہمیشہ کھلا رہتا تھا۔ ارسمس نے اس کے بہت بعد لکھا تھا "اگر نوجوانی میں مجھے کوئی ایسا مربی مل گیا ہوتا تو میں اپنے کو خوش قسمتوں میں شمار کرتا" ارسمس جب دوسری بار انگلستان آیا تو گروسن کے ساتھ دریا سے گزر کر لیمبتھ پہنچا اور وارہم کی ضیافت میں شریک ہوا، اور اگرچہ یہ پہلی ملاقات کچھ امید افزا نہیں معلوم ہوتی تھی، مگر بعد میں اس میں حیرت انگیز کامیابی ہوئی، ارسمس نے

اپنے گھر پر لکھا تھا کہ "اسقف اعظم اس سے ایسی محبت کرتا ہے گویا وہ اس کا باپ یا بھائی ہے، اور اس کی فیاضی اس کے (ارسمس کے) تمام دوستوں سے بڑھی ہوئی ہے"۔ اسقف اعظم نے ارسمس کو بلا شرط خدمت ایک منصب مذہبی دینا چاہا تھا مگر جب اس نے اس سے انکار کیا تو سو کراؤن سالانہ اس کا وظیفہ مقرر کر دیا، ارسمس جب پھرتا پھراتا پیرس پہنچ گیا تو وہاں سے محض وارہم کی طلب پر انگلستان واپس آیا۔ جب اس کے تمام سرپرست اس سے دست بردار ہو گئے، اور نوبت اس حد کو پہنچی کہ کیمبرج میں بیر شراب کی تلچھٹ پر اس کی اوقات بسر ہونے لگی، اسوقت وارہم ہی تھا جس نے اسے پچاس انجل (یعنی پچیس پاونڈ) بھیجے، اور بذلہ سنجی کے طور پر تجنیس لفظی کا یہ فقرہ لکھا، کہ "میری خواہش تو یہ تھی کہ پچاس کے بجائے ہزاروں انجل ہوتے"۔

هنری هشتم

یہ ترقی اگرچہ ایک حقیقی ترقی تھی، تاہم ہنری ہفتم کے عہد میں، "تعلیمات جدید" کے علما کی تعداد انگلستان میں بہت ہی کم تھی، البتہ اس کے بیٹے کی تخت نشینی کے وقت سے ایک "نیا دور" شروع ہوا، یہ لوگ خود اپنے لئے فخراً یہی نام "دور جدید" استعمال کرتے تھے، ہنری ہشتم ابھی پورے اٹھارہ برس کا بھی نہیں ہوا تھا کہ تخت نے اس کے قدموں کو بوسہ دیا لیکن اس عمر میں بھی اس کی صاف دلی و فراخ طبعی اور اس کے اغراض سیاسی کی وقعت کسی طرح اس کے قوائے جسمانی اور اس کے فن سپہگری کے زور و قدرت سے کم نہ تھی۔ اس نے فوراً ہی ان

تمام جبرستانیوں کو بند کردیا جو متروک قوانین کے بہانے سے رائج کی گئی تھیں، اور اپنے باپ کے وزرائے خزانہ ایمپسن اور ڈڈلے پر غداری کے مقدمات قائم کردئے۔ رعایا کے دلوں
۱۵۰۹ میں کسی کی تخت نشینی سے اس سے زیادہ بلند امیدیں نہیں پیدا ہوئی تھیں جیسی ہنری ہشتم کی تخت نشینی سے پیدا ہوئیں، پول جو اس کا سخت ترین دشمن تھا، اس نے بھی بعد میں یہ اعتراف کیا کہ "بادشاہ کا مزاج اس طرح کا تھا کہ ابتدائے عہد میں اس سے ہر طرح کی اعلیٰ امیدیں قائم کی جاسکتی تھیں"۔ اپنے جسم و قوت کے لحاظ سے وہ اپنے ہم عمروں میں پہلے ہی سے بادشاہ تھا۔ اس کا قد سب سے زیادہ دراز اور اس کا جسم سب سے قوی تھا۔ وہ ایک شہ زور کشتی گیر، ایک زبردست صید افگن اور ایک بہترین قدر انداز تھا، اس جسمانی شانداری کے ساتھ نوجوان بادشاہ کی طبیعت میں، وہ فراخی اور ہمہ گیری بھی موجود تھی، جو اس نئے زمانے کی خاص خصوصیت ہونے والی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ "تعلیمات جدیدہ" سے اسے ہر طرح پر ہمدردی ہے، کیونکہ ہنری نہ صرف اب ایک معقول حد تک صاحب علم تھا بلکہ بچپن میں ہی اس نے اپنی ذہانت اور کمالات سے اریسمس کو تعجب میں ڈال دیا تھا۔ ہنری کے تخت نشیں ہونے پر یہ عالم باکمال بزودی تمام انگلستان کو واپس آیا اور اپنی تصنیف "ستائش جہالت" میں، ہنری کی تعریف کے دریا بہا دئے۔ اس کتاب میں اس نے یہ دکھایا ہے کہ جہالت و تعصب کی قدیم

دنیا حکومت جدید کی روشنی و علم کے سامنے ناپید ہو جائیگی۔ اس دلچسپ چھوٹی سی کتاب کے بیان کے موافق "فالی" (جہالت) ٹوپی پہنے اور گھنٹیاں باندھے ہوئے منبر پر چڑھتی ہے، اور اپنے گردوپیش کی دنیا کے ناممکن العمل خیالات، راہبوں کے توہمات، نجومیوں کی علم نمائیوں، علماء مدارس کی کج بحثیوں، بادشاہوں کے ظلموں اور خودغرضیوں پر ہجو ملیح کا ایک طوفان برپا کردیتی ہے۔

تعلیمات جدیدہ و درس و تدریس

کالٹ کی سنجیدہ کوششیں، ارسمس کے تفنن آمیز طریقے کی پشت و پناہ بن گئیں۔ کالٹ، آکسفورڈ سے بلایا گیا اور سینٹ پال کا صدر مقرر کیا گیا تھا، اور چارہی برس کے اندر اندر وہ اپنے وقت کا بہت بڑا واعظ بن گیا۔ اپنے سادگی بیان، ادائے مطالب اور قوت تقریر میں وہ لیٹمر کا پیشرو ثابت ہوا۔ اس نے

۱۵۱۰ اصلاح تعلیم کا کام شروع کر دینے کے لئے سینٹ پال کے قریب خود اپنا ایک ابتدائی مدرسہ قائم کیا۔ بانی مدرسہ کی انداز طبیعت کا پتہ اس سے چل سکتا ہے کہ اس نے مدرس کی کرسی پر عیسیٰ کے بچپنے کا ایک مجسمہ رکھ دیا۔ اور اس کے نیچے یہ کندہ کردیا کہ "تم لوگ اسی کی اطاعت کرو"۔ بظاہر اس میں خشونت معلوم ہوتی تھی، مگر فی الواقع وہ ایک نرم دل شخص تھا۔ اس نے اپنے طلبہ کو لکھا تھا کہ "میں تمہارے لئے خدا سے دعا کرتا ہوں تم بھی میرے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے گورے گورے ہاتھ دعا کے لئے اٹھاؤ"۔ معلمان وقت کی تمام تعلیمی تجاویز پر اس نئے مدرسہ میں عمل ہوتا تھا، درس کے پرانے طریقے ترک کردئے گئے تھے

اور ان کے بجائے قواعد کی نئی کتابیں، جاری کی گئیں تھیں، جنہیں اریسمس اور دوسرے علما نے خاص اسی مدرسے کے لئے تصنیف کیا تھا، للی ایک طالب علم آکسفورڈ کا تھا اور اس نے مشرق میں جاکر یونانی زبان حاصل کی تھی، وہ اس مدرسے کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ بانی مدرسہ کی ہدایت یہ تھی کہ منطق کے کج بحث طریقے کو خارج کرکے صحیح تعلیم کے ساتھ عقلی مذہب کو منطبق کیا جائے اور یونانی ولاطینی علم ادب کی تعلیم کو مسلسل وسعت دی جائے۔ بڑے بڑے متعصب اہل کلیسا بہت جلد اس تعلیم سے خائف ہوگئے۔ مور نے اس کو لکھا تھا کہ "تعجب نہیں کہ آپ کے مدرسے سے ایک طوفان برپا ہو جائے۔ اس کی مثال اس لکڑی کے گھوڑے کی سی ہے، جس میں غیر مہذب ٹرائے کو تباہ کرنیکے لئے مسلح یونانی چھپے ہوئے تھے۔" مگر اس خوف کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یونانی زبان نہ صرف موجودالوقت مدارس میں آہستہ آہستہ داخل ہوگئی، بلکہ ایک گروہ کے گروہ نے کالٹ کے طرز تعلیم کی پیروی شروع کردی۔ گزشتہ تین سو برس میں جتنے ابتدائی مدارس قائم ہوئے تھے، اس سے زیادہ مدرسے تنہا ہنری کے آخری دور حکومت میں قائم ہوگئے۔ "علوم جدیدہ" کا فوری اثر جب گزر گیا تو قیام مدارس کی تحریک سست ہونے کے بجائے اور زوردار ہوگئی، اڈورڈ ششم اور ایلزبتھ کے وقت کے ابتدائی مدارس اسی درخت کے ثمرہ تھے جسے کالٹ نے سینٹ پال میں بویا تھا، خلاصہ یہ کہ متوسط تعلیم کے جس طریقے نے صدی کے آخر ہوتے ہوتے

انگلستان کی حالت بدل دی تھی، اس کی ابتدا کالٹ ہی سے ہوئی تھی۔ مگر مور کے "اولوالعزم یونانی" یہیں تک رکے نہیں رہے، انہوں نے ملک کی اعلیٰ تعلیم کے اصلاح کے وسیع میدان میں بھی قدم رکھا۔ "تعلیمات جدیدہ" کا دارالعلوموں پر یہ اثر ہوا کہ گویا مردہ زندہ ہوگیا۔ ارسمس کسی وقت میں، خود کیمبرج میں یونانی کا مدرس رہ چکا تھا، وہ وہاں کی یہ تصویر کھینچتا ہے کہ "تیس
۱۵۱۶ برس پہلے وہاں پر والاجیکلیا (Porva Logicalia)تصانیف الگزنڈر، ارسطو کی فرسودہ مشقوں اور اسکوٹس کے "سوالات" کے سوا اور کچھ سکھایا نہیں جاتا تھا، جس قدر زمانہ گزرتا گیا اسی قدر بہتر علوم شامل ہوتے گئے۔ ارسطو کے نئے تصانیف اور یونانی علم ادب داخل درس ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہے کہ دارالعلوم اب ایسی رونق پر ہے کہ وہ اس زمانے کے بہترین دارالعلوموں کا مقابلہ کرسکتا ہے"۔ لیٹمر اور کروک نے اطالیہ سے واپس آکر کیمبرج میں ارسمس کے کام کو جاری رکھا، اور فشر (اسقف روچسٹر) نے جو خود اس نئی تحریک کے علماے سابقین میں سے تھا، اپنی پوری قوت سے ان لوگوں کو مدد دی۔ لیکن آکسفورڈ میں اس نئی تحریک کی سخت مخالفت ہوئی۔ اس اختلاف کو لڑکوں نے اپنا کھیل بنا لیا اور "علوم جدیدہ" کے طرفدار و مخالف ایک دوسرے کے حریف بن کر اس میں شریک ہوتے تھے۔ بادشاہ نے خود علوم جدیدہ کے ایک سخت ترین دشمن کو وڈسٹاک میں طلب کرکے حکم دیا کہ دارالعلوم کے منبر پر سے علوم جدیدہ

کی مخالفت کے وعظ کہنا ترک کر دے۔ واعظ نے کہا کہ اس پر
روح القدس کا اثر پڑ گیا تھا؛ بادشاہ نے اس کا یہ دنداں شکن
جواب دیا کہ "بیشک "روح کا اثر تھا، مگر یہ روح عقل کی روح
نہیں بلکہ حماقت کی روح تھی"۔ بہرحال آکسفورڈ میں بھی مخالفت
کا بہت جلد خاتمہ ہو گیا۔ فاکس اسقف ونچسٹر نے اپنے نئے
کالج کارپس کرسٹی میں سب سے اول یونانی زبان کی تعلیم کا
۱۵۲۰ انتظام کیا، اور بعد میں بادشاہ کی طرف سے یونانی کا ایک
پروفیسر بھی مقرر ہو گیا۔ ایک شخص اس وقت کی چشم دید کیفیت
لکھتا ہے کہ طلبہ یونانی علم ادب کی طرف دوڑے پڑتے ہیں،
اور اس کے حاصل کرنے کے لئے وہ راتوں کا جاگنا، بھوکا رہنا، اور
ہر طرح کی محنت گوارا کرتے ہیں"۔ آخر وہ دن آگیا کہ کارڈنل کالج
کی عالیشان عمارت بلند ہوئی اور وہاں کی مدرسی کے لئے وولزی
نے یورپ کے موجود الوقت علما میں سے سب سے بڑے عالم
کو طلب کیا، اور اس کے کتب خانہ کے لئے اس نے یہ وعدہ
کیا کہ پوپ کے محلسرا کی تمام کتابوں کی نقلیں منگا دے گا۔

تعلیمات جدید اور کلیسا

درس و تدریس کی اصلاح سے گزر کر "تعلیمات جدیدہ" نے
مذہب کی اصلاح پر بھی زور دینا شروع کیا۔ وارہم بدستور اس
نئی تحریک کو اپنی حمایت میں لئے ہوئے تھا، اور اسی کے حکم
سے کالٹ کو یہ موقع ملا کہ پادریوں کی مجلس میں وہ ایسے
خیالات ظاہر کرے جن سے "تعلیمات جدیدہ" کا مذہبی منشا پوری
شد و مد سے عیاں ہو جائے۔ اس پرجوش واعظ نے کہا کہ

۱۵۱۲ "کاش آپ لوگ ذرا اپنے نام اور اپنے کام کا پاس کرتے اور کلیسا کی اصلاح کی طرف متوجہ ہو جاتے" اس وقت سے زیادہ کبھی اصلاح کی ضرورت نہیں ہوئی تھی، اور کبھی کلیسا کی حالت اس وقت سے زیادہ پر زور مساعی کی محتاج نہیں تھی۔" آگے چل کر اس نے کہا کہ "ہمیں مرتدوں سے مشکلات پیش آرہے ہیں۔ مگر ان کے مرتدانہ کارروائیوں میں کوئی کارروائی بھی ہمارے لئے اور تمام قوم کے لئے اس سے زیادہ ضرر رساں نہیں ہے، جس قدر خود اہل کلیسا کے فاسقانہ اور مبتذل اطوار ہمیں نقصان پہنچا رہے ہیں۔" کالٹ کی رائے میں اور پادریوں کی اصلاح سے مقدم اساقفہ کی اصلاح ہونا چاہئے تھی، اس کے بعد ان پادریوں کی اصلاح کے اثر سے عوام میں مذہبی تجدید پیدا ہوجاتی۔ اوقاف کا جمع کرنا اور پادریوں کو تعیش و دنیاداری میں منہمک رہنا ترک کرنا چاہئے۔ مقتدیان دین کو چاہئے تھا، کہ وہ توجہ کے ساتھ وعظ کہیں، درباداری کو ترک کریں، اور اپنے اپنے حلقوں میں محنت کے ساتھ کام کریں، اچھے کام کرنیوالوں کے درجے اور تنخواہ میں ترقی ہونا چاہئے تھی۔ پادریوں کیلئے اپنے حدود کے اندر رہنا لازمی قرار پانا، اور ان کے اخلاق کی پست سطح کو بلند کرنا چاہئے تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ "تعلیمات جدیدہ" کے لوگ کسی عقیدے کی اصلاح نہیں کرنا چاہتے تھے، بلکہ وہ صرف طرز زندگی کی اصلاح چاہتے تھے۔ وہ کوئی ایسا انقلاب نہیں کرنا چاہتے تھے، جس سے قدیم توہمات فوراً کافور

ہو جائیں، بلکہ وہ مذہب کی ایک نئی روح پیدا کرنا چاہتے تھے۔ جس سے یہ توہمات ازخود ناپید ہو جاتے۔ اسقف لندن نے کالٹ پر شروع ہی میں ارتداد کا الزام لگایا، مگر داہم نے اسے بچا لیا، اور جب ہنری سے یہ کہا گیا کہ وہ اس واعظ کو اپنی خدمت میں نہ رکھے تو اس نے کالٹ کو یہ سمجھا دیا کہ وہ جرات کے ساتھ اپنا کام کرتا رہے، اور مخالفین کے ساتھ ایک طولانی گفتگو کے بعد نوجوان بادشاہ نے کہا کہ "ہر شخص کو اپنا معلم خود تجویز کرنا چاہئے اور ہر شخص کو اپنے معلم کی رائے پر چلنا چاہئے، یہ شخص میرا معلم ہے۔"

ہنری اور فرانس

یہ نئی اصلاح صرف اسی صورت میں بارآور ہو سکتی تھی، کہ خاموشی کے ساتھ علم کی اشاعت ہو، اور آہستہ آہستہ لوگوں کے خیالات روشن ہوتے جائیں، لیکن اس مقصد کے کماحقہ کامیابی کے لئے جس شے کی سب سے زیادہ ضرورت تھی، وہ امن تھا۔ نوجوان بادشاہ سے اہل علم کو بہت کچھ توقع تھی، لیکن اس کے خیالات جنگ کی طرف مائل ہو چکے تھے۔ فرانس و انگلستان کے مابین اگرچہ مدت دراز تک صلح قائم رہ چکی تھی، مگر انگلستان نے تاج فرانس کے خیال کو فی الحقیقت ترک نہیں کیا تھا، اور ہنری کو نارمنڈی اور گی این کے متعلق انگلستان کے قدیم دعووں پر ناز تھا، اڈورڈ چہارم اور ہنری ہفتم دونوں امن کے اصول پر قائم رہے تھے، اور اس امن میں اگر خلل پڑا تو صرف اس لاحاصل کوشش سے کہ انہوں نے برٹنی کو

فرانس کے حملے سے بچانا چاہا، لیکن جب لیوئس یازدہم نے
بڑی بڑی ریاستوں کو معدوم کردیا، اور تمام انتظام ملک کو
ایک مرکز پر جمع کرلیا، تو فرانس کی بادشاہت اتنی وسیع و
قوی ہوگئی کہ یورپ کی کوئی دوسری بادشاہت اس کی ہمسری
کا دعوی نہیں کرسکتی تھی، فرانس کا اگر کوئی مد مقابل ہوسکتا
تھا تو وہ اسپین تھا۔ کیسٹائل اور اراگان کے متحد ہوجانے
سے اسپین ایک بڑی سلطنت بن گیا تھا، اور فرڈیننڈ نے
اپنے وقار و تدبر سے اس طاقت کو اور زیادہ بڑھانے کی
یہ صورت نکالی کہ اپنی وارثہ تخت و تاج بیٹی کا عقد شہنشاہ
میکسملین کے بیٹے آرچ ڈیوک فلپ سے کردیا۔ ہنری ہفتم تنہا
فرانس کے مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتا تھا، اس لئے اپنے اس
"موروثی دشمن" سے محفوظ رہنے کی اس نے یہ تدبیر کی کہ اسپین
سے اتحاد پیدا کرلیا، اور اس اتحاد کو پختہ کرنے کے لئے اپنے
۱۵۰۱ بڑے بیٹے آرتھر کا عقد فرڈیننڈ کی بیٹی کیتھرین سے کردیا۔ نوجوان
شہزادے کی موت سے یہ تعلق ٹوٹ گیا، لیکن اسپین کی
کوششوں سے پوپ نے یہ اجازت دیدی کہ کیتھرین کا عقد اس
کے متوفی شوہر کے بھائی سے کردیا جائے۔ اسی اثناء میں فرانس
اور اسپین میں جنگ چھڑ گئی تھی، اور ہنری یہ چاہتا تھا کہ
دونوں میں توازن قائم رہے، اس لئے اس نے اس تجویز کی
مخالفت کی مگر خود ہنری ہشتم نے تخت نشیں ہوتے ہی کیتھرین
سے شادی کرلی۔ ہنری اپنی حکومت کے شروع میں کئی برس

سیر و شکار اور عیش و عشرت میں اس طرح منہمک رہا، کہ معلوم ہوتا تھا، کہ اس کی تمام قوت اسی میں صرف ہو رہی ہے، مگر فی الحقیقت وہ بہت غور سے اس وقت کی تاک میں تھا، کہ فرانس کی بڑھی ہوئی اولوالعزمی سے اسے پرانی مخاصمت کے تازہ کرنے کا موقع ملے۔ لیوئس یازدہم کے جانشینوں نے اپنی کوششیں اطالیہ کے فتح کرنے کی طرف منعطف کردی تھیں، چارلس ہشتم کے آلپس کے قطع کرنے اور ایک ہی ضرب میں اٹلی پر حاوی ہو جانے سے، فرانس اس عظمت و رفعت پر پہنچ گیا، کہ قرب و جوار کی کوئی سلطنت اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتی تھی، چارلس کا جانشین، لیوئس دوازدہم نیپلز سے دوبار پسپا ہونے کے باوجود بھی، ملان، اور شمالی اطالیہ کے بیشتر حصہ پر قابض رہا، اور اتحاد کیمبرے میں وینس کے برباد ہو جانے سے وہ آخری اطالوی سلطنت بھی خاک میں مل گئی، جس سے یہ توقع ہو سکتی تھی، کہ تمام جزیرہ نما پر فرانس کو اپنا تسلط قائم کر لینے سے روک سکے گی۔ فرانس کو ملان سے نکالنے کے لئے فرڈیننڈ کی کوششوں سے ایک اتحاد قائم کیا گیا۔ پوپ کی سرپرستی کی وجہ سے اس اتحاد کا نام "اتحاد مقدس" رکھا گیا۔ اس کوشش میں شہنشاہ سے قرابت داری کے باعث بھی فرڈیننڈ کو مدد ملی اور وینس اور جولیس ثانی اور جنگجو ہنری نے بھی اس کی تائید کی، اور بقول جولیس "وحشیوں کو آلپس کے پار بھگا دیا گیا" مگر فرڈیننڈ

نے ناعاقبت اندیشی یہ کی کہ اس جنگ میں اسی انگریزی فوج
سے کام لیا جو گی این پر حملہ کرنے کی غرض سے مقام
فونتارابیہ میں اتری تھی، اور خود اپنی فوج کو نوار کی فتح کرنے
میں لگا دیا، انگریزی فوجیں روگرداں ہوکر وطن کو چلی گئیں۔
اور لوگوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا، کہ انگریزوں میں جنگ
کی قابلیت نہیں ہے، مگر وقت آنے پر ہنری کی ہمت
بلند ہو گئی، اور وہ خود بذات خاص شمال فرانس میں اترا،
اور گین گیٹ کے قریب اچانک ایک فرانسیسی رسالے کو
تباہ کرکے قلعہائے ٹیروآن اور ٹورنے پر قابض ہو گیا، چونکہ ۱۵۱۴ء
اس یورش میں خونریزی بہت ہی کم ہوی تھی، اس وجہ سے
اس کا نام "جنگ ہمیز" پڑگیا، یہ نوجوان فاتح اپنے "موروثی حصہ
فرانس" کے واپس لینے کے لئے نہایت اشتیاق کے ساتھ بڑھتا
جارہا تھا، کہ یکایک فرڈیننڈ نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اتحاد
ٹوٹ گیا اور وہ بالکل تنہا رہ گیا۔ لیکن ہنری نے اس اثنا
میں بہت کچھ نفع حاصل کرلیا تھا ۔ فرانس کا زور ٹوٹ گیا تھا،
پوپ آزاد ہو گیا تھا، اور انگلستان کا شمار دوبارہ یورپ کی
بڑی طاقتوں میں ہونے لگا تھا، مگر اس کے باپ کا اندوختہ
ختم ہوچکا تھا، رعایا روپیہ دیتے دیتے تنگ آگئی تھی، اس لئے
باوجودیکہ ہنری اپنے غیر ملکی رفیق کی غداری سے نہایت درجہ
طیش میں تھا، مگر مجبور ہوکر اسے صلح کرلینا پڑی ۔

امن اور تعلیمات جدیدہ

آتش جنگ کا اس طرح یکایک بھڑک اٹھنا اور جس

بادشاہ سے ایک "سلسلہ جدید" کے وقوع پذیر ہوجانے کی توقع تھی، اس کا اس طرح فتوحات کے درپے ہوجانا "تعلیمات جدیدہ" کی امیدوں کے لئے سخت مضر ثابت ہوا سینٹ پال کے منبر پر سے کالٹ کی آواز گرج کی طرح گونج گئی کہ "جنگ کیسی ہی واجبی و روا کیوں نہو مگر نا واجبی صلح اس سے ہر حال میں بہتر ہے۔ لوگ جب بغض و حرص کی وجہ سے لڑتے اور ایک دوسرے کو تباہ کرتے ہیں، تو وہ عیسیٰؑ کے جھنڈے کے نیچے نہیں، بلکہ شیطان کے جھنڈے کے نیچے لڑتے ہیں۔" ارسمس، کیمبرج کو چھوڑ کر چلا گیا اور ایک سخت طنز آمیز تحریر میں اپنے گرد و پیش کے حالات کو "دیوانگی" سے تعبیر کیا۔ اس کے ان الفاظ نے اس زمانے کے لوگوں کو چونکا دیا ہوگا، کہ "رعایا شہروں کو آباد کرتی اور بادشاہ اپنی دیوانگی میں انہیں ویران کرتے ہیں۔" اس کے نزدیک اس زمانے کے بادشاہ شکاری پرندوں کے مانند اپنے مضبوط چونچ اور پنجوں سے بنی نوع انسان کی محنت کی کمائی اور اس کے علم و ہنر کو غارت کر رہے تھے۔ اس نے بادشاہوں کی نہایت سخت ہجو کی ہے، ایک جگہ کہتا ہے کہ "بادشاہوں کو خدائی صفات سے متصف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان میں انسانی صفات تک کا پتہ نہیں ہے انہیں اٹل سمجھا جاتا ہے مگر وہ ہر میدان جنگ سے بھاگتے رہتے ہیں۔ انہیں صاحب حلم و سکون کہا جاتا ہے، اور حالت یہ ہے کہ اپنے طوفان جنگ سے وہ دنیا کو تہ و بالا کر ڈالتے ہیں۔ انکی چمک دمک کا شہرہ ہے اور وہ تمام شریفانہ خصائل سے معرا ظلمت میں پڑے ہوتے ہیں۔ مذہبی بنتے ہیں

اور دنیا کی تمام چیزوں کی پیروی کرتے ہیں اور نہیں پیروی کرتے ہیں تو عیشی کی۔ عقلمند اگر بادشاہ کا نمونہ دیکھنا چاہے تو تمام چڑیوں کو چھوڑ کر عقاب کو دیکھے، یہ چڑیا نہ خوبصورت ہے نہ خوش آواز ہے، اور نہ کھانے کی مصرف کی ہے، ہاں خونخوار، حریص، قابل نفرت اور ایک بلائے بے درماں ہے، نقصان رسانی کی اس میں ایسی طاقت ہے کہ اگر وہ خود اپنے کو نہ روکے تو کوئی دوسری شے اسے روکنے والی نہیں ہے"۔ ازمنہ جدیدہ کی تاریخ میں، یہ پہلا موقع تھا کہ مذہب نے خود کو بادشاہوں کی حرص و آز اور جنگ کے مصائب سے باضابطہ طور پر علٰحدہ کرلیا، اور تنقید کے نئے جوش میں ان سیاسی مسلمات پر جن میں کسی طرح کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں سمجھی جاتی تھی، نہ صرف اعتراض کیا بلکہ ان سے انکار کردیا آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ ایک اور بڑے فلسفی نے ان نئے خیالات کو کس حد تک پہنچایا، مگر سردست یک بیک صلح کے ہو جانے سے تعلیمات جدید کا غیظ و غضب فرو ہوگیا اور اس کی قوت عملی اغراض کی طرف پھر گئی۔ ہنری نے تعلیمات جدیدہ کی امیدوں پر کیسا ہی پانی کیوں نہ پھیر دیا ہو پھر بھی وہ اس کا طرفدار ہی تھا۔ اسکی زندگی میں ہر طرح کے ہولناک تغیرات ہوتے رہے، مگر اس کا گھر ہمیشہ اہل علم کا مسکن بنا رہا۔ اس کا لڑکا اڈورڈ ششم یونانی و لاطینی دونوں میں کافی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی لڑکی میری لاطینی میں اچھی طرح خط و کتابت کر سکتی تھی، ایلزبتھ کا ہر روز

پہلا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک گھنٹہ بھر یونانی انجیل، سوفوکلیس کے قصے ڈماستھینیس کی تقریریں پڑھا کرتی تھی' دربار کی بیگمات نے بھی شاہی روش کی تقلید کی اور وہ بھی اکثر افلاطون کے تصانیف کی ورق گردانی کیا کرتی تھیں۔ ہنری کے وزرا اپنے عادات و خصائل میں اگرچہ ایک دوسرے سے نہایت مختلف تھے، مگر اپنے وقت کے علم کی سرپرستی اور خود اس میں شرکت کرنے میں سب یکساں تھے، اس لئے گروہ علمائ کا اضطراب بہت جلد رفع ہوگیا' لائینکر کے ہم سبق اور ارسیمس کے دوست لیو دہم کے پوپ منتخب ہو جانے سے معلوم ہوتا تھا، کہ تمام ممالک عیسوی تعلیمات جدیدہ کے زیر اثر آجائیں گے فتنہ پرداز و حریص جولیس کا دور ختم سمجھا جانے لگا۔ نئے پوپ نے عام صلح کا اعلان کردیا۔ اس کے دربار کے ایک انگریزی گماشتہ نے لکھا تھا کہ "لیو علوم و فنون کی سرپرستی اور عمارات کے بنانے میں کوشش کریگا۔ اور جب تک وہ واقعی مجبور نہ ہو جائے۔ کسی جنگ میں شریک نہیں ہوگا" تاریخ مابعد میں ان الفاظ کے عجیب و غریب معنی پیدا کئے گئے۔
وولزی کی نئی وزارت میں انگلستان نے معاملات براعظم میں ہر طرح کی علی مداخلت ترک کردی، اور بقائے امن کے لئے ویسا ہی آمادہ ہوگیا، جیسا خود پوپ لیو تھا۔ کالٹ اپنی تعلیمی کوششوں میں سرگرم تھا، ارسیمس برابر وہ تمام کتابیں انگلستان بھیج رہا تھا، جو انگریزوں کی فیاضی سے

وہ ممالک غیر میں مہیا کر سکتا تھا، وارہم نے جیسی کشادہ دلی سے کالٹ کی حمایت کی ویسی ہی فیاضی سے وہ ارسمس کی بھی مدد کرتا تھا، یہ زبردست عالم جس زمانے میں کیمبرج میں قیام پذیر تھا تو وارہم ہی کی ہمت افزائی سے اس نے سینٹ جروم کے تصانیف کو مرتب کرنا شروع کیا تھا۔ شایع ہونے پر یہ کتاب اسقف اعظم ہی کے نام معنون کی گئی۔ وارہم کے نام کی آڑ میں ارسمس کا بے خوف و خطر ایک ایسی کتاب کا شایع کرنا جو تمام ممالک عیسوی کو اناجیل کی صحیح تنقید کی طرف بلاتی ہو اور اپنے دیباچے میں وارہم کو نہایت صافگوئی کے ساتھ مخاطب کرنا، صاف یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس مقتدائے اعظم کو "تعلیمات جدیدہ" کی اعلیٰ ترین کوششوں سے کیسی کامل ہمدردی تھی۔ منقولات کے مقابل اس استحکام کے ساتھ تحقیقات کا جوش کسی دوسری جگہ نہیں پایا جاتا۔ ارسمس نے لکھا تھا کہ "اگر حق محض منقولات پر مبنی ہے تو صورت دوسری ہے۔ ورنہ معمولی مجالس مذہبی اور ان کے احکام بلکہ خاص مجالس بھی غلطیوں کے دبانے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں اور معتقدات جس قدر تعداد میں زیادہ ہوتے جائیں گے، اسی قدر ارتداد کے لئے زیادہ زرخیز زمین مہیا ہوتی جائے گی۔ مذہب عیسوی کبھی اس سے زیادہ صاف و بے غل و غش نہیں تھا، جبکہ دنیا ایک طریقے پر قانع تھی، اور موجودہ زمانہ کے تمام طریقوں میں وہ طریقہ سب سے زیادہ مختصر تھا۔"

تصانیف سینٹ جروم مرتبہ ارسمس

بہت جلد وہ زمانہ آنے والا تھا جب ممالک عیسوی میں اُعترافات اڈ کسبرگ" "عقائد پوپ پی اس" "مکالمات وسٹ منسٹر" اور سی ونہ دفعات مذہب کی سی کتابوں سے معتقدات کا ایک سیلاب رواں ہو جائے۔ اس حالت کے پیش آنے کے قبل ہی ارسمیس نے اس کے خلاف جس قسم کے عقلی وعملی استدلال کئے ہیں انہیں پڑھ کر اس وقت تک دل پر ایک خاص اثر پڑتا ہے۔ تصانیف جروم کے دیباچے میں ارسمیس نے جن اصول پر زور دیا تھا انہیں یونانی کتاب مقدس کے اڈیشن میں اس نے اور بھی زیادہ شرح و بسط سے بیان کیا۔ یونانی کتاب مقدس کے اڈیشن کی ترتیب کیمبرج میں اس کے سپرد ہوئی تھی اور اس کی تیاری تمام تر انگریزی علما کی ہمت افزائی و امداد پر منحصر تھی، بجائے خود بھی یہ کتاب اہل کلیسا کی روایات کی علانیہ مخالف تھی، اس سے جروم کا لاطینی ترجمہ بیکار ہو گیا، جسے کلیسا میں قبولیت عامہ حاصل ہو چکی تھی۔ ارسمیس کا ترجمہ مسلمہ عقائد پر نہیں بلکہ اصل عبارت کے واقعی معنی پر مبنی تھا۔ اس کا مقصود وہی تھا جس کے لئے کالٹ نے اپنے لکچروں کے ذریعہ سے آکسفورڈ میں کوشش کی تھی۔ ارسمیس کی خواہش یہ تھی کہ کلیسا کے بجائے خود حضرت عیسیٰ کا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرے، اور عیسوی صاحبان شریعت کی تعلیمات کے بجائے خود بانی عیسائیت کی تعلیمات کی طرف لوگوں کو متوجہ کرے۔ انجیل مرتبہ ارسمیس

اس کے نزدیک اناجیل کی بڑی خوبی یہ تھی کہ پڑھنے والوں کو صاف یہ معلوم ہو کہ وہ ہو بہو عیسیٰ کی شخصیت کو معاینہ کر رہے ہیں۔ "اگر ہم خود اپنی ان آنکھوں سے مسیح کو دیکھتے تو بھی ہمیں آپ کا اس قدر صحیح علم نہ ہوتا جس قدر ان انجیلوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ ہم آپ کو اس طرح باتیں کرتے، مریضوں کو شفا دیتے، رحلت فرماتے اور پھر زندہ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ گویا یہ تمام واقعات ہماری نظروں کے سامنے پیش آرہے ہیں۔" حضرت عیسیٰ کی شخصی پرستش کے سامنے ازمنہ وسطی کی تمام توہماتی پرستش ناپدید ہو گئی۔ "اگر کسی جگہ کی نسبت ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ کے قدم پڑے ہیں، تو ہم جھک جاتے اور اس کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ ان کتابوں میں ہم آپ کی جیتی جاگتی تصویر دیکھتے ہیں اور اس کی عزت و توقیر نہیں کرتے؟ حضرت عیسیٰ کی محبت کی وجہ سے ہم آپ کی لکڑی اور پتھر کی مورتوں کو زر و جواہر سے آراستہ کرتے ہیں۔ مگر با ایں ہمہ ان تصاویر سے صرف آپ کی جسمانی شباہت ظاہر ہوتی ہے۔ برخلاف ازیں یہ کتابیں آپ کے روحانی تقدس کی زندہ تصاویر ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔" اس طرح پر حضرت عیسیٰ کی حقیقی تعلیم کی اشاعت سے کلیسا کی قدیم پر اسرار تعلیمات کو پست کر دیا گیا تھا۔ ارسمس جوش میں بھرا ہوا کہتا ہے

کہ یہ نازک خیالیاں، جنہیں شاید ہی چند علمائے مذہب سمجھ سکتے ہوں، اس طرح پیش کی جاتی ہیں گویا وہ حضرت عیسیٰؑ نے تعلیم کی ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ عیسوی مذہب کی قوت کا دار و مدار اس پر ہے کہ لوگ اس کے سمجھنے سے قاصر رہیں، آگے چل کر وہ اپنی خاص ہجو ملیح کے انداز میں لکھتا ہے کہ "بادشاہوں کے اسرار سلطنت کا چھپانا ایک مامون و مصؤن طریقہ کہا جاسکتا ہے، مگر حضرت مسیحؑ کی مرضی تو یہ تھی کہ آپ کے اسرار تا حد امکان علانیہ طور پر ہر طرف شایع کیۓ جائیں۔" وہ اسی ضرورت پر زور دیتا تھا کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی عام واقفیت اور ان کی عام اشاعت سے ایک شایستہ عیسائیت کی بنیاد قائم کرنا چاہئے۔ جس کلیسا نے وکلف کے وقت سے عام زبان میں کتاب مقدس کے ترجمہ کرنے اور اس کے پڑھنے کو ارتداد اور اس جرم کی سزا زندہ جلا دینا قرار دے رکھا تھا، اسی کلیسا کے مقتدائے اعظم کی درپردہ تائید سے ارسیمس کی یہ جرأت ہوئی کہ اس نے کتاب مقدس کی عام اشاعت اور اسے عام فہم بنانے کی خواہش ظاہر کی "میری تمنا یہ ہے کہ ایک کمزور ترین عورت بھی کتب مقدس اور سنٹ پال کے مکتوبات کو پڑھ سکے۔ میری خواہش تو یہ تھی کہ تمام زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو جاتا، کہ ان کا مطالعہ صرف اہل اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ تک محدود نہ رہتا، بلکہ عرب،

اور ترک، بھی انہیں پڑھ سکتے، لیکن اس مقصد کے حاصل کرنیکا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ ان کتابوں کو اس قابل بنایا جائے کہ پڑھنے والا انہیں سمجھ سکے۔ مجھے اس دن کی آرزو ہے جب ہل چلاتے وقت کسان انجیل کے فقرے آپ ہی آپ گاتا جائے جب جولاہا اپنے کرگھے پر انجیل ہی کے الفاظ گنگناتا رہے جبکہ مسافر اپنی تکان سفر کو رفع کرنے کے لئے انجیل ہی کے قصے کہے یا سنے" ارسمیس کے "عہد نامہ جدید" کا تذکرہ اس وقت ہر شخص کی زبان پر تھا، دربار میں، دارالعلوموں میں اور ہر گھر میں، جہاں "تعلیمات جدیدہ" کا اثر پہنچا تھا یہی انجیل پڑھی جاتی تھی، اور اسی کا چرچا رہتا تھا، مگر باوجود اس جرأت و بے باکی کے وارہم نے نہ صرف اس کتاب پر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، بلکہ اس نے مصنف کو لکھا کہ وہ اس کتاب کو دوسرے اساقفہ کو بھی دیتا رہتا ہے۔ اس کے مددگاروں میں سب سے زیادہ باثر شخص فاکس اسقف ونچسٹر تھا اس کا قول تھا کہ "محض یہ ترجمہ دس تفسیروں کے برابر ہے" اور انہیں میں سے ایک بہت ہی بڑے ذی علم شخص فشر اسقف روچسٹر نے ارسمیس کو اپنے گھر مہمان رکھا +

تامس مور

"تعلیمات جدیدہ" کی یہ کوششیں تعلیمی و مذہبی اصلاح کے متعلق جیسی کچھ آزادانہ اور امید افزا معلوم ہوتی ہیں وہ ظاہر ہے مگر سیاسی و معاشرتی تخیلات میں ٹامس مور کی کتاب "یوٹوپیا" نے بہت ہی وسیع اثر ڈالا، مور کا زمانہ طفولیت کارڈنل مارٹن کے

خاندان میں بسر ہوا تھا، اور وہیں اس کی ہونہار قابلیتوں سے نہایت ہی اعلیٰ امیدیں پیدا ہوگئی تھیں۔ یہ بڈھا مدبر اکثر کہا کرتا تھا کہ "جو شخص زندہ رہے گا، وہ دیکھ لے گا کہ یہ خدمت گزار لڑکا کسی وقت ایک عجیب و غریب شخص ہو جائے گا۔ ہم دیکھ چکے ہیں، کہ آکسفورڈ میں اس کے تعجب انگیز معلومات اور لطائف طبع نے کالٹ و ارسیمس پر کیا اثر ڈالا تھا۔ دارالعلوم سے جب وہ نکلا ہے تو بالکل ہی نوعمر تھا، مگر پھر بھی تمام یورپ میں اس نئی تحریک کے نہایت ممتاز لوگوں میں اس کا شمار ہونے لگا تھا۔ اس کی ایک تصویر ہالبائن کی کھینچی ہوئی موجود ہے۔ اس سے اس کا حلیہ یہ معلوم ہوتا کہ اس کا چہرہ ناتراشیدہ سا تھا، مگر اس سے تیزی ٹپکتی تھی، آنکھوں کا رنگ زردی مائل تھا اور ان سے بےچینی ظاہر ہوتی تھی۔ ہونٹھ باریک اور ملے ہوئے تھے، بال بھورے اور لٹکے ہوئے تھے۔ انداز و لباس سے بے پروائی ظاہر ہوتی تھی، اس تصویر سے اس شخص کی باطنی کیفیت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، کہ اس میں کیسی طباعی، کیسی بےچینی، کیسی ہمہ گیر ذہانت، کیسی تیز و بے باک ذکاوت موجود تھی، اس کے پرلطف اور کسی قدر غم افزا مذاق سے کبھی ہنسی آتی تھی، اور کبھی آنسو نکل پڑتے تھے۔ یہ صفات اس کے پاک و عمیق باطن پر درحقیقت ایک طرح کا پردہ تھے۔ انگلستان مین "تعلیمات جدیدہ" کی مذہبی تحریک میں مور کا درجہ کالٹ سے بڑھا ہوا ہے، کیونکہ مور کی تحریر نسبتاً زیادہ شیریں اور محبت آمیز

ہوتی تھی۔قانون کا یہ نوجوان طالب علم جو اپنے وقت کے راہبوں کی وہم پرستی اور مشقت زاہدانہ پر ہنسا کرتا تھا خود اپنے خالی جسم میں کمل کی قمیص پہنتا اور برداشت شدائد کی عادت ڈالتا تھا، تاکہ فرقۂ کارتھیوزین کے مساکن میں اسے جگہ ملجائے اس امر کو اس شخص کے مخصوصات میں سمجھنا چاہئیے کہ اطالیہ کی "نشاۃ جدیدہ" کے تمام خوش فکر اور عیاش مزاج علماء دین میں اس نے ساوونرولا کے شاگرد پیکودی مرانڈولا کو سب سے زیادہ پسند کیا، اہل تعصب اس کے دلیرانہ خیالات کو سنکر اسے آزاد خیال قرار دیتے تھے۔مگر جب وہ اپنے دوستوں سے بہشت اور حیات مابعد کا ذکر کرتا تھا تو اس کی آنکھیں چمکنے لگتی تھیں، اور اس کی زبان لڑکھڑا جاتی تھی، شاہی ملازمت کے قبول کرتے وقت اس نے صاف طور پر یہ شرط کردی تھی، کہ "وہ اول خدا کے حکم کو دیکھے گا، بعدہ بادشاہ کے حکم کو" مگر اس کے ظاہری انداز میں رہبانیت یا گوشہ نشینی کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔اس نوجوان عالم کی خوش گفتاری، اس کے دلفریب اطوار، اس کے لاابالیانہ اشعار، موسیقی کے ساتھ اس کے وجدانی شوق اس کے اچھی بری کتابوں کے مطالعے، اس کے متضاد خیالات، راہبوں پر آوازے کسنے اور مدرسہ کے لڑکوں کے سے جوش آزادی سے یہ معلوم ہوتا تھا، کہ "تعلیمات جدیدہ" کی تمام شگفتگی و آزادی مجسم ہوکر ظاہر ہوگئی ہے، مگر وہ واقعات بہت جلد پیش آنیوالے تھے، جن سے یہ ثابت ہوگیا، کہ اس شگفتہ مزاجی کے نیچے

ایک مستقل عزم مخفی ہے، فلورنس کے جن علما نے خودسر بادشاہوں کے خلاف لعنت ملامت کا طوفان بپا کر دیا تھا، ان ہی نے خاندان میڈیچی کے ظلم و خودسری پر خوشامد و چاپلوسی کے پردے ڈالے تھے مگر مور کی کیفیت یہ تھی کہ پارلیمنٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنے پر زور دلائل اور پاس انصاف کی قوت سے ایک گراں امداد کے شاہی مطالبے کو نامنظور کرادیا۔ مور کی عمر اس وقت صرف چھبیس برس کی تھی، اہل دربار کہتے تھے، کہ "ایک بے ریش و بروت لڑکے نے بادشاہ کو زک دیدی" اور اس نوجوان قانون پیشہ کو یہی مناسب معلوم ہوا کہ ہنری ہفتم کے بقیہ عہد حکومت میں معاملات عامہ میں دخل دینے سے کنارہ کش رہے۔ مگر اس کنارہ کشی سے اس کی چلبلی طبیعت پر بہت کم اثر پڑا۔ طبقہ وکلا میں اسے فوراً ہی نمود حاصل ہوگئی۔ اس نے اِس اثنا میں "اڈورڈ پنجم کی سوانح عمری" لکھڈالی۔ جدید انگریزی نثر کی یہ پہلی کتاب ہے جس کی صفائی زبان اور روانی بیان، پرانے انداز تحریر، اور قدما کی علمی تصنعات سے پاک ہے۔ پہلے وہ زاہدانہ زندگی بسر کرنے کے خواب دیکھا کرتا تھا، مگر گھر کی محبت نے ان خیالات کی جگہ لے لی۔ ہم جب اسے اس کے مکان واقع چلسی کے اندر دیکھتے ہیں، اس وقت ہماری سمجھ میں آتا ہے کہ ارسمس کیوں اس کی محبت آمیز ثنا و صفت میں اس درجہ رطب اللسان رہتا تھا، اس نوجوان شخص کی تمنا یہ تھی کہ جس عورت کو اس نے اپنی بیوی

بنایا تھا اُسے اپنے مذاق کے موافق علم و موسیقی کا ماہر کردے عمر کی وجہ سے جو خودداری والدین کے برتاؤ میں پیدا ہو جاتی ہے، مورؔ اپنے بچوں کے معاملہ میں اس کی مطلق پروا نہیں کرتا تھا، وہ خود انہیں تعلیم دیتا تھا اور مشکل علوم پر متوجہ کرنے کی لئے وہ انہیں روپیہ سے اور اپنے ذخیرۂ عجائبات سے ترغیب دلاتا تھا، لڑکوں کے پالو جانوروں اور کھیلوں کا وہ اسی قدر شایق تھا جسقدر لڑکے خود ان چیزوں کے شایق تھے، بڑے بڑے باوقار علماء اور مدبرین کو وہ باغ میں لیجاکر اپنی لڑکیوں کے خرگوش کے پنجرے اور بندر کے کھیل دکھلایا کرتا تھا۔ جب وہ گھر سے بہت دور سیاسی کاموں میں مشغول تہا، تو اس نے اپنے بچوں کو دلچسپ اشعار میں لکھا تھا کہ "میں نے تمہیں پیار بہت کیا مگر مارا کبھی نہیں"۔ ہنریؔ ہشتم کی تخت نشینی نے اسے پھر گرداب سیاسیات میں پھنسنا پڑا۔ ارسمیسؔ نے اسی کے مکان پر پریز آف فالی (تعریف حماقت) لکھی تھی، اور ایک دوسری کتاب بھی لکھی تھی جس کا لاطینی نام مورئے ان کومیئم (Moriae Encomium) تھا، اس میں اس نے مزاح ہی مزاح میں یہ دکھایا تھا کہ مورؔ کی حد سے بڑی ہوئی دلگی کا وہ کس قدر شیدا تھا۔ اس کے اخلاف میں ایک شخص نے لکھا ہے کہ "اکثر لوگ دربار میں پہنچنے کی جس قدر سخت کوشش کرتے ہیں، مورؔ اسیقدر یہ کوشش کرتا تھا کہ وہ دربار سے علٰحدہ رہے" نوجواں بادشاہ کو اس کی دلچسپ گفتگو میں

اس قدر لطف آتا تھا کہ "اسے مہینے میں ایکبار بھی اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ گھر جاکر اپنے بیوی بچوں میں وقت گزار سکے حالانکہ گھر میں رہنے کا وہ بے انتہا شایق تھا۔ اس لئے اس نے اپنی اصلی طبیعت کو پوشیدہ کرنا شروع کیا اور اس طرح آہستہ آہستہ کرکے اس کی سابقہ خوش مذاقی بالکل بدل گئی"۔ ہنری کی طبیعت میں یک بیک جنگ کے خیالات پیدا ہو جانے سے جس طرح مور کے اور دوستوں کو نا امیدی ہوی تھی اسی طرح وہ خود بھی نا امید ہو گیا تھا، مگر صلح ہو جانے پر وہ پھر ہنری کا جانب دار بن گیا، اور بہت جلد اِس نے ایک مشیر و مدبر کی حیثیت سے بادشاہ کا اعتماد حاصل کرلیا۔

یوٹوپیا ۱۵۱۶

مور کا بیان ہے کہ سلطنت "لامقام" کی اطلاع اسے اپنے ایک سفارتی وفد میں حاصل ہوئی تھی" ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ شہر اینٹورپ میں حضرت مریمؑ کے گرجا میں نماز ادا کرکے میں اپنے قیامگاہ کو جانیکا قصد کر رہا تھا کہ میری نظر اپنے دوست پیٹر جائلز پر پڑگئی۔ وہ کسی اجنبی سے گفتگو کر رہا تھا، جو ایک عمر رسیدہ اور گرم و سرد زمانہ چشیدہ شخص معلوم ہوتا تھا، اس کی ڈاڑھی بہت لمبی تھی، اور ایک کھلا ہوا چغہ اس کے کندھے پر پڑا تھا، اس کے انداز و لباس سے میں نے یہ قیاس کیا کہ ضرور یہ شخص ملاح ہے۔ جس گرجا کا یہ واقعہ ہے وہ شہر میں سب سے خوبصورت سب سے زیادہ شاندار اور سب سے زیادہ عجیب و غریب گرجا ہے اور لوگ بھی عبادت کے لئے سب سے زیادہ یہیں آتے ہیں؛ اِس لئے ہر قسم کے آدمیوں کا یہاں ہونا کوئی تعجب خیز امر نہیں تھا"۔ یہ ملاح امیر البحر وسپچی کی ہمراہی میں "نئی دنیا" کے سفروں میں جا چکا تھا،

ان سفروں کی کیفیت اب چھپکر ہر شخص کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی"۔ مور کے کہنے سے یہ شخص اس کے ساتھ ہو لیا، اور مکان پر پہنچکر یہ دونوں شخص باغ کی ایک بنچ پر بیٹھ گئے، جس پر سبز گھاس پڑی ہوئی تھی، اور باہم باتیں کرنے لگے"۔ اس شخص نے اپنے عجیب و غریب اتفاقات کا ذکر کیا کہ کیونکر وسپچی نے اسے امریکہ میں چھوڑ دیا اور کیونکر وہ خط استوا کے برابر برابر ملک میں آگے بڑھتا چلا گیا، اور آخر کار سلطنت "لامقام" میں جا پہنچا۔ اسی "لامقام" یا یوٹوپیا کا قصہ تھا جسے مور نے اپنی حیرت انگیز کتاب میں درج کیا ہے، اور جس سے "تعلیمات جدیدہ" کی اصلی و باطنی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ اِس وقت تک یہ تحریک علما اور اہل مذہب کے اندر محدود تھی اور اس کے تجاویز اصلاح خالصتہً ذہنی و مذہبی تھے، مگر مور نے جن خیالات کے اثر سے تعلیم و مذہب کے قدیم صورتوں کو بیکار قرار دیا تھا، انہیں خیالات کی وجہ سے اِس نے معاشرت و سیاسیات کے قدیم دستور پر بھی اعتراضات کئے۔ پندرہ سو برس کی عیسوی تعلیم نے جس دنیا میں معاشرتی نا انصافی، مذہبی تعصب اور سیاسی ظلم و جور پیدا کر دیا تھا، اس دنیا کو ترک کر کے یہ با مذاق فلسفی "لامقام" کی طرف متوجہ ہوتا ہے جہاں محض انسان کی طبعی نیک خوئی کی کوششوں سے امن، مساوات، اخوت، اور آزادی کے وہ مقاصد حاصل ہو گئے تھے، جو قیام و نظام معاشرت کے اغراض اصلی ہیں۔ اس خواب نما سیر میں مور، اجرت، جرائم، آزادی رائے، اور حکومت کے اِن مسائل پر بحث کرتا ہے جو ازمنہ جدیدہ میں بہت تیزی کے ساتھ پیش آ رہے تھے، اگر وہ اتنا ہی کرتا کہ ان مسائل کو پیش کر کے ان پر بحث کر دیتا تو بھی

اس کی رسائی ذہن کا کافی ثبوت ملجاتا، مگر اس نے ساتھ ہی ساتھ اِن مسائل کے حل کرنے کے تدابیر بھی بیان کر دئے ہیں، اور اسی سے اِس کی دور بینی اور جدت طبع کا پوری طرح اظہار ہو جاتا ہے، اس کتاب میں جو زیادہ پرواز خیال کا نتیجہ یا اگلے خیالی لوگوں کے خواب وخیال کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے بہت سی وہ باتیں نظر آ جاتی ہیں، جنہیں ازمنۂ مابعد کی سیاسی تحقیقات سمجھا جاتا ہے مگر فی الحقیقت مور کی بلند پرواز ذکاوت پہلے ہی وہاں تک پہنچ چکی تھی بعض مسائل میں تو وہ اس زمانے کے خیالات سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے۔ مسئلہ اجرت کی بحث اس دعوی کی شاہد ہے۔ اس کے خیال میں تمام نظام معاشرت "اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ امیروں نے غریبوں کے خلاف ایک سازش قائم کر رکھی ہے" اقتصادی قوانین جس قدر نافذ ہوتے ہیں، ان کی غرض صرف اتنی ہوتی ہے کہ اس سازش کو قانون کا جامہ پہنا دیا جائے۔ "دولتمند ہمیشہ اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ خاص دغا یا عام قانون کے ذریعہ سے غریبوں کی روزانہ مزدوری میں سے کچھ اور کم کرلیں، اور جو ظلم ہو رہا ہے اسے قانون سلطنت کی مدد سے اور بڑھادیں کیونکہ اگر یہ ظلم نہیں تو کیا ہے، کہ جن لوگوں سے سلطنت کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہو، وہی سب سے کم نفع میں رہیں، دولتمندوں کی پہلی فکر تو یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت کو محفوظ رکھیں، اور دوسری فکر یہ ہوتی ہے کہ غریبوں کے کام اور ان کی محنت کو کم سے کم قیمت پر اپنے مصرف میں لائیں، اور

اس سے نفع اٹھائیں، جس وقت اہل دولت یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ان حیلوں کو عوام کے نام سے شایع کریں تو معاً وہ قانون کی صورت اختیار کر لیتے ہیں" نتیجہ یہ تھا کہ اجرت پیشہ لوگ ایسی ابتر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اس کے مقابلہ میں جانوروں کی زندگی بھی قابل رشک معلوم ہوتی تھی" پیرز قلبہ راں کے وقت سے غربا کے لئے رحم کی ایسی آواز اور زرعی و صنعتی طریق کے ظالمانہ قوانین کے خلاف ایسا اعتراض کبھی سننے میں نہیں آیا تھا، ان بیانات کے بعد مور مسکراتا ہوا ممالک عیسوی سے "لامقام" کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ "لامقام" میں قانون کی غرض یہ ہوتی ہے کہ عامتہ الناس کو معاشرتی، صنعتی، ذہنی، اور مذہبی بہبود حاصل ہو اور خاصکر طبقہ اجیر کے قواعد پر نظر رکھی جائے۔ کیونکہ یہی طبقہ ایک منتظم دولت عامہ کی اصلی بنیاد ہوتا ہے، وہاں کے قوانیں اجرت کی غرض محض یہ ہوتی ہے کہ مزدوروں کو فائدہ پہنچے۔ مال و اسباب سب کی مشترک ملکیت تھی، مگر کام بھی سب کو لازماً کرنا پڑتا تھا۔ نئے اہل حرفہ کی درخواست پر کام کا وقت نو گھنٹے تک گھٹا دیا گیا تھا تاکہ کام کرنے والوں کو دماغی ترقی کا بھی موقع مل سکے"۔ بہبود عامہ کے نظم و نسق میں یہ غرض خاص طور پر مدنظر و ملحوظ ہوتی ہے، کہ دولت عامہ کے ضروری مشاغل و معاملات سے جو وقت بچ سکے، اس میں باشندگان ملک جسمانی کاموں کو ترک کر کے دماغ کی آزادانہ ترقی و نشونما میں مصروف ہو جائیں، کیونکہ اس طرح پر انہیں زندگی کے مراحل کا طے کرنا آسان ہو جاتا ہے، سلطنت کی جانب سے

تعلیم کے ایک خاص طریقے کی وجہ سے "اہل یوٹوپیا" کو اپنی فرصت کا وقت تعلیم میں صرف کرنے کا موقع ملجاتا تھا، انگلستان میں نصف آبادی انگریزی کے پڑھنے تک سے معذور تھی مگر "لامکان" کا ایک ایک بچہ پوری طرح پڑھا لکھا ہوتا تھا۔ اہل ملک کی جسمانی ضروریات پر بھی ویسی ہی توجہ کیجاتی تھی، جیسی ان کے اخلاقی ضروریات پر ہوتی تھی۔ "یوٹوپیا" کے مکانات پہلے زمانہ میں بہت ہی پست ہوتے تھے اور ان کی ہیئت غریب گڈریوں کے جھونپڑوں کی سی ہوتی تھی اور ساخت کی کیفیت یہ تھی کہ جس قسم کی اچھی بری لکڑی ہاتھ آ جاتی تھی اسی کو نصب کرکے مٹی کی دیواریں اٹھا دیتے اور چھت کو پاٹ کر اس پر کہر بچھا دیتے تھے۔" یہ ہو بہو وہی نقشہ ہے جو مور کے زمانے میں انگلستان کے مکانوں کا تھا، گویا وہ مصیبت و مرض کے مساکن تھے۔ لیکن "یوٹوپیا" میں لوگ رفتہ رفتہ یہ سمجھنے لگے کہ روشنی، ہوا، آسایش اور صفائی کا اثر صحت پر پڑتا ہے، اور صحت و اخلاق کے درمیان گہرا تعلق ہے۔ اس لئے اب سڑکیں بیس فٹ چوڑی ہوتی ہیں، مکان کی پشت پر وسیع باغات ہوتے ہیں، خود مکانات بھی نہایت ہی بلند و شاندار ہوتے ہیں، اور نیچے اوپر کئی منزلیں ہوتی ہیں دیوار کا بیرونی حصہ یا تو سخت چقماق کا ہوتا ہے یا ان پر استرکاری کردی جاتی ہے، یا یہ بھی نہ ہو تو اینٹ لگادی جاتی ہے، اور اندرونی حصے شہتیروں کے ذریعہ سے خوب مضبوط کردئے جاتے ہیں

چھت صاف و ہموار اور ایسی پختہ ہوتی ہے کہ آگ سے بھی خراب نہیں ہوسکتی اور موسم کا مقابلہ کرنے میں جست کی چھت سے ہر طرح پر بہتر ہوتی ہے۔ شیشوں کا استعمال بافراط ہوتا ہے، ہوا کے روکنے کے لئے کھڑکیوں میں شیشے لگائے جاتے ہیں۔ یا روغن و عنبر میں بھیگا ہوا باریک کپڑا لٹکادیا جاتا ہے، اس سے دو فائدے ہوتے ہیں اولاً تو روشنی زیادہ آتی ہے دوسرے تند ہوائیں رک جاتی ہیں"

مسئلہ اجرت اور صحت عامہ کے متعلق مورؔ نے جس دور اندیشی سے بحث کی ہے، جرائم کی بحث میں اس سے بھی زیادہ وسیع النظری کا اظہار کیا ہے ۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ارتکاب جرم کی صورت میں سزا دینا انسداد جرم کے لئے اِس درجہ موثر نہیں ہے جتنا پہلے ہی سے وقوع جرم کا روکنا موثر ہے "' اہل ملک کو خراب تعلیم دیجائے ان کے اخلاق بچپن ہی سے تباہ کئے جائیں اور جب وہ بڑے ہو جائیں تو انہیں جرموں کے لئے سزا پائیں جو بچپن سے سکھائے گئے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہے کہ پہلے لوگوں کو چور بناؤ اور پھر انہیں سزا دو" وہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے وقت کی بیرحمانہ سزاؤں کی حماقت ظاہر کی اور اس امر پر زور دیا کہ جرم و سزا کے درمیان ایک توازن ہونا چاہیئے۔" معمولی چوری ایسا جرم نہیں ہے کہ اس کی سزا موت ہو" اس کا استدلال یہ ہے کہ اگر

"ایک چور اور ایک قاتل دونوں کو یہ یقین ہو کہ انہیں ایک ہی سزا دی جائیگی تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہوتا ہے کہ چور کو رغبت یہ ہوتی ہے کہ" وہ چوری کے ساتھ قتل کا بھی مرتکب ہو۔ بظاہر ہم چوروں کو عبرت دلاتے ہیں مگر بباطن ہم انہیں آمادہ کر دیتے ہیں کہ وہ نیک لوگوں کو قتل کریں،" اس کا یہ دعوی ہے کہ تمام "سزاؤں کی غرض اصلاح ہونا چاہئے۔" صرف خرابیوں کا دور کرنا اور انسان کا بچانا مدنظر ہونا چاہئے۔" اس کی صلاح ہے کہ "مجرمین کے ساتھ ایسا برتاؤ اور ایسا معاملہ کرنا چاہئے کہ ان کو کوئی مفر سوا اس کے باقی نہ رہے کہ وہ خود نیک بن جائیں، اور اپنی بقیہ زندگی میں اپنے سابقہ نقصان رسانیوں کی خود تلافی کریں،" سب سے بڑھکر وہ اس امر پر زور دیتا ہے، کہ اصلاحی سزا محنت و امید کی بنا پر ہونا چاہئے، "وہ تاکہ کوئی شخص اس امر سے نا امید و مایوس نہ ہو کہ اگر وہ آئندہ اچھے چال چلن اور نیک روش اختیار کرنے کا ثبوت دے گا تو اس کی سابقہ آزادی پھر بحال ہو جائے گی" یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ گزشتہ سو برس میں انسداد جرائم کے متعلق جس قدر ترقیاں ہوی ہیں، وہ سب ان اصولوں میں شامل تھیں، جنہیں مور نے اتنے زمانہ پیشتر بیان کیا تھا۔ مذہبی معاملات کی بحث میں وہ اپنے اہل زمانہ سے نسبتاً اور بھی زیادہ آگے بڑھا ہوا تھا، انگلستان کے بڑے بڑے کمروں میں ہر کھانے کے بعد ہڈیاں پیال بچھے ہوے فرش پر

پھینک دی جاتی تھیں اور وہیں پڑی سڑا کرتی تھیں، دھواں چھت کے نیچے چکر لگاتا رہتا تھا، اور بے شیشے کی کھڑکیوں سے ہوا کے سنائے آتے رہتے تھے، مگر "یوٹوپیا" کے مکانات کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، اسی طرح انگلستان میں ہرطرف پھانسیاں بلند رہتی تھیں، مگر "یوٹوپیا" کے قانون جرائم کو اس سے کوئی مناسبت نہ تھی، یہ عجیب و غریب تفاوت تو صرف معاشرت کے معاملات میں تھا، مذہب کے معاملہ میں "لامقام" اور ممالک عیسوی کے درمیان اس سے بھی زائد تباین تھا، لامقام کے مذہب کی بنیاد محض فطرت اور عقل پر تھی۔ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ خدا کا مقصود انسان کی خوشی و خرمی ہے، اور بغیر کسی نفع عام کی غرض کے راہبانہ طور پر حظوظ انسانی کا ترک کردینا واہب عطایا کی ناسپاسی ہے۔ عیسائیت بھی اس وقت تک 'یوٹوپیا' میں پہنچ چکی تھی، مگر پادری وہاں بہت ہی کم تھے۔ مذہب کا مرکز جماعت علما کے بجائے خاندان ہوتا تھا، اور ہر خاندان کے ارکان اپنے قصوروں کا اعتراف اپنے بزرگ خاندان کے سامنے کرتے تھے۔ اس سے زیادہ عجیب خصوصیت یہ تھی کہ عیسائیت اور قدیم مذاہب ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو صلح و آشتی کے ساتھ بسر کرتے تھے، ولیم (آرنج) سے ایک صدی سے بھی قبل مور نے مذہبی رواداری کے اصول کو سمجھا اور اسے بالاعلان ظاہر کیا۔ "لامقام" میں ہر شخص آزاد تھا کہ جس مذہب کی چاہے پیروی کرے۔ جو لوگ خدا اور بقائے روح تک کے

قائل نہ تھے، ان سے بھی کسی قسم کا تعرض نہیں کیا جاتا تھا، بجز اس کے کہ وہ سرکاری خدمات میں داخل نہیں کئے جاتے تھے۔ یہ اخراج اگرچہ "یوٹوپیا" کی کامل مذہبی آزادی کے خلاف تھا، مگر فی الحقیقت اس اخراج کی وجہ اعتقاد نہیں تھا، بلکہ اس قسم کا خیال نوع انسان کے لئے باعث ذلت سمجھا جاتا تھا، اور لامحالہ اس خیال کے لوگ حکمرانی کے اعلیٰ فرایض کے اہل متصور نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن ان لوگوں کو بھی کسی قسم کی سزا نہیں دی جاتی تھی۔ کیونکہ اہل "یوٹوپیا" کا خیال یہ تھا کہ "انسان اس امر پر قادر نہیں ہے کہ وہ جس بات کو چاہے اس کا یقین اپنے دل میں پیدا کرلے" ہر شخص دلائل کے ذریعے سے اپنے مذہب کی اشاعت کر سکتا تھا، مگر کوئی شخص اس معاملہ میں کسی قسم کی زیادتی یا دوسرے مذاہب کی ہتک نہیں کرسکتا تھا، ہر فرقہ اپنے اپنے رسومات خانگی طور پر انجام دیتا تھا مگر اس کے ساتھ ہی تمام لوگ عبادت عامہ کے لئے ایک وسیع معبد میں جمع ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ سفید کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ اور ایک مذہبی پیشوا کے گرد (جس کا لباس نہایت ہی عجیب و غریب طور پر چڑیوں کے پروں کا ہوتا تھا) حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے تھے، ان کے بھجن اور نغمے ایسے ہوتے تھے جو سب کو گوارا ہوں۔ یہ عبادت عامہ یہ ظاہر کرنے کے لئے تھی کہ آزادی رائے اور اتحاد مذہب ایک ساتھ جمع ہو سکتے ہیں ؛

جزو پنجم

وولزی

۱۵۱۵ — ۱۵۳۱

[اسناد۔ ہال نے ایک وقائع اڈورڈ ششم کے وقت میں لکھا تھا، گریفٹن نے ہنری ہشتم کے عہد کے لئے اسی کے طرز تحریر کی نقل کی ہے اور اس کے بعد ہالنشڈ نے اسکی پیروی کی ہے، لیکن وولزی کے انتظامات سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہمیں پروفیسر برووَر کے ان بیش بہا دیباچوں کی طرف توجہ کرنا چاہئے جو انہوں نے اس عہد کے "کاغذات سلطنت کی جنتری" میں شامل کئے ہیں، اور خود ان کاغذات کو بھی دیکھنا چاہئے]

"دولامقام" کی دولت عامہ میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی نسبت اگرچہ مجھے امید نہین ہے مگر تمنا ہے کہ خود ہمارے وہاں بھی ان کا رواج ہو جائے"۔ یہ وہ طنزیہ الفاظ ہیں جن پر مور نے تعلیمات جدیدہ" کے تخیلات کی جامع اور اپنے طرز کی اس پہلی کتاب کو ختم کیا ہے۔ اس کتاب کے معاشرتی، مذہبی، اور سیاسی، اصلاحات کے تجاویز اگرچہ اس زمانہ میں صدا بہ صحرا سے زیادہ نہیں ثابت ہوے مگر ازمنۂ مابعد میں آہستہ آہستہ وہ سب پورے ہوکر رہے۔ جس زمانے میں مور امیر و غریب کے ساتھ یکساں انصاف کرنے پر زور دے رہا تھا، اسی زمانے میں غصب و تعدی کی وجہ سے ارباب معاشرت کے جرگوں میں بد دلی کی آگ اور بھڑکتی جا رہی تھی۔ ایک طرف وہ اس زور و شور سے شاہ پرستی کی ہجو کر رہا تھا،

اور دوسری طرف مطلق العنانی کو ایک مرتب ہیئت میں منتظم
کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں جس سال اس نے مذہبی رواداری
اور عیسوی وسعت نظر کے دو اصول پیش کئے ہیں اسی سال گروہ
مصلحین اور پوپ کے درمیان مناقشے کی ابتدا ہوئی ہے۔
۱۵۱۷ لیو دہم نے جب یہ سنا کہ ایک جرمن پروفیسر نے کلیسا کے
وٹنبرگ کے دروازے پر اس مطلب کے چند مسائل کیل سے جڑ دیئے
ہیں کہ "مراعات" کا عطا کرنا اور پوپ کو گناہوں کے معاف
کر دینے کا اختیار ہونا بالکل لغو و مہمل عقیدہ ہے، تو اس نے ہنسکر
کہا کہ "لوتھر کی ذہانت بہت بڑھی ہوئی ہے"۔ یہ اختلاف جو رونما
ہیں بہ نظر حقارت "فرائرز کی تکرار" کہا جانے لگا بہت ہی جلد پھیل گیا
آغاز اختلاف میں لوتھر اقتدار پوپ کے سامنے سر بسجود ہوگیا" اور پوپ کی
آواز کو عیسیٰ کی آواز تسلیم کیا مگر لیو کا عقیدہ "مراعات" کی باضابطہ
تصدیق کرنا ہی تھا کہ اس نے کلیسا کی ایک دوسری مجلس کے
انعقاد کا مطالبہ پیش کر دیا۔ دو برس بعد تفرقہ مکمل ہوگیا۔ پوپ
۱۵۲۰ کے ایک فرمان نے مصلح کی غلطیوں کو باضابطہ باطل قرار دیا۔ لوتھر
نے اس حکم لبطلان کی مطلق پروا نہ کی اور علی الاعلان اسے آگ
میں ڈال دیا۔ ایک دوسرے فرمان کے رو سے وہ کلیسا سے خارج
کر دیا گیا۔ اور پوپ کے حکم کے بعد ہی "شہنشاہ" نے بھی اسکے
خلاف حکم جاری کر دیا۔ نوجوان شہنشاہ چارلس پنجم نے جب ورمز
کی مجلس اعلیٰ میں اس پر اپنے عقیدے سے باز آنے کے لئے
زور دیا تو لوتھر نے یہ جواب دیا کہ "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں

کر سکتا کہ میں یہاں موجود ہوں"، سیکسنی کے الکٹر نے اسے تھورنگیا کے جنگل میں پناہ دی تھی، اس پوشیدہ مقام سے اس نے نہ صرف طریقہ پوپ کی خرابیوں پر بلکہ خود پوپ کے وجود پر اعتراضات کئے۔ گویا وکلف کے مرتدانہ خیالات پھر زندہ ہو گئے، لوتھر نے پوپ کی معصومیت و اقتدار، اس کے معتقدات کی صداقت، اس کی پرستش کی صحت، ان تمام امور سے انکار اور ان کا تمسخر کیا اور اپنی جائے پناہ سے ان مباحث کے متعلق نہایت ہی پر زور رسالے شایع کرتا رہا۔ نئے چھاپے خانے انہیں تمام دنیا میں پھیلا دیتے تھے۔ روما کی زیادتیوں کے خلاف جرمنی میں مدت سے سخت تنفر موجود تھا، جن لوگوں کے دلوں میں واقعی مذہب کا پاس تھا وہ کلیسا کی دنیا پرستی اور بدکاریوں کے باعث اخلاقی فرض سمجھ کر اس سے منحرف ہو چکے تھے، پوپ نے تو بہانت کی باضابطہ حمایت کر کے "تعلیمات جدیدہ" کے حامیوں کو بھی متنفر کر دیا تھا۔ ان تمام امور کا نتیجہ یہ ہوا، کہ لوتھر کو نہایت ہی وسیع ہردلعزیزی حاصل ہو گئی اور شہنشاہی کے ممالک شمالی کے شہزادوں نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا، لیکن انگلستان میں اس وقت تک ان خیالات کو قبولیت نہیں حاصل ہوئی تھی۔ محل و موقع کے سیاسی مشکلات کے باعث انگلستان اور روما میں ایک گہرا اتحاد پیدا ہو گیا تھا نوجوان شاہ انگلستان کو اپنی دینی تعلیم پر ناز تھا، وہ بذات خاص لوتھر کے مخالفین میں شامل ہو گیا اور ایک کتاب "اثبات ہفت عقائد" کے نام سے لکھی جس کے صلے میں لیو نے اسے "حامی دین"

کا خطاب دیا۔ اس کے جواب میں "مصلح" کی گستاخانہ بد زبانی سے مور و فشر کو میدان میں آنا پڑا۔ لوتھر کی بے لگام زبان نے اگرچہ "تعلیمات جدیدہ" کو ایک حد تک خائف کر دیا تھا، مگر اس جدوجہد میں وہ برابر لوتھر کا ساتھ دے رہی تھی۔ ارسمس نے اس کے لئے شہنشاہ سے گفتگو کی۔ الرخ فان ہوٹن نے فرائرز (درویشون) کو ویسی ہی ہجو و ملامت کا نشانہ بنایا جیسا خود لوتھر نے کیا تھا، مگر "نشاۃ جدیدہ" کا انداز و میلان جس قدر روما کے خلاف تھا اس سے بدرجہ زیادہ خود لوتھر کی افتاد طبیعت کے مخالف واقع ہوا تھا۔ "نشاۃ جدیدہ" یہ دل خوش کن خواب دیکھ رہی تھی، کہ محض علم و عقل کی ترقی اور فضائل انسانی کے نشو و نما سے امن و اماں کے ساتھ ایک نیا زمانہ پیدا ہو جائے گا مگر وٹنبرگ کے "مصلح" کو اس خیال ہی سے سخت وحشت ہوتی تھی۔ نئی تعلیمات سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی اور تھی بھی تو محض برائے نام۔ "استدلال" کا وہ اسی قدر دلی مخالف تھا جس قدر پوپ کے کسی پیرو کا ہونا ممکن تھا۔ اسے رواداری اور آزادہ روی کے خیال تک سے نفرت تھی۔ اخلاق و شعور نے اسے مجبور کر دیا تھا جو رومن طریق مذہب کے خلاف اسے اظہار خیال کرنا پڑا مگر اس کا ایسا کرنا صرف اس غرض سے تھا کہ وہ ان عقائد کے بجائے ایک دوسرا طریقہ جاری کرے جو اسی قدر پیچیدہ اور غلطی سے پاک ہونے کا ویسا ہی دعویدار ہو۔ فطرت انسانی کو اس طرح مجبور کرنا درحقیقت "تعلیمات جدیدہ" کی بنیاد کو متزلزل

کر دینا تھا مگر جوں ہی ارسیس نے "تعلیمات جدیدہ" کی تائید میں
قدم بڑھایا معاً لوتھر نے یہ اعلان کردیا کہ انسان اپنے ازلی
گناہ کا محکوم ہے اور اس کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنی ذاتی
کوشش سے صداقت کو حاصل کر سکے یا کوئی نیک کام انجام
دے سکے۔ اس قسم کا عقیدہ نہ صرف ازمنۂ قدیمہ کی اس نکوکاری
و دانائی کا فنا کر دینے والا تھا جس سے "تعلیمات جدیدہ" نے
زندگی انسانی اور معاملات دنیا کے متعلق وسعت نظر حاصل
کی تھی، بلکہ اس نے خود اس طریق استدلال ہی کو خاک میں
ملا دیا تھا، جس سے مور اور ارسمس کو یہ توقع تھی کہ علم و
مذہب دونوں میں از سر نو جان آجائے گی۔ مور اس کے
آیندہ اثرات کو خصوصیت کے ساتھ محسوس کر رہا اور نفرت
کے ساتھ دیکھ رہا تھا کہ کیونکر اس فوری مذہبی و اعتقادی
جوش نے ممالک عیسوی کو متخاصم گروہوں میں تقسیم کردیا جس سے
اتحاد و رواداری کی تمام امیدیں اور بھی خاک میں مل گئیں۔
اس وقت تک وہ نہایت ہی محبت آگین، نرم دل اور
خوش و خرم" معلوم ہوتا تھا مگر یکایک اس کے مزاج میں
تغیر پیدا ہوگیا، اور بادشاہ کے متعلق لوتھر کے اعتراضات کا
اس نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔ فشر نے زیادہ سنجیدہ اور
مدلل طریقہ اختیار کیا، مگر "تعلیمات جدیدہ" اور "اصلاح" کے
درمیان کامل تفرقہ پڑ گیا۔

فرانس کے ساتھ ہنری کی ابتدائی جنگ کے ختم ہونیکے **وولزی**

بعد جس وزیر کو فوری تو سنت حاصل ہوگئی اس کے
ہاتھ سے بھی ”یوٹوپیا“ کی سیاسی توقعات کا پورا ہونا مقدر میں
نہیں تھا۔ ٹامس وولزی، شہر اپسوچ کے ایک دولتمند شخص کا
لڑکا تھا، اس کی قابلیت کی وجہ سے عہد سابق کے اختتام کے
قریب اس پر نظریں پڑنے لگی تھیں، اور اسقف فاکس نے
اسے اپنے ساتھ لیجاکر بادشاہ کی ملازمت میں داخل کرادیا تھا،
اس نے بہت جلد نوجوان بادشاہ کی توجہ اپنی طرف مائل
کرلی۔ اس کے دشمن اسے یہ طعنہ دیتے تھے کہ ناچ رنگ اور
شراب وکباب کے جلسوں نے اسے اس حالت پر پہنچا دیا ہے،
مگر یہ غلط تھا۔ اس کی غیر معمولی طاقت کے لئے ان ترغیبات
کی ضرورت نہ تھی۔ مصاحبت سے وہ بہت جلد وزارت کے
درجہ پر پہنچ گیا۔ فرڈنینڈ کی دغابازی سے ہنری کے دل میں کینہ
پیدا ہوگیا تھا، اور اس سے وولزی کو موقع ملا کہ وہ اپنے
سابقین کے طرز عمل کو بدل کر ایک نئی طرز عمل اختیار کرے
گزشتہ جنگ نے انگلستان کو فرانس کے دباؤ سے آزاد کردیا تھا
مگر وولزی کا عزم یہ تھا کہ فرڈنینڈ کے تحکم سے بھی اُسے ایسی ہی
آزادی حاصل ہو جائے۔ اور انگلستان کی آزادی کے لئے اسے
بہترین ضمانت اس میں نظر آئی کہ فرانس سے اتحاد پیدا کرلے
چنانچہ ۱۴۱۵ء میں لیوئس سے ایک معاہدہ مکمل ہوگیا اور اسکے
۱۴۱۵ء جانشین فرانسس اول سے بھی دوستی کا سلسلہ جاری رہا۔
فرانسس نے جب لمبارڈی کے دوبارہ فتح کرنے کے لئے آلپس کے

پار کوچ کیا تو ہنری اور وولزی نے اس کے لئے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کیں، انہیں امید یہ تھی کہ جب تک یہ جنگ جاری رہے گی، انگلستان ہر قسم کے حملے سے مامون رہیگا اور انجام کار میں فرانسس خود تباہ ہو جائے گا، لیکن مقام ماریناینو میں فرانسس کو فتح عظیم حاصل ہو جانے سے یہ تمام خیالات ہوا ہو گئے، مگر عین فتح کے وقت فرانسس کو معلوم ہوا کہ اسے ایک نئے رقیب سے مقابلہ پیش آنے والا ہے، اسپین کا نیا بادشاہ چارلس پنجم کیسٹیل، آراگون نیپلز، اور نیدرلینڈ کا مالک تھا، اس نے شاہ فرانس کے راستے میں ایسی رکاوٹیں ڈال دیں کہ ہنری اور وولزی کی حکمت عملی سے ایسا ہونا ممکن نہ تھا۔انگلستان کی رفاقت ۱۵۱۶ء
کے لئے دونوں فریق بیتاب تھے، مگر باوجود مسلسل سفارتی گفت وشنود کے وولزی نے ایسی روش اختیار کی کہ سات برس تک انگلستان کو جنگ میں پڑنے سے بچا لے گیا۔ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ امن کے قائم ہو جانے سے "تعلیمات جدیدہ" کی امیدوں میں نئی جان پڑ گئی تھی۔ کالٹ کو موقع ملا کہ وہ طریقۂ تعلیم کی اصلاح کر سکے، ارسمس کلیسا میں نئی روح پھونکنے کا کام انجام دے سکے، مور سیاسیات کا ایک نیا علم قائم کردے۔ مگر وولزی نے اس امن سے جو کام لیا وہ انگریزی آزادی کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ "یوٹوپیا" میں جابجا ایسے سیاسی اشارات ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مور نے اس نئی مطلق العنانی کی ترقی کی سخت ہجو کی ہے۔ صرف

"انضمام" ہی میں یہ ہو سکتا تھا کہ کسی بادشاہ پر اگر یہ شک ہو کہ وہ اپنی رعایا کو غلام بنانا چاہتا ہے تو وہ سلطنت سے معزول کردیا جائے۔" اس مقنن اعظم نے کنایۃً یہ دکھایا ہے کہ انگلستان میں قانون کی پردے میں رعایا کو غلام بنانے کا کام کس خاموشی کے ساتھ انجام پا رہا ہے۔ بادشاہ کی جانب داری میں کسی نہ کسی حیلے کے ملجانے میں کبھی کوئی دقت نہیں ہوتی، کہیں قانون کے لفظ کی حجت پیش کی جاتی ہے، کہیں قانون میں زبردستی کی تاویل کی جاتی ہے، اور یہ بھی نہ ہو تو تقاضائے انصاف کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ کردیا جاتا ہے، جب یہ سب حیلے بیکار ہو جاتے ہیں تو اختیار شاہی کا واسطہ درمیان میں آجاتا ہے، اور ایماندار سے ایماندار جج کو بھی اپنی رائے کو، اس کے سامنے مغلوب کر دینا پڑتا ہے۔" ظلم و ستم کے بڑھانے میں عدالتوں سے جس طرح کام لیا جاتا تھا "مقدمہ محصول جہاز" کے فیصلے میں اسکی انتہا ہوگئی، ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مور نے ان حالات کا کیسا صحیح نقشہ کھینچا ہے۔ ان عدالتی تدبیروں کے پس پشت مطلق العنانی کا اصول کام کر رہا تھا، کچھ تو ممالک غیر کے بادشاہوں کی تقلید میں، کچھ معاشرتی و سیاسی بے اطمینانی کے باعث اور سب سے زیادہ بادشاہ کے عام اثرات سے منقطع ہو جانیکے سبب سے آہستہ آہستہ عام رائے اس اصول کے قبول کرنے کی طرف مائل ہوتی جاتی تھی۔ مور نے آگے چل کر نہایت دلیری سے لکھا ہے کہ "اس کلیہ سے ان خیالات کو تقویت پہنچائی جاتی ہے، کہ بادشاہ

کتنا ہی چاہے مگر وہ خلاف قانون کوئی کام نہیں کر سکتا، رعایا کا
نہ صرف مال و متاع بلکہ ان کی ذات تک بادشاہ کی ملک ہے، اور
کسی شخص کو اس سے زیادہ چیزوں کی ملکیت کا حق نہیں ہے،
جس قدر بادشاہ اپنی مہربانی سے اس کے پاس رہنے دے" وولزی کے
ہاتھ میں پڑ کر ان کلیات نے اصول سلطنت کی شکل اختیار کرلی۔مجلس
شاہی میں بڑے بڑے مقتدایان دین اور امرا کے موجود ہونے سے
بادشاہ کے افعال میں جو روک پیدا ہوتی تھی وہ عملاً برطرف ہوگئی
تھی۔تمام اختیارات ایک وزیر کے ہاتھ میں جمع ہوگئے تھے، ہنری نے
وولزی کو ان خدمات کے صلے میں بیش بہا انعامات سے گرانبار وولزی کا نظم ونسق
کردیا تھا، وہ اولاً لنکن کا اسقف مقرر ہوا، اور اس کے بعد ہی
اسے یارک کے منصب اسقف اعظم پر ترقی دیدی گئی۔ہنری نے کوشش
کرکے اسے کارڈنل کا منصب دلایا اور خود چانسلر کے درجے پر اسے
۱۵۱۵ ممتاز کردیا، دو اسقف ممالک غیر کے رہنے والے تھے، ان کی جاگیروں
کی آمدنی بھی وولزی کے تحت تصرف میں آگئی۔ونچسٹر کی اسقفی اور
خانقاہ سینٹ آلبینز کی ریاست اس کے قبضے میں تھی۔فرانس اور
اسپین سے اسے وظیفے ملتے تھے، اور اس کے عہدوں کی تنخواہیں بھی
بہت زیادہ تھیں، اس کی شان و شوکت بالکل بادشاہوں کی سی معلوم
ہوتی تھی۔وہ جہاں کہیں جاتا مقتدایان دین اور امرا کا ایک گروہ کا
گروہ اس کے ساتھ رہتا تھا اس کے ملازمان خانگی میں امیر
گھرانوں کے پانسو افراد داخل تھے، اور خاص خاص جگہوں پر نائٹ
اور بیرن مقرر تھے۔وہ اپنی بے شمار دولت کو شاہانہ فیاضی کے ساتھ

صرف کرتا تھا۔ قطع نظر اور عمارتوں کے اس کے صرف دو مکان ہیمپٹن کورٹ اور یارک ہاؤس، اتنے فراخ اور آراستہ تھے کہ اس کے زوال کے بعد وہ شاہی محل کے کام آئے، یارک ہاؤس وہی مکان ہے جو اب وہائٹ ہال کہلاتا ہے۔ اپسوچ میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا مگر جب آکسفورڈ میں اس نے کارڈنل کالج کی شاندار عمارت تیار کی تو یہ مدرسہ اس کے سامنے پست ہوگیا۔ بعد میں اسی کارڈنل کالج کا نام بدل کر کرائسٹ چرچ رکھا گیا۔ یہ شان و شوکت محض نمائشی نہیں تھی۔ سلطنت کے تمام اندرونی و بیرونی معاملات کا تنہا وولزی کی ذات پر دار و مدار تھا۔ چانسلر کی حیثیت سے وہ عدالت کا اعلیٰ ترین عہدہ دار تھا۔ پوپ کے وکیل ہوجانے سے کلیسا میں بھی وہ سب پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس نے جو کام اپنے ذمہ لے لئے تھے ان کی کوئی حد و غائت نہیں تھی، مگر پھر بھی تمام کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام پاتے تھے، شاہی خزانے کے انتظام میں کفایت شعاری برتتا تھا۔ ہر مراسلت پر خود کافی توجہ کرتا تھا اور اس کے ساتھ ہی جب ان مراسلات کی تعداد کا خیال کیا جاتا ہے تو نہایت ہی تعجب معلوم ہوتا ہے۔ مور اس کا کھلا دشمن تھا مگر وہ بھی اس امر کا معترف تھا کہ بہ حیثیت چانسلر کے اس سے جس قدر امیدیں ہوسکتی تھیں اس نے اس سے زیادہ کر دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کے انضباط و انتظام سے عدالت و خزانہ پر کام کا اتنا بار پڑگیا کہ اس کی تخفیف کے لئے ماتحت عدالتیں قائم کی گئیں۔ تمام دینی و دنیاوی اختیارات کے اس طرح ایک شخص واحد کے ہاتھ میں جمع ہو جانے سے اہل انگلستان اس شخصی حکومت کے عادی ہوگئے جو ہنری ہشتم کی ذات سے شروع

ہوئی تھی، اور اس سے زیادہ یہ ہوا کہ وولزی ایک مدت تک ملک کے اندر پوپ کے تمام اختیارات استعمال کرتا رہا اس باعث سے مرافعات کا روما کو بھیجنا بند ہوگیا تھا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ جب ہنری نے اپنے عہد کے آخر زمانے میں مذہبی سیادت کا دعویٰ کیا تو لوگ اس پر رضامند ہوگئے۔ وولزی کا انداز اگرچہ نہایت مغرورانہ تھا اور اس کی فطری قابلیتیں بھی نہایت اعلیٰ درجے کی تھیں مگر انگلستان میں لوگ یہی سمجھتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی ہے بادشاہ کا بنایا ہوا ہے عظمت، و دولت، اختیار، و اقتدار، جو کچھ بھی تھا بادشاہ کی خوشنودی مزاج تک تھا، اور وہ خود بھی اس کا مقر تھا۔ اپنے اس کم اصل ندیم کو کلیسا و سلطنت دونوں کا اعلیٰ عہدہ دار بنا کر ہنری فی الحقیقت تمام ملکی و مذہبی اختیارات کو خود اپنے قابو میں لانے کی فکر کر رہا تھا۔ جو قوم وولزی سے کانپتی تھی وہ اس بادشاہ سے بدرجۂ اولیٰ کانپنے لگی جو ایک اشارے میں وولزی کو تباہ کر سکتا تھا۔

وولزی اور پارلیمنٹ ۱۵۱۹

چارلس، شاہ آسٹریا کی ترقی سے وولزی کی حکمت عملی میں ایک نیا دور شروع ہوگیا، نیدرلینڈ فرانشش کونٹے، اور اسپین پر وہ پہلے ہی سے قابض تھا، اب اس کے دادا میکسیملین کے انتقال سے خاندان آسٹریا کے مقبوضات سوبیا، اور ممالک ڈینوب بھی وراثتہً اسے مل گئے، اور اس کے شہنشاہ منتخب ہونے کا راستہ نکل گیا۔ فرانس نے دیکھ لیا کہ اسے ہر جانب سے ایک نہ ایک قوی تر دشمن گھیرے ہوئے ہے، اور وولزی اور اس کے مالک کے لئے وقت آگیا کہ وہ ایک دلیرانہ چال چلیں، ہنری کو امید تھی کہ میکسیملین کے

انتقال پر وہ شہنشاہی کے لئے منتخب ہو جائیگا، جب اس امید
میں اسے مایوسی ہوئی تو وہ پھر اپنے فرانس کے موروثی صوبجات
کے واپس لینے کا خواب دیکھنے لگا، اور حقیقت یہ ہے کہ اس
نے اس خیال کو کسی وقت بھی ترک نہیں کیا تھا۔ اس کا بھانجا
چارلس بھی بہت ہوشیاری کے ساتھ اس کے اس خیال کو تقویت
دیتا رہتا تھا۔ وولزی کو بھی اس نے فراموش نہیں کیا تھا،
جس طرح فرانس پر ہنری کا دانت تھا اسی طرح پوپ کی
مسند پر وولزی کی نظر لگی ہوئی تھی، اور نوجوان شہنشاہ آئندہ
انتخاب میں اس کی تائید کرنے کی بیحد امیدیں دلا رہا تھا،
ان فریب کاریوں کا نتیجہ بہت جلد ظاہر ہوگیا، مئی سنہ ۱۵۲۰ء
میں چارلس، ہنری سے ملنے کے لئے ڈوور میں اترا اور
شاہ و شہنشاہ سوار ہوکر تنہا کینٹربری کو گئے۔ فرانسس نے
بھی ہنری سے بمقام گین ملاقات کرکے یہ کوشش کی کہ
اس سے دوستی قائم رکھے مگر اسے اس کوشش میں کامیابی
نہیں ہوئی، اس ملاقات کے موقع پر دونوں بادشاہوں نے
اس قدر بے دریغ خرچ کیا کہ اس مقام کا نام "دشت پارچہ
۱۵۲۰ زرین" ہوگیا۔ فرانسس سے ملنے کے بعد ہنری نے چارلس
سے پھر ملاقات کی، دونوں بادشاہوں میں ایک خفیہ معاہدہ
ہوگیا، اور شہنشاہ نے وعدہ کیا کہ وہ ہنری کی اکلوتی بیٹی
میری ٹیوڈر سے عقد کرلے گا۔ ایک قانون کے ذریعہ سے یہی
لڑکی تخت انگلستان کی وارث قرار دی گئی۔ اس سے ظاہر

ہوتا ہے کہ طبقۂ بیرن کس حد تک بادشاہ کی مرضی کا تابع ہو گیا تھا۔ ڈیوک بکنگھم سلسلۂ نسب اور نیز اپنے اقتدار کی وجہ سے انگلستان کے امرا میں سب سے مقدم تھا، وہ اڈورڈ سوم کے سب سے چھوٹے لڑکے کی اولاد میں تھا اور اگر میری کی جانشینی سے انکار کر دیا جاتا تو وہی تخت کا وارث ہوتا۔ پیشینگوئی کرنے والوں اور منجموں کے اقوال نے اسکی امیدوں کو اور قوی کر دیا تھا اور بیخودی میں جو الفاظ اس کی زبان سے نکلے ان سے معلوم ہوتا تھا کہ ہنری کے انتقال کے بعد ہر ایک مخالف کے مقابلہ میں وہ بزور تاج پر قبضہ کرنے کے لئے تیار تھا۔ بادشاہ دو برس تک اس کے اقوال وافعال پر خاموش رہا مگر ۱۵۲۱ء میں وہ گرفتار کر لیا گیا اور اس کے ہمسر امرا نے اسے غدار قرار دیا اور ٹاور ہل پر وہ قتل کر دیا گیا۔ فرانسیسی اتحاد کا خاتمہ ہو گیا اور اسپین و فرانس میں جنگ چھڑتے ہی بمقام کیلے، پوپ، شہنشاہ اور ہنری کے درمیان ایک خفیہ اتحاد ہو گیا۔ اس نئی جنگی حکمت عملی کا نتیجہ ملک میں فوراً ہی ظاہر ہو گیا۔ وولزی کی کفایت شعاری سے اس سے زیادہ کچھ نہ ہو سکا تھا کہ گزشتہ امن کے زمانے میں وہ تاج کو مالی مشکلات میں پڑنے سے بچا لے گیا تھا۔ ہنری نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ آئندہ مہم کے لئے چالیس ہزار آدمی مہیا کرے گا مگر معمولی حالت میں شاہی خزانہ اس خرچ کا کسی طرح

متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ وولزی میں مطلق العنانی کا اثر سرایت
کر چکا تھا وہ اس غرض کے لئے پارلیمنٹ کے طلب کرنے
کے قدیم رواج پر کاربند ہونے سے جھجکتا تھا۔ ہنری کو جب
اولاً فرانس سے جنگ کا سابقہ پڑا تھا تو اس نے اخراجات کی
ضرورت سے تین بار پارلیمنٹ طلب کی تھی مگر وولزی نے سات
برس کے زمانے میں ایک بار بھی پارلیمنٹ کا اجلاس منعقد
نہیں کیا، مگر اب جنگ کی وجہ سے پارلیمنٹ کا طلب کرنا
ناگزیر ہوگیا تھا، اس پر بھی کارڈنل نے کچھ مدت تک یہ کوشش
کی کہ اڈورڈ چہارم کی طرح "جبری قرضہ" یا "پیشکش" وسیع پیمانے
پر اس شرط سے وصول کرے کہ آیندہ پارلیمنٹ سے جو پہلی مدد
ملے گی وہ اسی قرضے کے ادا کرنے میں صرف کی جائیگی۔ ہر ایک
صوبے کے لئے بہت بڑی بڑی رقمیں معین کی گئیں۔ لندن سے
بیس ہزار پاؤنڈ وصول کئے گئے اور اس کے زیادہ مرفہ الحال
باشندوں کو خود کارڈنل کے روبرو طلب کرکے ان سے اپنی اپنی جائدادوں
کے تخمینے پیش کرنیکے لئے کہا گیا۔ ہر ضلع میں تشخیص کے لئے محصّل
روانہ کئے گئے اور ان کی اطلاع کے موافق احکام جاری کئے گئے،
کہیں سے شاہی خدمت کے لئے سپاہی مانگے گئے، کہیں سے
ہر شخص کی آمدنی کا دسواں حصہ طلب کیا گیا۔ لیکن اس کا
نتیجہ اس قدر کم نکلا کہ دوسرے سال وولزی کو مجبور ہوکر پارلیمنٹ
طلب کرنا پڑی مگر اس نے جیسا گران مطالبہ پارلیمنٹ کے ۱۵۲۳
سامنے پیش کیا اس کی کوئی نظیر سابق میں نہیں ملتی تھی، وہ چاہتا تھا

کہ ہر شخص کی آمدنی پر بیس فی صدی محصول لگایا جائے۔ کارڈنل نے بذات خاص اس مطالبے کو پیش کیا لیکن ارکان دارالعوام نے سوا چپ رہنے کے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ وولزی نے یکے بعد دیگرے اراکین سے جواب دینے کے لئے کہا مگر پھر بھی سب کے سب خاموش رہے۔ مور اس پارلیمنٹ کا صدرنشین تھا وولزی نے اس سے جواب کی درخواست کی مگر اس نے گھٹنوں کے بل کھڑے ہوکر کہا کہ "جب تک خود دارالعوام اسے ہدایت نہ کرے وہ کسی طرح کا جواب دینے سے قاصر ہے" دارالعوام کو مرعوب کرنے کی کوشش میں کامیابی نہیں ہوئی اور وولزی کے جاتے ہی زور شور کے ساتھ مباحثہ جاری ہوگیا۔ وہ پھر اعتراضات کے جواب دینے کے لئے واپس آیا مگر اراکین نے اس کے روبرو کسی قسم کی بحث کرنے سے انکار کردیا اور اس طرح مباحثات پر اثر ڈالنے میں اسے دوبارہ ناکام رکھا۔ یہ کشمکش دو ہفتے تک جاری رہی اور اگرچہ امداد کے حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی مگر درباری فریق کو وولزی کے مطالبے کے نصف سے کم پر قناعت کرنا پڑی۔ مذہبی مجلس نے بھی ایسی ہی آزادانہ روش کا اظہار کیا۔ اور دو برس بعد جب پھر روپیے کی ضرورت ہوئی تو کارڈنل کو پھر وہی "پیشکش" کا طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ شاہی کمشنروں (محصلوں) نے ہر صوبے میں عام لوگوں سے ان کی آمدنی کا دسواں حصّہ اور پادریوں سے چوتھا حصّہ طلب کیا۔ وارہم نے

دربار کو لکھا کہ" لوگ نہایت ہی شاکی و نالاں ہیں" کنٹ کے اسکوائروں کا یہ قول تھا کہ" لوگ اگر محصلوں کو اپنا مال و متاع دینے لگیں تو یہ فرانس کے محصولات سے بھی بدتر ہوگا اور انگلستان آزاد نہیں رہے گا بلکہ غلام بن جائے گا" اہل ملک نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی یہ سمجھ لیا تھا کہ آزادی کا قائم رہنا صرف اسی پر منحصر ہے کہ اجرائے محصول کا اختیار خود قوم کے اختیار میں ہو۔ اس مقاومت میں پادری سب پر سبقت لے گئے۔ اور ہر منبر پر یہی وعظ ہونے لگا کہ یہ طریقہ تحصیل محصول آزادی کے خلاف ہے اور بغیر قانونی کارروائی کے بادشاہ کو کسی کے مال کے لینے کا حق نہیں ہے۔ ملک میں اس قدر ہیجان پیدا ہوگیا کہ وولزی کو آخر اس طوفان عام کے سامنے دبنا پڑا اور اس نے یہ ظاہر کر دیا کہ لوگ جو کچھ چاہیں اپنی خوشی سے قرض دیں وہ اس سے زائد کا خواستگار نہیں ہے۔ لوگوں نے رچرڈ سوم کا قانون نکالا کہ ہر قسم کا "پیشکش" خلاف ضابطہ ہے۔ لندن اس مطالبے سے پہلو بچا لے گیا۔ کنٹ سے محصل خارج کر دئے گئے۔ سفک میں شورش برپا ہوگئی، کیمبرج اور نارویچ کے لوگوں نے بھی بغاوت کی دھمکی دی، اور کام کرنے والوں میں فی الواقع عام ہڑتال ہوگئی۔ کپڑا بنانے والوں نے کاریگروں کو موقوف کر دیا۔ کسانوں نے نوکروں کو برطرف کر دیا۔ وہ یہ کہتے

تھے کہ بادشاہ کا مطالبہ اس قدر سخت ہے کہ جس طرح سے وہ کام چلا رہے تھے اب اس طرح سے کام نہیں چل سکتا۔ اگر شاہی مطالبہ غیر مشروط طور پر رُک نہ گیا ہوتا تو انگلستان میں بھی کسانوں نے ویسی ہی شورش کردی ہوتی جیسی جرمنی میں ہو رہی تھی۔

زرعی بے اطمینانی

وولزی کی شکست نے اس وقت انگلستان کی آزادی کو بچا لیا۔ مگر وہ جس خطرے سے ہراساں تھا وہ محض احساس آزادی کی مخالفت نہیں تھی، کنٹ کے اسکوائر (متوسط الحال طبقہ) کے شکایات نے عام بددلی کو اور بڑھا دیا تھا، مسئلہ اراضی کی صورت معاملات سے اگرچہ آخر میں بادشاہ کو یہ قوت حاصل ہوگئی کہ وہ اراضی ہی کو امن عام کی ضمانت قرار دے، مگر اس کے ساتھ ہی بادشاہ اور زمینداروں میں جب کوئی مخالفت ہوتی تو زمین ہی اس میں سب سے زیادہ پریشان کن اور معرکہ کا نازک سبب بن جاتی۔ ڈیڑھ سو برس سے زائد سے یہ ہو رہا تھا کہ چھوٹی چھوٹی اراضیوں کو ملا کر بڑے بڑے قطعات بنائے جائیں اور بجائے زراعت کے نہایت وسیع پیمانے پر بھیڑیں پالی جائیں، چونکہ اون کی قیمت برابر بڑھتی جارہی تھی اس وجہ سے لوگ اس طرف اور بھی زیادہ راغب ہو گئے تھے، اس تغیر میں سوداگروں کی نو حصول دولت سے بھی بہت مدد ملی۔ اہل تجارت نہایت کثرت سے اپنی دولت زمین کے کاروبار میں لگانے لگے، لیٹیمر نے نہایت

ہی نفرت سے ان لوگوں کو کاشتکار "شرفا اور محرری کرنے والے رؤسا" لکھا ہے۔ رواج اور دستور کا ان لوگوں پر مطلق اثر نہیں پڑتا تھا وہ بلا تامل چھوٹے چھوٹے کسانوں کو بیدخل کرتے جاتے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ سابقاً زمین کا لگان بہت ہی کم مقرر ہوا تھا۔ اور جب زمین کی قیمت بڑھ گئی تو اس مروجہ لگان کے بڑھانے کی خواہش کا روکنا غیر ممکن ہوگیا۔ لیٹیمر ہی کا بیان ہے کہ "جو زمین پہلے بیس یا چالیس پاؤنڈ سالانہ پر ملتی تھی، اب وہ زمین پچاس یا سو پاؤنڈ پر ملتی ہے۔" مگر یہی کمی لگان نیچے طبقے کے آزاد اشخاص کی خوش حالی کا باعث تھی۔ لیٹیمر کہتا ہے کہ "میرا باپ نیچے طبقے کا ایک آزاد شخص تھا اور اس کے پاس اپنی کوئی ذاتی زمین نہیں تھی، ایک کھیت زیادہ سے زیادہ تین یا چار پاؤنڈ سالانہ کا تھا، اور اسی پر وہ اس قدر زراعت کرتا تھا کہ نصف درجن آدمیوں کا گزرہ ہوتا تھا۔ اس کے پاس سو بھیڑیں تھیں اور میری ماں تیس گایوں کو دوہتی تھی۔ وہ جب بادشاہ کی ملازمت میں آیا ہے تو اس نے خود اپنے لئے سازو یراق مہیا کیا۔ مجھے وہ وقت یاد ہے جب وہ میدان بلیکھتہ کو جانے والا تھا۔ اور میں نے اس کے گھوڑے پر ساز کسا تھا۔ اس نے مجھے مدرسہ میں تعلیم دلائی، میری ہر بہن کی شادی پر پانچ پاؤنڈ صرف کئے اور اس نے ان کی پرورش اس طرح

کی تھی کہ ان میں نکوکاری اور خدا کا خوف پیدا ہوگیا تھا۔ وہ اپنے
غریب ہمسایوں کے ساتھ مہمان نوازی کا برتاؤ کرتا تھا، اور غریبوں
کو کچھ خیرات بھی دیتا تھا اور یہ سب کچھ وہ اسی کھیت کی آمدنی سے
کرتا تھا۔ اب یہ حال ہے کہ اس کھیت کے لئے اسے سولہ پاؤنڈ
یا کچھ اس سے زائد دینا پڑتا ہے۔ اور اب وہ اس قابل نہیں
رہا ہے کہ اپنے بادشاہ کے لئے یا خود اپنے لئے یا اپنے لڑکوں کیلئے
کچھ کر سکے، یا کسی غریب کو کھلا پلا سکے"۔ لگان کی زیادتی کا نتیجہ
یہ ہوا کہ اس قسم کے متاجرین نے اپنی اراضیات چھوڑ دیں مگر
کاشتکاروں کے خارج کرنے میں اکثر جس قسم کی ذلیل ناانصافی
سے کام لیا گیا اس سے اخراج کی مصیبت بہت بڑھ گئی۔ مور نے
۱۵۱۵ء میں جو کچھ کہا ہے اگر ہم اس پر یقین کریں تو معلوم
ہوتا ہے کہ "کسان فریب دہی اور زبردستی سے اپنی زمینوں سے
نکالے جاتے تھے اور جب یہ نہیں ہو سکتا تھا تو ان کے ساتھ
اسقدر زیادتیاں کی جاتی تھیں کہ وہ مجبور ہوکر اپنی جائداد کو چھوڑ دیتے
تھے اس طرح یہ فلاکت زدہ گروہ جن میں مرد، عورتیں، یتیم بچے،
بیوائیں، چھوٹے چھوٹے بچوں کے ماں باپ، سب ہی قسم کے
لوگ ہوتے تھے۔ اپنے وطن کے کھیتوں کو چھوڑ چھوڑ کر روانہ ہو جاتے
تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ کہاں جائیں۔ ان لوگوں کے گھر والوں کی تعداد
ان کے روپیہ کی تعداد سے زیادہ ہوتی تھی کیونکہ کاشتکاری کے لئے
آدمیوں کی زیادہ ضرورت ہے برخلاف ازیں ایک گڈریا یا گوالا ایک چراگاہ
کے لئے کافی ہے"، اپنے مختصر سے اساس البیت کے فروخت ہو جانے

سے یہ لوگ بے خانماں ادہر اُدھر مارے پھرتے - کبھی آوارہ گردوں کے زمرے میں قید خانے کے اندر پڑے رہتے کبھی بھیک مانگتے ، اور کبھی چوری کرتے تھے - لیکن اس حالت میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مزدوری کی قلت کی وہی قدیم شکایت بدستور قائم ہے اور اس کا وہی قدیم قانونی چارہ کار ہے کہ مزدوری کی شرح معین کردی جاوے - فی الحقیقت اس معاشرتی ابتری نے انگریزی مدبرین کی عقلوں کو چکر میں ڈال دیا تھا اور انہیں اس کا علاج اس سے بہتر اور کچھ نظر نہ آیا کہ بھیڑ کے چراگاہوں کی آئندہ توسیع کو قانوناً روک دیں اور جرائم کے لئے کثرت کے ساتھ لوگوں کو پہانسی دینا شروع کریں ، مگر یہ دونو کی دونوں تدبیریں بیکار ثابت ہوئیں - چراگاہوں کا بننا اور کاشتکاروں کا خارج ہونا جس طرح جاری تھا جاری رہا - مور کا یہ کہنا اگرچہ تلخ معلوم ہوتا تھا مگر تھا بہت صحیح کہ " اگر تم ان خرابیوں کی اصلاح نہ کرو جن کی وجہ سے چوریاں وقوع میں آتی ہیں تو چوروں کو سخت سزائیں دینے سے کچھ حاصل نہوگا ،، مگر مور نے اس کا جو علاج سوچا تہا اس کے کارآمد ہونے کے لئے ابھی ایک صدی کی ضرورت تھی - " ان کو کام میں لانے کی صنعت جاری ہونا چاہئے تاکہ جو لوگ ضرورت سے مجبور ہوکر چوری کرنے لگے ہیں یا آئندہ ایسا کرنے لگیں گے انہیں ایمان داری کے ساتھ اپنے قوت بازو سے روٹی کمانے کا موقع

ملجائے "۔ عام طور پر معاشرتی بدنظمی برابر بڑھتی جارہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بڑے بڑے فوجی امرا کے خاندانوں کے شکست ہو جانے سے (جس کا سلسلہ ابھی تک جاری تھا) اور لڑائیوں سے زخمی و بے کار سپاہیوں کے واپس آنے سے زیادتی وجرم میں خطرناک اضافہ ہوگیا تھا

معاملہ طلاق

خزانے کے خالی ہو جانے اور عام بددلی کے پھیل جانے کی وجہ سے جنگ کے مصیبت ناک نتیجے کی سختی اور بڑھ گئی تھی، فرانس کو تو اس جنگ و جدل نے بالکل ہی تباہ کردیا کیونکہ ملان کے نکل جانے

۱۵۲۵ اور ہزیمت پادیا میں فرانسس اول کے قید ہوجانے سے تمام فرانس شہنشاہ کے قدموں کے نیچے آگیا تھا۔ مگر چارلس نے جن وعدوں سے انگلستان کو اس جنگ کی ترغیب دی تھی ان کے پورا کرنے کا وہ مطلق ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ دولزی نے دیکھ لیا کہ شہنشاہ کے دو جانبدار یکے بعد دیگرے پوپ کی کرسی کو رونق دے چکے ہیں، اور میراث فرانس،، کے ازسرنو حاصل کرنے کی تدبیر قطعاً ناکامیاب ہو چکی ہے انگلستان کو مثل سابق کے ان دونوں بیکار لڑائیوں سے کچھ حاصل نہوا اور صاف ظاہر ہوگیا کہ چارلس کا منشا بھی یہی تھا کہ انگلستان کو کچھ فائدہ نہ پہنچے۔ اس نے اپنے قیدی (شاہ فرانس) سے عارضی صلح کرلی، متحدہ حملے

کے تمام تجویزوں کو معطل کردیا۔ میری ٹیوڈر سے عقد کے وعدے کو فراموش کرکے ایک پرتگالی شہزادی سے شادی کرلی۔ اس نے فرانس پر ایسی صلح کے لئے زور دیا جس سے برگنڈی اس کے قبضے میں آجائے۔ اب ہنری اور اس کے وزیر کے لئے وقت تھا کہ وہ اپنی روش بدلیں۔ انہوں نے یہ عزم کرلیا کہ ان دونوں سلطنتوں کی علانیہ مخالفت نہ کریں۔ فرانس سے ایک خفیہ معاہدہ بھی مکمل ہوگیا، مگر ہنری نے شہنشاہ سے مراسم قائم رکھے اور شاہ فرانس نے جن شرائط سے رہائی حاصل کی تھی جب اس نے ان کے پورا کرنے سے انکار کردیا اور دوبارہ جنگ جاری ہوگئی تو ہنری نے اس میں (شہنشاہ کے خلاف) کسی قسم کی شرکت نہیں کی۔ بہت سے اہم و نتیجہ خیز واقعات پیش آئے، مگر بادشاہ کو غیر ملکی معاملات میں دخل دینے کی رغبت نہوئی، وہ ہمہ تن سیر وشکار میں منہمک ہوگیا اس کے دربار میں این بولین ایک نہایت حسین اور بڑی ہی زندہ دل عورت تھی، اس کی طرحداری و طراری نے بہت جلد ہنری کی توجہ اپنی طرف مائل کرلی اور اس کے باپ کو جو اعزاز عطا ہوئے اس سے اس کا اثر ظاہر ہوگیا سنہ ۱۵۲۷ء میں بادشاہ نے یہ ارادہ کیا کہ ملکہ سے قطع تعلق کرلے۔

اس سے اس گھرے تعلقات پر ایک نیا رنگ چڑھ گیا۔
ایک میری کے سوا بادشاہ کے تمام بچے مرگئے تھے اور اس
سے لوگوں کے دلوں میں اس نفرت زدہ عقد کے جواز کے
نسبت تذبذب پیدا ہوگیا تھا۔ اور کسی مرد وارث کے نہونے
سے یہ خیال اور گھرا ہوگیا ہوگا۔ اسباب جو کچھ بھی ہوں مگر ہنری
نے اس وقت سے پوپ پر یہ زور دینا شروع کیا کہ وہ طلاق کی
منظوری دیدے۔ لیکن کلیمنٹ کے لئے اس منظوری کے معنی یہ
تھے کہ وہ کیتھرین کے بھانجے شہنشاہ چارلس سے بگاڑ کرلے۔ انگلستان
کا ایلچی مسئلہ طلاق کی بحث ہی کر رہا تھا کہ یکایک شہنشاہ کی
۱۵۲۶ جانب سے ایک فوج روما پر آپڑی اور کلیمنٹ کو اپنی بے بسی کا پورا
پورا احساس ہوگیا۔ دوسرے سال روما کی تسخیر و تباہی کے بعد
پوپ فی الحقیقت شہنشاہ کے ہاتھ میں ایک قیدی ہوگیا تھا۔
اس اثنا میں پوپ سے وکیل کی حیثیت سے وولزی کے سامنے
خفیہ طور پر ایک درخواست پیش کی گئی تھی مگر اسے دفعتہً خارج
کردیا گیا۔ کیونکہ ہنری نے جن واقعات کو بنا قرار دیا تھا کیتھرین
ان سے منکر تھی۔ اور اگر وہ پوپ کے دربار میں مرافعہ پیش
کرتی تو کسی طرح یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ کلیمنٹ ہنری
کے حق میں فیصلہ کرتا، اس صورت میں طلاق کے مشکلات
بہت عیاں تھے۔ اساقفہ انگلستان کے ایک نہایت ہی عالم
رکن فشر (اسقف روچیسٹر) نے علانیہ اس کے خلاف رائے
دی۔ جن انگریزی علمائے دین سے یہ دریافت کیا گیا تھا کہ پوپ

نے اولاً ہنری کے عقد کی جو اجازت دیدی تھی وہ جائز تھی یا نہیں انہوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ بادشاہ کو یہ معاملہ خود پوپ ہی کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ طبقۂ تجار اس معاملہ سے اس وجہ سے گھبراتا تھا کہ طلاق کی صورت میں شہنشاہ سے تعلقات ٹوٹ جائیں گے، اور اس کی تلافی کا ہونا ممکن نہیں کیونکہ فلینڈرز ان تاجروں کی بڑی منڈی تھی اور شہنشاہ اس کا مالک تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ اس نا منصفانہ تجویز نے عموماً طبایع کو بھڑکا دیا تھا مگر بادشاہ کی خود غرضی اور خواہش نفسانی کے سامنے شرم و اندیشہ کسی کی پیش نہ گئی این کی تائید میں ایک بہت بڑا فریق بھی مجتمع ہو گیا تھا، اس کے چچا ڈیوک نارفک اور اس کے باپ لارڈ راشفرڈ (جو بعد میں ارل ولٹشائر ہو گیا) نے طلاق کی کارروائی کو بہت زور کے ساتھ آگے بڑھایا۔ شوقین مزاج نوجوان درباریوں نے (جن میں این کا بھائی بھی شامل تھا) اس کی کامیابی کو اپنی ترقی کا زینہ سمجھا۔ ڈیوک سفک اور بیشتر حصّہ امرا کو یہ امید تھی کہ این کے وسیلے سے وہ اس مدبر کو اکھاڑ دیں گے جس سے وہ سب کانپتے تھے۔ کارڈنل کے لئے یہ ضروری تھا کہ کسی نہ کسی تدبیر سے وہ بادشاہ کی مرضی کو پورا کرے مگر دربار پوپ کے مشکلات کے سامنے اس کی تمام تجاویز یکے بعد دیگرے ٹوٹتی گئیں۔ کلیمنٹ درحقیقت سخت شش و پنج میں پڑ گیا تھا۔ وہ ہنری کی خواہش کو بھی پورا کرنا چاہتا تھا اور مجوزہ کارروائی کی بابت خود اپنے دل میں شک و شبہہ بھی پاتا تھا شہنشاہ کا خوف بھی دامنگیر تھا کیونکہ وہ اب اطالیہ پر پوری طرح حاوی

ہو گیا تھا۔اس اضطراب میں اس نے وولزی پر یہ الزام تک لگا دیا کہ اس نے اس معاملہ کو خود اپنی سلطنت کے اندر طے کرلینے اور اپنی عدالتوں کے فیصلے کے موافق عقد کر لینے سے بادشاہ کو کیوں روکا۔ ہنری اس بات پر جما ہوا تھا کہ اس طلاق کے متعلق پوپ کی صریحی منظوری حاصل کرے۔ اور کلیمنٹ برابر اس سے پہلو بچا رہا تھا۔ لیکن آخر میں وہ اس امر پر راضی ہو گیا کہ پوپ کے نائب کی حیثیت سے ایک کمیشن اس معاملے پر خود انگلستان میں غور کرے۔ اس کمیشن میں، کارڈنل کومپیجیو، وولزی کے ساتھ شریک کیا گیا تھا، مہینوں بیکار مراسلت میں گزر گئے۔ اور دونوں کارڈنل کیتھرین کو یہ سمجھاتے رہے کہ وہ کسی مذہبی خانقاہ میں داخل ہو جائے۔ ہنری یہ زور دے رہا تھا کہ اس جواز مناکحت کو باطل قرار دیکر باضابطہ طے کر دیا جائے۔ آخر کار ۱۵۲۹ء میں پوپ کے دونوں وکیلوں نے بلیک فرائرز کے وسیع ہال میں اجلاس شروع کیا۔ ہنری نے مختصر طور پر اپنا یہ ارادہ ظاہر کر دیا کہ وہ اب اس حالت گناہ میں رہنا نہیں چاہتا ملکہ نے پوپ کے پاس معاملہ پیش کرنا چاہا، اور جب وکلاء نے اسے منظور کرنے سے انکار کر دیا تو وہ ہنری کے قدموں پر گر پڑی۔ اور کہنے لگی کہ "اے میرے آقا! میں آپ سے رحم کی خواستگار ہوں، میں ایک عورت ذات اور اس ملک میں بالکل اجنبی ہوں، نہ میرا کوئی سچا دوست اور نہ کوئی میرا اچھا برا صلاح کار ہے۔میں خدا کو گواہ کرتی ہوں کہ میں نے ہمیشہ آپ کے

عدالت وکلاء پوپ

۱۵۲۸

ساتھ سچائی و وفاداری کا معاملہ کیا، آپ کے خوش رکھنے کو ہمیشہ اپنا فرض سمجھا جس سے آپ نے محبت کی میں نے بھی اس سے محبت کی بلا اس خیال کے کہ اس کی کوئی وجہ ہو یا نہ ہو یا وہ شخص میرا دوست ہے یا دشمن ۔میں برسوں آپ کی زوجیت میں رہی، اور آپ سے میرے کئی بچے ہوے، خدا اس بات کو جانتا ہے کہ جب میں آپ کی زوجیت میں آئی ہوں تو میں کنواری تھی، اور اس کا فیصلہ آپ ہی کے اوپر ہے، اگر میرے خلاف کوئی الزام ہو تو میں اس پر راضی ہوں کہ میں بدنامی کے ساتھ آپ سے علیحدہ ہو جاؤں، لیکن اگر کوئی الزام نہیں ہے تو میں آپ سے ملتجی ہوں کہ آپ ہی میرا انصاف کیجئے،، مگر اس درد آمیز التجا نے بادشاہ پر کچھ اثر نہ کیا وہ پہلے ہی سے اپنے خاص محل میں شاہانہ تزک واحتشام سے اینٔ بولین کی مہمانداری کر رہا تھا۔

کارروائی جاری رہی اور عدالت فیصلہ سنانے کے لئے جمع ہوی۔ ہنری کی اُمیدیں اپنی انتہائی بلندی پر پہنچ چکی تہیں کہ یکایک زمین پر گر کر پاش پاش ہو گئی۔ کارروائی کے شروع ہوتے ہی کوم پیجیو نے یہ اعلان کر دیا کہ عدالت ملتوی ہو گئی۔یہ التوا محض ایک حیلہ تھا۔ حامیان شہنشاہ کے دباؤ سے مجبور ہو کر کلیمنٹ نے اس مقدمے کو خود اپنی عدالت روما میں طلب کر لیا تھا اور وکلا کے اختیار کو منسوخ کر دیا تھا۔

وولزی کا زوال

ڈیوک سفک نے اپنا ہاتھ میز پر پٹک کر کہا کہ "اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ پرانی کہاوت بالکل سچ ہے کہ کسی وکیل پوپ

یا کارڈنل سے کبھی انگلستان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا ہے،، دولزی نے دلیرانہ جواب دیا کہ " اے میرے لارڈ ڈیوک! دنیا کے تمام لوگوں میں کارڈنلوں کی شکایت کا آپ کو سب سے کم حق ہے، اگر یہ غریب کارڈنل نہ ہوتا تو آج آپ کے جسم پر یہ سر بھی نہ ہوتا، اور نہ آپ ہم لوگوں کے خلاف اس طرح شکایت کرتے،، لیکن کارڈنل اور اس کے دشمن دونوں یہ جانتے تھے کہ وزیر کی قسمت کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ اپنی بیس برس کی حکومت میں ہنری کو کبھی اپنی مرضی کے خلاف کوئی امر پیش نہیں آیا تھا اس کی تحکمانہ طبیعت اس صبر آزما مراسلت اور پوپ کی ریشہ دوانیوں اور عیاریوں سے بیزار تھی۔ دولزی اس کے غصے کا شکار ہوا کہ اسی نے اوّل اوّل اسے اس امر سے باز رکھا تھا، کہ وہ آزادانہ کارروائی کرے اور اپنی ہی عدالت میں اس معاملے کو پیش کر کے اس کے فیصلے کے موافق کار بند ہو۔ اسی نے یہ صلاح دی تھی کہ روما سے طلاق کی اجازت حاصل کرے اور اس معاملے میں اسے کامیابی کی امید دلائی تھی۔ دکلا پوپ کی عدالت کی بند ہونے کے بعد اس نے دولزی سے ملنا ترک کر دیا۔ دولزی کا کچھ دنوں اور وزارت پر قائم رکھنا صرف اس وجہ سے تھا کہ ممالک غیر کے پیچیدہ مراسلت کا سلسلہ یک بیک ٹوٹ نہ جائے۔ لیکن یہاں بھی ناکامی اس کی تاک میں تھی۔ فرانس اور شہنشاہ نے بمقام کیمبرے ایک ۱۵۲۹
نیا معاہدہ کر لیا اور اسے مغالطہ میں رکھ کر بے وقوف بنایا۔ نہ صرف یہ کہ فرانس کے متعلق اس کی حکمت عملی پر کاربند ہونا اب ممکن

نہیں رہا تھا، بلکہ چارلس کا راضی کرنا بھی قطعاً ضروری ہوگیا تھا، اور اس کی رضامندی وولزی کے زوال کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی تھی - پس وولزی پر فوراً ہی یہ مقدمہ قائم کیا گیا کہ اس نے قانون پری میونی ری کے خلاف روما سے فرامین حاصل کئے تھے۔ چند روز بعد وہ اپنے عہدوں سے معزول کیا گیا - اس صدمے سے وولزی بالکل نیم جان ہوگیا - اس نے کہا کہ اگر بادشاہ اس سے خفگی ترک کردے تو جو کچھ اس کے پاس ہے وہ سب حوالے کردے گا۔ فرانیسی سفیر نے لکھا تھا کہ " اس کا منہ سوکھ کر آدھا رہ گیا ہے۔ فی الحقیقت اس کی مصیبت ایسی ہے کہ اس کے دشمن بھی (اگرچہ وہ انگریز ہیں) اس پر رحم کئے بغیر نہیں رہ سکتے "۔ اس نے مایوس ہوکر اپنا عہدہ اور اپنی دولت سب ہنری کے قدموں پر ڈالدی، اور بعض وقت تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہنری نے اس کی اس ذلت کو کافی سمجھ لیا ہے - اہل لندن کی ایک ہزار کشتیاں دریائے ٹیمز میں یہ دیکھنے کو موجود نہیں کہ کارڈنل کی کشتی ٹاور کو روانہ ہو - مگر اسے بمقام ایشر چلے جانیکی اجازت دیدی گئی - اپنی وسیع املاک کے حوالہ کردینے سے اسے معافی مل گئی اور یہ اجازت ہوگئی کہ وہ اپنی یارک کے مستقر اسقفی کو چلا جائے - یہی ایک عہدہ اس کے پاس اب باقی رہ گیا تھا، مگر ایک برس بھی نہیں گزرنے پایا تھا کہ بادشاہ کے اظہار افسوس سے وولزی کے سیاسی دشمنوں کا حسد بھڑک اٹھا اور جس شب میں اس کی مسند نشینی کی دعوت ہونے والی تھی اسی شام کو وہ بغاوت کے الزام پر گرفتار کرلیا گیا - اور ٹاور کا محافظ اسے لندن

لے گیا۔ وہ اپنی بے انتہا محنت، اندرونی بیماری، اور اپنے زوال کے باعث شکستہ خاطر ہو چکا تھا، اس نے اس گرفتاری کو قتل کا حکم سمجھ لیا اور پیچش کی شکایت سے مجبور ہو کر اسے خانقاہ لیسٹر میں ٹھہرنا پڑا اور جب وہ اس کے دروازے پر پہنچا تو اس نے برادران خانقاہ سے بہت پست آواز میں یہ کہا کہ "میں اپنی ہڈیاں تمہیں سپرد کرنے کے لئے آیا ہوں"۔ بستر مرگ پر بھی اس کا خیال اسی بادشاہ کی طرف لگا ہوا تھا، جس کی خدمت میں اس نے اپنی عمر گذار دی تھی۔ اس نے ٹاور کے لفٹنٹ سے کہا کہ "وہ نہایت ہی شاہانہ ہمت کا بادشاہ ہے۔ وہ اپنی نصف سلطنت کو خطرہ میں ڈال دے گا، مگر اپنی مرضی کے خلاف ایک کام بھی نہیں کرے گا۔ یقین جانو کہ میں تین تین گھنٹے تک اس کے سامنے گھٹنوں کے بل کھڑا رہا ہوں کہ اسے اس کی خواہش سے پھیر دوں، مگر اس پر کچھ اثر نہیں ہوا ہے ماسٹر ناٹن! جس توجہ سے میں نے بادشاہ کی خدمت کی ہے اگر اس توجہ سے خدا کی طاعت کرتا تو وہ اس بڑھاپے میں مجھے اس طرح رائگاں نہ چھوڑتا، مگر درحقیقت میری محنت و مشقت کا یہی انعام ہونا چاہئے تھا کیونکہ میں نے خدا کی طاعت کی پروا نہ کر کے محض بادشاہ کی خدمت کو اپنا فرض سمجھ لیا تھا"۔ جس جدید مطلق العنانی کے مستحکم کرنے میں وولزی نے اپنے تمام پیشروؤں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ سعی

وولزی کا انتقال ۱۵۳۰

کی تھی، اس کی صحیح تصویر وولزی کے ان درد انگیز الفاظ سے بہتر نہیں کھینچی جا سکتی۔ انگلستان اس کی آزادی اور اس کے تنظیمات سے متعلق صداقت شعاری کے تمام خیالات دل سے محو ہو گئے تھے۔ کارکنان سلطنت کا صرف ایک فرض تھا کہ وہ بادشاہ کو خوش رکھیں، اور خود بادشاہ کی کیفیت یہ تھی کہ اس کی مرضی و خواہش سلطنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ اغراض پر غالب تھی، بہترین مشوروں کو وہ پامال کر دیتا اور ملازمان شاہی میں جو شخص ذرا بھی اس کی مخالفت کرتا اسے غائت ناشکر گزاری کے ساتھ آنکھ بند کر کے تباہ کر دیتا۔ وولزی اگرچہ اس بلائے بے درماں کے نمودار ہونے پر اس سے خائف ہو گیا تھا۔ مگر یہ اس کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا، کہ اس کے آقا کی شاہانہ ہمت بلکہ شاہانہ ہوس آئندہ کس حد تک تباہی برپا کرنے والی ہے۔

جزو ششم

ٹامس کرامول

۱۵۳۰ ۱۵۴۰

اسناد۔ کرامول کے ابتدائی حالات جس طرح فاکس نے بیان کئے ہیں وہ فرضی قصّوں کا ایک مجموعہ ہے، اس بارے میں ہم

واقعی جو کچھ جانتے ہیں وہ اصل میں اسی قدر ہے جس قدر ڈین ہک نے سوانح اسقف اعظم کرنمیر Life of Archbishop Cranmer کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ اس کے عہد کار فرمائی کے صحیح اسناد صرف اس عہد کے سرکاری کاغذات ہیں جنھیں اب ماسٹر آف رولز کے لئے مرتب کیا جارہا ہے سر ٹامس مور کی ایک پر تاثیر سوانح عمری اس کے داماد روپر نے لکھی ہے۔ اس زمانے کی مذہبی تاریخ کے لئے زیادہ اہم تحریرات برنٹ کی (تاریخ اصلاح History of the Reformation کے جدید اڈیشن مرتبہ مسٹر پوکاک میں مل گئے۔ خانقاہوں کے تعطل کے متعلق تحریرات کیمڈن سوسائٹی کے ان خطوط کے مجموعہ میں ملیں گے جو اسی بحث پر شائع ہوا ہے اس قسم کے حالات سر ہنری ایلیس کے اصلی خطوط میں بھی دستیاب ہوں گے۔

اسٹرائپ نے اس زمانے کے اوائل سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے، اس مجموعہ میں اس قسم کا مواد کثرت سے موجود ہے۔ مگر قدر و قیمت کے اعتبار سے یہ مجموعہ مختلف نوعیت کا ہے۔ مسٹر فراوڈ کی داستان [تاریخ انگلستان جلد اول، دوم، سوم History of England اگرچہ ادبی حیثیت سے بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے مگر تضاد بیان، عظمت ابطال پرستی، اور ظلم و جور کی بے باکانہ حمایت نے اسے خراب کردیا ہے۔ اس دور کے لئے اس کا مورخانہ اعتبار اس قدر کم ہے کہ مثل نہونے کے ہے]

وولزی کے زوال کے بعد کے دس برس کا زمانہ تاریخ انگلستان میں نہایت ہی نازک زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ شاہی جدید کی قوت آخرالامر ظاہر ہوئی اور وولزی نے جس کام کے لئے راستہ صاف کیا تھا وہ نہایت ہی خطرناک طریقے سے عمل میں آیا۔ صرف ایک ہی ذی اثر جماعت ایسی باقی رہ گئی تھی جو شاہی مرضی کی کچھ مقاومت کرسکتی تھی، لیکن اب اسے بھی خار راہ کی طرح الگ کردیا گیا۔ کلیسا مرکزی مطلق العنانی کا محض ایک آلہ ہوکر رہ گیا بغاوتوں کے آسانی سے فرو کردئے جانے اور ظالمانہ سختی

کے ساتھ ان کا انتقام لئے جانے سے لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ وہ کس قدر بے بس ہیں۔ خوب سمجھ بوجھ کر ایک ظالمانہ دور "تخویف" قائم کردیا گیا تھا، جس سے انگلستان حالت اضطراب میں ہنری کے قدموں کے نیچے پامال ہورہا تھا۔ معزز ترین لوگوں کے سر قتل گاہ میں لنڈھکتے پھرتے تھے۔ علم و نکو کاری سر ٹامس مور سے شخص کو نہ بچاسکی، شاہی نسل میں ہونے کے باوجود بھی لیڈی سالسبری کو کچھ نفع نہ پہنچا۔ ایک ملکہ کے علیحدہ کردینے اور دوسرے کے قتل کردینے سے انگلستان کو یہ تجربہ ہوگیا کہ کوئی شے اس قدر بلند نہیں ہے جہاں ہنری کی "ہمت" کی رسائی نہوسکے اور کوئی شے ایسی مقدس و متبرک نہیں ہے جو اس کی خواہش نفسانی سے بچ سکے، پارلیمنٹ صرف اسلئے جمع ہوتی تھی کہ بے خوف و خطر مظالم کے لئے قانونی منظوری عطا کرے یا اس مطلق العنان حکومت کی سربفلک عمارت کے اور بلند کرنے کے لئے قوانین نافذ کرے انگریزی نظام حکومت کی تمام احتیاطیں ہوا ہوگئی تھیں بے قاعدہ اجرائے محصول بے قاعدہ نفاذ قانون بے قاعدہ قید وہ اختیارات تھے جو بلا بحث و حجت اور بے روک ٹوک محض بادشاہ کی ذاتی مرضی سے عمل میں آتے تھے۔

ٹامس کرامول اسے ایک عظیم الشان انقلاب سے کم نہیں سمجھنا چاہئے اور اس انقلاب کی تاریخ ایک شخص واحد کی تاریخ ہے۔ مدبران انگلستان کے تمام سلسلے میں کوئی مدبر ایسا نہیں ہے جسکے حالات

معلوم کرنے کا ہمیں ٹامس کرامول کے حالات سے زیادہ اشتیاق ہو اور جس کے حالات واقعۃً ہم اسقدر کم جانتے ہوں۔ ہنری کی ملازمت میں جب ہم ٹامس کرامول کو دیکھتے ہیں۔ اُس وقت وہ زمانۂ کہولت سے گزر چکا تھا اور اسکے اوائل عمر کے حالات کے بارے میں ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے کہ قصّوں کے ایک انبار سے چند چیدہ چیدہ صحیح حالات کا پتہ چلالیں' نوجوانی میں وہ گردشِ ایّام کے ساتھ چکّر کھاتا رہا۔ یہ تحقیق نہیں ہے کہ وہ پٹنی کے کسی غریب لہار کا لڑکا تھا یا نہیں' مگر اس میں شک نہیں کہ جب وہ مارشنس ڈارسٹ کی ملازمت میں داخل ہوا ہے تو وہ محض لڑکا تھا' اور جنگہائے اطالیہ میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے جب وہ شریک ہوا ہے اس وقت بھی وہ نوجوان تھا' اور جب اس نے کرنیمر سے زمانۂ مابعد میں اپنی اس زمانہ کی حالات کا ذکر کیا تو یہی کہاکہ اس درسگاہ جنگ میں بھی جوکہ دنیا کے تمام درسگاہوں سے سخت تھی مجھکو "شریر" ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اسی درسگاہ میں اسے وہ خطرناک سبق ملے جو کسی لشکرگاہ میں نہیں مل سکتے ہیں' وہ نہ صرف اطالوی زبان پر حاوی ہوگیا بلکہ اپنے گردو پیش کے بورجیون اور میدیچیون کے زمانے کے اطالوی انداز واطوار میں بھی ہمہ تن غرق ہوگیا جب وہ لشکرگاہ سے دفتر حساب میں آیا ہے تو اس میں اطالوی تلوّن کا پوری طرح اثر آچکا تھا وہ وینس کے کسی سوداگر کا تجارتی گماشتہ مقرر ہوگیا تھا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ اینٹورپ میں محرّر ہوگیا تھا۔ اور آخرکار ۱۵۱۲ء میں بیانِ صحیح مورخانہ طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مڈل برگ واقع زیلینڈ میں انکا ایک مرفہ الحال

تاجر تھا۔ انگلستان میں واپس آکر وہ ساہو کاری کے ذریعے سے اپنی کثیر دولت کو اور بڑھاتا گیا۔ وہ ایک طرح پر ساہوکار اور مختار کار دونوں تھا اور علاوہ اور کاموں کے بالتخصیص غریب شرفا کو قرض دیا کرتا تھا۔ جب فرانس سے دوسری بار جنگ شروع ہوئی ہے اس وقت وہ دارالعوام کا ایک مستعد اور باثر رکن تھا۔ پانچ برس بعد وہ وولزی کی ملازمت میں داخل ہوگیا' اور اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ اس کا اصل مقصد و حوصلہ کیا ہے۔ کارڈنل چاہتا تھا کہ اسے ایسا کوئی کارکن ملے جو اسکی چند جاری کردہ خانقاہوں کو بند کرکے ان کی آمدنیاں اسکے بنا کئے ہوئے مدراس آکسفورڈ اور اپسوچ میں منتقل کردے۔ یہ ایک ناپسندیدہ کام تھا۔ اس کام میں لوگوں کے احساس کی مطلق پروا نہیں کی گئی، اور کرامول سے بھی لوگوں کو وہی نفرت پیدا ہوئی جو اس کے مالک کے ساتھ پیدا ہورہی تھی مگر دنیا کو اس کی حیرت انگیز خود اعتمادی اور احساس قوت کا علم وولزی کے زوال کے بعد ہوا، دوران حکمرانی میں سیکڑوں خدام کارڈنل کے اشارۂ چشم و ابرو کے منتظر رہتے تھے، مگر اس کے زوال کے بعد جس شخص نے آخر تک اسکا وفادارانہ ساتھ دیا وہ کرامول تھا۔ اپنے زوال کے بعد قیام ایشر کے زمانے میں تنہائی کے اوقات میں وولزی، کرامول سے اپنے درد دل کا اظہار کرتا تھا اور کرامول جہانتک ہو سکتا تھا اسے تسلّی دیتا تھا، اور یہ چاہتا تھا کہ وہ اسے لندن جانے کی

اجازت دیدے تاکہ "وہ بن جائے یا بگڑ جائے" ایک تجویز سے اس کی پختہ کاری و ہوشیاری کا ثبوت ملتا ہے۔ اس نے وولزی کو اس امر پر آمادہ کردیا کہ اس کے جو محاصل امرا کے درمیان تقسیم کردے گئے ہیں وہ انہیں منظور کرلے اور اس طرح ان کی دشمنی کو رفع کردے۔ ان معاملات میں درمیانی کی حیثیت سے اس نے دوسری طرف بھی عزت حاصل کرلی تھی۔ کرامول ہی کی کوششوں سے پارلیمنٹ میں یہ تجویز نامنظور ہوگئی کہ آئندہ وولزی کو ہر قسم کی خدمت کے ناقابل قرار دیا جائے اور اسی کے توسط سے نامہ و پیام ہوکر اس معزول وزیر کو اجازت مل گئی کہ وہ یارک کو چلا جائے۔ ایک تباہ شدہ مربی کے ساتھ اس قسم کی عدیم المثال وفا شعاری سے کرامول کی ایک عام وقعت دلوں میں پیدا ہوگئی تھی "وہ اپنے آقا کے معاملے میں اس ایمانداری کے طرز عمل سے وہ نہایت ہی وفادار خادم سمجھا جانے لگا تھا اور سب لوگوں میں اسکی وقعت ہوگئی تھی" مگر ہنری کی حمایت کے کچھ اور ہی اسباب تھے، لنڈن کی آمد و رفت میں وہ ایک بار خاص طور پر بادشاہ سے ملا اور اس نے دلیری کے ساتھ اسے یہ صلاح دی کہ وہ کلیسا پر خود اپنی فوقیت کے زور سے طلاق کے عقدۂ مشکل کو وا کردے۔ یہ صلاح آئندہ کی ان تمام کارروائیوں کی کنجی تھی جن کے ذریعے سے اس بے باک مشیر نے کلیسا اور سلطنت کی تمام صورت ہی بدل دی، مگر نئے وزرا نے جو امیدیں اسے دلائی تھیں ہنری نے ابھی تک

دامن نہیں چھوڑا تھا اور شاید اس وقت تک وہ اس درجے کی بیباکانہ مطلق العنانی سے جھجکتا بھی تھا جس کی صلاح کرامول دے رہا تھا۔ لیکن بہر نوع یہ صلاح پوشیدہ رکھی گئی تھی اور اگرچہ بادشاہ کی نظر میں اُس کا مرتبہ بلند تھا مگر اس کا نیا خادم واقعات کی رفتار کو صبر کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

نارفک اور مور

وولزی کے زوال کے بعد ڈیوک نارفک کو تقدم حاصل ہوگیا تھا، وہ اجرائے طلاق کی کامیابی کے لئے نہ صرف شہنشاہ کے اتحاد و امداد پر اعتماد کرتا تھا بلکہ اسے یہ بھی توقع تھی کہ پارلیمنٹ بھی اس تجویز کی تائید کریگی۔ بعد مدت دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ کے جمع ہونے سے ظاہر ہوا کہ وولزی کے طریق عمل کا دور ختم ہوگیا ہے۔ بادشاہ کو اب اتنی قوت حاصل ہوگئی تھی کہ پارلیمنٹ کو ایک خطرناک شے سمجھنے کے بجائے وہ اسے اپنی کار برآری کا ایک آلہ بنالے اور ہنری کو بجا طور پر یہ توقع تھی کہ روما کے ساتھ مناقشے میں پارلیمنٹ گرمجوشی سے اس کی تائید کرے گی۔ "تعلیمات جدیدہ" کے اصحاب کا طرز عمل بھی اس سے کچھ کم اہم نہیں تھا۔ کارڈنل کے زوال سے جس طرح اس کے سیاسی دشمنوں کے لئے برتری کا راستہ کھل گیا، اسی طرح ان لوگوں کو بھی عروج کا موقع حاصل ہوگیا، مور کے مختصر زمانۂ وزارت کے کاموں کی بنا پر اگر رائے قائم کی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے چانسلر کا عہدہ اسی امید سے قبول کیا تھا کہ وہ اس ذریعے سے کلیسا اور

ارسیمس کے مطلوبہ مذہبی اصلاحات کو جاری کر سکے گا، اور اتحاد کلیسا کے خلاف میلان انحراف کو روک سکے گا، پروٹسٹنٹ کے خلاف میں اس کی سختیوں کو مخالفین نے عداوت کے باعث بہت مبالغے سے ظاہر کیا ہے، لیکن اس کی نیکنامی پر اگر کوئی دھبہ ہے تو صرف یہی ایک دھبہ ہے۔ مور کا خیال یہ تھا کہ کاؤنسل (مجلس شاہی) نے جو تجاویز پارلیمنٹ کے سامنے پیش کئے ہیں ان کی کامیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصلاح کے کاموں کو انقلابی کیفیت سے بالکل ممیز رکھا جائے اور پروٹسٹنٹ کی کارروائیاں مور کے نزدیک انقلابی نوعیت کی تھیں۔ دارالعوام کی درخواست کالٹ کے مشہور خطبہ مجلس مذہبی کی آواز بازگشت معلوم ہوتی تھی۔ اس نے انگریزی زبان میں کیتھولک و عیسوی عقائد کے خلاف جن فتنہ انگیز کتابوں کی اشاعت ہوا کرتی تھی انہیں اسنے مختلف فرقوں کی حد سے گزری ہوئی اور ناپارسایانہ طرز زندگی کی طرف منسوب کیا تھا۔" بادشاہ یا رعایا کی منظوری کے بغیر پادریوں کی مجلس کی قانون سازی، کلیسائی عدالتوں کی تکلیف دہ کارروائی، کلیسا کی سرپرستی کی خرابیوں اور مذہبی تعطیلوں کے لاتعد ہونے پر اسی درخواست میں اعتراضات کئے گئے تھے۔ ہنری نے اس درخواست کو اساقفہ کے پاس بھیجدیا مگر وہ ان خرابیوں کے رفع کرنے کی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، اور وزارت نے اس امر پر زور دیا کہ اصلاح کلیسا کا مسودۂ قانون ایوانہائے پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے۔ مجلس مذہبی اور عدالتہائے اساقفہ

کے سوالات مزید غور کے لئے ملتوی کردیے گئے، مگر ان عدالتوں کی فیس کم کردی گئی، پادریوں کا کاروبار دنیاوی میں پڑنا ممنوع قرار دیا گیا، ایک ہی شخص کا متعدد کلیسانی جائدادوں پر قابض ہونا روک دیا گیا، اور اپنے حلقے کے اندر رہنا ہر پادری پر لازم کیا گیا۔ اسافقہ کی سخت مخالفت کے باوجود ان مسودات کو دارالامرا کی منظوری حاصل ہوگئی۔ اس سے عام لوگوں کو بہت خوشی حاصل ہوئی اور مذہبی طبقہ حد درجہ ناراض ہوا۔ ان نئی کارروائیوں کی اصل اہمیت محض پارلیمنٹ کا فعل تھا۔ اس سے عموماً اس بات کا اعلان ہوگیا تھا کہ آئندہ کلیسا کی اصلاح پادریوں کے ذریعہ سے نہیں بلکہ عام قوم کے ذریعے سے عمل میں آئے گی۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی عیاں ہوگیا کہ اس اصلاح میں کلیسا کی مخالفت نہیں بلکہ اس کی عین بہی خواہی مدنظر ہوگی۔ اسقف فشر نے کچھ الفاظ ایسے استعمال کئے تھے جن سے ارکان دارالعوام کے خوش عقیدہ ہونے میں شک آتا تھا مگر دارالعوام نے اسے ان الفاظ کے لئے معافی مانگنے پر مجبور کیا۔ ہنری نے ٹنڈیل کے ترجمہ کتاب مقدس کی اشاعت کی ممانعت کردی کیونکہ وہ پروٹسٹنٹ انداز میں لکھا گیا تھا اور یہ وعدہ کیا کہ اس کے بجائے ایک زیادہ صحیح ترجمہ تیار کیا جائیگا مگر معاملۂ طلاق کے نامہ و پیام میں وزارت کی ناکامی سے
۱۵۳۰ ''تعلیمات جدیدہ'' کے خانگی اغراض فوت ہوگئے۔ اتحاد فرانس کے شکست کردینے اور اس فریق کے برسرکار آجانے کے باوجود

جو شہنشاہ کے ساتھ اتحاد کا حامی تھا، چارلس نے اپنی خالہ کی جانب داری کو ترک نہیں کیا۔ وزرا نے کیمبرج کے ایک عالم ٹامس کرنمیر کا یہ مشورہ پسند کیا کہ یورپ کے دارالعلوموں سے اس معاملے میں رائے طلب کرنا چاہیئے مگر ممالک عیسوی کی جماعت علما کے سامنے اس معاملے کے پیش کرنے کا انجام قطعی خلاف مقصد ہوا۔ انگریزی گماشتوں نے دارالعلوم پیرس کو بیدریغ رشوتیں دیں، مگر اس پر بھی اگر خود فرانسس نے مداخلت نہ کی ہوتی تو نتیجہ خلاف رہتا اکسفورڈ اور کیمبرج کی منظوری حاصل کرنے میں ہنری نے اپنے اقتدار سے ایسا ہی شرمناک کام لیا۔ جرمنی میں پروٹسٹنٹ تک نے اپنے تجدید اخلاقی کے جوش کے باوجود بادشاہ کی ایک نہ سنی کرنمیر نے جہانتک جانچا یہ معلوم ہوگیا کہ ممالک عیسوی کا ہر عالم بجز اس کے کہ وہ رشوت یا خوف سے مغلوب ہوجائے، ہنری کی خواہش کو ناجائز قرار دے گا۔

جب نارفک اور اس کے دوسرے شریک کار وزرا اپنی تمام تدبیریں ختم کر چکے تو کرامول پھر صف اول میں نمودار ہوا، وولزی کے زوال پر ہنری جس دلیرانہ تجویز کے اختیار کرنے سے گھبراتا تھا، دوسرے ذرائع سے ناامید ہوکر اب وہ اس کے اختیار کرنے پر مائل ہوتا جاتا تھا، کرامول نے پھر وہی تجویز پیش کی کہ بادشاہ کو چاہیئے کہ پوپ کے اقتدار کو برطرف کرکے خود اپنے ملک کے کلیسا کا سرتاج

کرامول اور کلیسا

بن جائے۔ اور اپنے ہی کلیسائی عدالت سے طلاق کی اجازت حاصل کرلے۔ لیکن اس تجویز سے کرامول کا مقصود صرف طلاق کی اجازت ہی حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ وہ نہایت وسیع تغیرات کے عمل میں لانے پر تلا ہوا تھا۔ اس نئے وزیر کے گونا گون حالات کے دوران میں ایک نہایت گہرا رنگ ہمیشہ بر قرار رہا ہے اور وہ اطالیہ کا اثر تھا کرامول کے ساتھ نہ صرف اطالوی فن سیاست کی عاجلانہ و ظالمانہ تدبیریں بلکہ اطالیہ ہی کی سی وسعت نظر، وضوح اغراض اور قابل تعریف اجتماع قوت کے صفات بھی انگریزی سیاسیات میں داخل ہوگئے تھے، درحقیقت وہی پہلا وزیر ہے جس کی تمام زمانۂ حکمرانی میں ایک عظیم و مخصوص غرض کے لئے مسلسل کوشش کا پتہ چلتا ہے۔ اس کی غرض یہ تھی کہ بادشاہ کو ایسا علی الاطلاق اقتدار حاصل ہوجائے کہ ملک کی تمام دوسری طاقتیں اس کے سامنے صفحہ ہستی سے مٹ جائیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ کارمول محض مطلق العنانی پر فدا تھا، ہم اس قصے کا یقین کریں یا نہ کریں کہ وہ اپنے عنفوان شباب میں فلورنس میں گیا تھا مگر اس میں شک نہیں ہے کہ اسکی تدبیر ملکی فلورنس کے اسی صاحب فکر کے خیالات کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی جس کی کتاب ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ جب وہ وولزی کی ملازمت میں تھا اس وقت بھی اس نے ریجینلڈ پول کو (جو آگے جاکر کارڈنل ہوگیا) یہ کہکر

چونکہ ویاںہ وہ میکیاویلی کی کتاب "پرنس" کو سیاسیات میں اپنا دستور العمل بنائے میکیاویلی کو توقع تھی کہ سیزر بورجیا یا زمانۂ مابعد میں لارنزو ڈی میڈیسی، کے مانند کوئی ایسا مطلق العنان ملجائے گا جو تمام دوسرے خود مختاروں کو پامال کرکے اطالیہ کو متحد اور ازسرِ نو زندہ کردے گا۔ اسی طرح کرامول کی طرزِ عمل سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام اختیارات کو بادشاہ کی ذات میں مجتمع کرکے انگلستان میں روشن خیالی اور انتظام پیدا کرنا چاہتا تھا۔ وارزآف دی روزز (پھولوں والی لڑائی) کے بعد شاہی مطلق العنانی میں صرف ایک روک باقی رہ گئی تھی اور وہ کلیسا تھا۔ کلیسا اپنی دولت، اپنی آزادانہ مجالس کے اختیارات اور اپنے مذہبی دعاوی کی وجہ سے ایک طرح پر بادشاہ کا مدمقابل تھا۔ اب کلیسا کی اس عظیم الشان جماعت کو محض سلطنت کا ایک محکمہ بنادینا جس کے تمام اختیارات کا منبع صرف بادشاہ کی ذات ہو اور اسی کی مرضی قانون اور اسی کا فیصلہ صداقت کا معیار ہو، ایک ایسا تغیر تھا کہ بلا سخت کشمکش کے اس کا عمل میں آنا ممکن نہیں تھا اور کرامول صاف دیکھ رہا تھا کہ طلاق کے معاملے میں اسے اس جد و جہد کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ اِس کے پہلے ہی وار سے ظاہر ہوگیا کہ کس شد و مد سے یہ مخاصمت شروع ہونے والی ہے قانون پریمیونیری کے خلاف ورزی کے جرم میں وولزی کو سزا ہوئے، ایک برس گزرچکا تھا،

اب ججوں نے اس میں یہ موشگافی کی کہ اس کے احکام کے قبول کرنے سے حسب قاعدہ تمام قوم اس جرم کی مرتکب ہوچلی ہے۔ اس ناممکن العمل قانونی کارروائی کا تدارک یہ کیا گیا کہ تمام لوگوں کو عام معافی دیدی گئی لیکن پادریوں کا طبقہ اس معافی عام سے خارج رکھا گیا۔ ان سے یہ کہا گیا
۱۵۳۱ کہ اگر وہ معافی چاہتے ہیں تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ وہ (اس زمانے کے اندازے کے موافق) دس لاکھ پونڈ کا تاوان دیں اور بادشاہ کو "انگلستان کے کلیسا اور پادریوں کا حامی خاص و سرپرست اعلیٰ تسلیم کریں"۔ پہلے مطالبے پر تو وہ فوراً راضی ہوگئے البتہ دوسرے مطالبے کے خلاف انہوں نے سخت جد وجہد کی مگر ہنری اور کرامول نے ان کی تمام التجاؤں کا جواب یہی دیا کہ انہیں فوراً اطاعت کرنا چاہئے آخر ایک شرطیہ جملہ اضافہ کرکے باہم مصالحت ہوگئی کہ "جہاں تک عیسیٰ کا قانون اجازت دے" اس اضافہ کے ساتھ اسے وارہم نے پھر مجلس مذہبی کے روبرو پیش کیا۔ سب لوگ خاموش رہے کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔ اسقف اعظم نے کہا کہ "چپ رہنے والے کی نسبت یہ سمجھا جائے گا کہ وہ رضامند ہے" اس پر اس مجمع میں ایک آواز یہ آئی کہ "تو پھر ہم سب چپ رہیں گے"۔

اس اطاعت سے ہنری یہ چاہتا تھا کہ وہ کلیسا کا سرگروہ تسلیم کرلیا جائے مگر یہ خیال کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی

کہ اس سے پادریوں کو اِن کی روش پر متنبہ کردینے سے زیادہ کچھ اور
منظور تھا۔ اس وقت تک اس کے معنی پیدا نہیں ہوے
تھے جو بعد کو پیدا کئے گئے۔ اس قدر یقینی تھا کہ اس سے
روما سے آزاد ہوجانے کا مفہوم نہیں پیدا ہوتا تھا مگر
اس سے پوپ کو صاف طور پر یہ بتا دینا مقصود تھا
کہ اختلاف کی صورت میں انگلستان کے پادریوں کا گروہ
بادشاہ کے اثر میں ہوگا۔ امرا اور بعض ارکان دارالعوام
کی جانب سے اس معاملے کے طے کردینے کے لئے کلیمنٹ
کے روبرو جو درخواست پیش ہوئی تھی اس سے اس شُبہ کو
تقویت ہوتی تھی۔ امرا کی جانب سے یہ کہا گیا تھا کہ "
بادشاہ کا معاملہ ہم میں سے ہر ایک کا معاملہ ہے "
طلاق کے حق میں دارالعلوموں کے فیصلے سے اگر کلیمنٹ
اتفاق نہ کرے گا تو ہماری حالت بالکل نا قابل علاج نہیں
ہوجائے گی۔ آخری چارہ کار ہمیشہ سخت ہوا کرتا ہے۔ مگر
بیمار سے جس طور سے بھی ہوسکے گا وہ اپنی علالت کو
دفع کرے گا " کیتھرائن کے شاہی محل سے خارج کروئے جانے
سے اس مطالبے میں اور زیادہ زور پیدا ہوگیا۔ پوپ کے ۱۵۳۲
پاس ایک اور سفارت بھیجی گئی تھی اور جب اسے
بھی اس مقصد میں کامیابی نہیں ہوئی تو کرامول کو آئندہ
کارروائی کے لئے بالکل آزادی حاصل ہوگئی۔ جب کرامول کے
اثر کو زیادہ ترقی ہوئی تو مور چانسلر کے عہدے سے

ہٹ گیا مگر جس انقلاب سے وہ جھجکتا تھا اس کا ہونا لابد تھا۔ اڈورڈ کے وقت سے لوگ اسی خیال میں تھے کہ ملک کے مذہبی اور دنیاوی، تعلقات میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ بیرون ملک میں پوپ کے اقتدار اور اندرون ملک میں پادریوں کے جداگانہ اختیار دونوں کے لئے پارلیمنٹ اول ہی سے قومی رقابت کا آلہ بن گئی تھی۔ یہ تحریک ایک مدت تک مذہبی رجعت پسندی اور خانہ جنگی کی وجہ سے رکی رہی مگر اب قومی عظمت اور قومی اتحاد کے نئے احساس کے باعث پھر اس میں دوبارہ ترقی شروع ہی ہوئی تھی کہ طلاق کے معاملہ اور انگلستان کے اغراض کے ایک غیرملکی عدالت میں پیش ہونے کے باعث اس میں یک بیک زور پیدا ہوگیا اور اس کی رفتار بہت ہی تیز ہوگئی۔ اب وقت آگیا تھا کہ انگلستان اپنے حدود کے اندر اپنے لئے مذہبی و ملکی دونوں اختیارات کے تمام و کمال عمل میں لانے کا دعویٰ کرے اور چونکہ اس وقت کے سیاسی خیال کے مطابق بادشاہ تمام اختیارات کا مرکز و مرجع تھا۔ اس لئے ان اختیارات کا بادشاہ کے لئے چاہنا گویا قوم کے لئے چاہنا تھا۔ ۱۵۳۲ء میں مذہبی مجلس کے روبرو جو تجاویز پیش ہوئے ان میں کی ایک تجویز سے صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ سرگردگی مذہب (کلیسا) کا مفہوم کیا تھا۔ اس قابل یادگار دفعہ کے الفاظ یہ تھے کہ "بادشاہ جس طرح اپنی رعایا کے جسموں کا نگہبان ہے

اسی طرح ان کی روحوں کا بھی نگہبان ہے اور بموجب حکم خدا وہ اپنی پارلیمنٹ کے توسط سے جس طرح جسمانی امور کے لئے قانون بنا سکتا ہے اسی طرح روحانی امور کے لئے بھی قانون وضع کرسکتا ہے"۔ اس مجلس پر سخت زور ڈالا گیا اور اسنے مجبور ہوکر یہ درخواست کی کہ کلیسا سے آزادانہ قانون بنانے کا اختیار سلب کرلیا جائے۔ روما بھی اس زد سے بچ نہ سکا پارلیمنٹ نے پوپ کی عدالت میں مرافعات کے بھیجنے کی قانوناً ممانعت کردی اور پادریوں کی ایک مجلس کی درخواست پر دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے بادشاہ کو یہ اختیار دے دیا کہ اسقف اپنے انتخاب پر پہلے سال کی جو آمدنی پوپ کی نذر کرتا ہے بادشاہ اگر چاہے تو اسے بند کردے۔ ان دونوں کارروائیوں کے ذریعہ سے دربار پوپ سے ہر طرح کے عدالتی و مالی تعلقات منقطع کردئے گئے۔ کرامول اب وولزی کی حکمت عملی کی طرف پلٹا۔ چارلس سے امداد کی تمام امید ترک کردی گئی اور فرانس سے ایک نیا اتحاد کرکے اس نے دربار پوپ پر دباؤ ڈالنا چاہا۔ مگر یہ دباؤ بھی مثل سابق کے ناکامیاب رہا۔ کلیمنٹ نے بادشاہ کو یہ دھمکی دی کہ اگر وہ تحقیق و تصفیہ مقدمہ تک کیتھرین کو بدستور ملکہ کی حیثیت سے واپس نہیں بلالیگا اور این بولن سے ہر طرح کے تعلقات ترک نہ کردے گا تو وہ ملت سے خارج کردیا جائے گا۔ ہنری نے اپنے ملک سے باہر کی کسی عدالت کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا

قانون مرافعات

اور پوپ کو یہ جرات نہیں ہوتی تھی کہ وہ ملک کے اند[ر] اس مقدمہ کی تحقیقات کرے۔ ہنری نے بالآخر این بولن سے خفیہ عقد کر کے اس طویل بحث و مباحثہ کا خاتمہ کردیا وارہم کا انتقال ہوچکا تھا اور طلاق کا سرگرم جانب دار کرینمر کینٹربری کا اسقف اعظم بنادیا گیا تھا۔ اس کے اجلاس میں فوراً کارروائی شروع کردی گئی۔ نئے مقتدائے اعظم نے بہ مقام ڈنسٹیبل کیتھرین کے

طلاق

عقد کو باضابطہ ناجائز قرار دے دیا اور ایک ہفتہ بعد کرینمر

۱۵۳۳

نے آئن بولن کے سر پر وہ تاج رکھا جس کی وہ اتنے دنوں سے تمنا کر رہی تھی۔

قانون سرگروہی کلیسا

اس وقت تک کراموِل کی مذہبی حکمت عملی طلاق کے معاملے میں پوشیدہ تھی اور اگرچہ روما و انگلستان کے درمیان باضابطہ مراسلات ہوتے رہے یہانتک کہ کلیمنٹ نے آخرالامر کیتھرین کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کردیا مگر اب ان مراسلات کا کوئی اثر ان کارروائیوں پر باقی نہیں رہا تھا جو کلیسائے انگلستان میں پیہم جلد جلد تغیر پیدا کر رہی تھیں۔ پادریوں کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ ہنری کو کلیسا کے "محافظ اور سرگروہ" تسلیم کرلینے کا مطلب الفاظ ظاہری کے سوا کچھ اور بھی ہے۔ یہ اس حکمت عملی کا پہلا قدم تھا جس کے ذریعے سے کلیسا کو بادشاہ کے قدموں کے نیچے ڈال دینا مقصود تھا روما کے مناقشے میں پارلیمنٹ نے بادشاہ کی مرضی سے ہر طرح پر اتفاق کرلیا تھا۔ اسی طرح قدم بقدم اس قانون عظیم کے لئے

راستہ صاف کیا گیا۔ جس سے کلیسا کی نئی حیثیت قائم کی گئی
تھی۔ "قانون" سرگروہی کلیسا" کے ذریعے سے یہ قرار پایا کہ" روئے
۱۵۳۴ زمین پر صرف بادشاہ ہی کلیسائے انگلستان کا سرگروہ اعلیٰ ہے
اور اس کی یہ حیثیت ہر طرح پر مسلّم و موثر ہوگی اور وہ علاوہ
اپنے شاہی اعزاز و القاب کے کلیسا کے سرگروہ کی حیثیت
سے کلیسا کے تمام اعزاز، اختیار، اقتدار، معافیات، منافع، اور
املاک پر متصرف ہوگا، اور اسے کامل اختیار ہوگا کہ مذہبی
اقتدار و اختیار کے بموجب ہر قسم کی غلطی، ارتداد، تخریب
و استخفاف مذہب کو روکے اور ان کی اصلاح کرے" اسطرح
تمام مذہبی و ملکی معاملات کے اختیارات بادشاہ کی ذات میں
مجتمع کردیے گئے تھے۔ "مذہبی عدالتیں" اسی طرح کی شاہی
عدالتیں ہوگئیں جیسی وسٹ منسٹر کی عدالتیں تھیں۔ بلکہ اس قانون
سرگروہی کلیسا کا پورا زور دوسرے سال ظاہر ہوا جب ہنری
نے "سرگروہ اعلیٰ کلیسائے انگلستان بر روئے زمین" کا لقب اختیار کیا
۱۵۳۵ اور چند ماہ بعد کرامول بادشاہ کی جانب سے مذہبی معاملات کا
وکر جنرل (قائم مقام اعلیٰ) مقرر کیا گیا۔ اس کے عہدے کے
مانند اس کا خطاب بھی وولزی کے طریقے کو یاد دلاتا تھا
مگر شاہی طرز عمل کے نئے اختیار کا اظہار اس امر سے ہوتا
ہے کہ اب یہ تمام طاقتیں کسی مذہبی شخص کے ہاتھ میں نہیں بلکہ
ایک عام شخص کے ہاتھ میں جمع ہوگئی تھیں۔ اور کرامول کو
اپنے منصب کے لحاظ سے یہ موقع حاصل ہوگیا تھا کہ وہ

اس حکمت عملی کو کمال سختی کے ساتھ عمل میں لائے۔ اس معاملے میں عملی طور پر پہلی عظیم الشان کارروائی تو یہ ہو چکی تھی کہ ازروئے قانون پارلیمنٹ، پادریوں کی مذہبی مجالس کو قانون بنانے کے اختیارات سے محروم کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک دوسرا قانون نافذ ہوا جس کی رو سے اساقفہ کے آزادانہ انتخاب کے بحال کرنے کے پردے میں ہر ایک مذہبی مقتدی کو بادشاہ

اساقفہ کی ماتحتی

کا نامزد شدہ بنا دیا گیا تھا۔ مدت سے خانقاہی گرجوں کے منتظمین کے ہاتھ میں اساقفہ کا انتخاب صرف ایک ضابطہ پیمائی کی صورت میں رہ گیا تھا۔ ۱۵۳۶ء

درحقیقت اڈورڈ کے وقت سے ان اساقفہ کا تقرر بادشاہ کی نامزدگی پر پوپ کی جانب سے عمل میں آتا تھا۔ اب آزادانہ انتخاب کا حق پھر ان لوگوں کو عطا کیا گیا مگر یہ محض ایک مذاق و مضحکہ تھا۔ درحقیقت قانون پریمیونیری[۵] کے خوف سے وہ مجبور تھے کہ اسی امیدوار کو منتخب کریں جس کی بادشاہ سفارش کرے۔ یہ عجیب و غریب طریقہ اس وقت تک برقرار ہے مگر آئینی قواعد کی ترقی سے اس کی ہیئت بالکل بدل گئی ہے۔ جارج اول کی تخت نشینی کے وقت سے اساقفہ کا تقرر بادشاہ کی ذات سے نکل کر اس وزیر کے ہاتھ میں آگیا ہے جو قوم کی مرضی کا نمائندہ ہوتا ہے

---

[۵] قانون پریمیونیری (۱۳۹۲ء) کا منشا یہ تھا کہ اگر کوئی شخص پوپ کا کوئی حکم بلا منظوری بادشاہ کے انگلستان میں لائیگا تو مستوجب سزا ہوگا۔

اس لئے اب عملاً دنیا کے تمام مقتدایان دین میں انگلستان ہی کے مقتدایان دین اپنے اسقفی منصب پر اس قسم کے عام انتخاب کے ذریعہ سے فائز ہوتے ہیں جس طرح ایمبروس ملان کی اسقفی پر فائز ہوا تھا۔ لیکن جس وقت کا یہ ذکر ہے اس وقت کرامول کی کارروائی نے انگلستان کے اساقفہ کو بالکل ہی تاج کا تابع بنادیا تھا۔ اگر اس کی حکمت عملی پر پورا پورا عمل ہوتا اور تقرر کی طرح اساقفہ کی موقوفی پر بھی بادشاہ کا اختیار بتمام عمل میں آنے لگتا تو بادشاہ ان کے سیاہ و سفید کا بالکل ہی مالک ہوجاتا۔ لیکن حالت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ہنری نے ڈبلن کے اسقف اعظم کو ان الفاظ میں متنبہ کیا تھا کہ " اگر تم اپنی مغرورانہ بیوقوفی پر مصر رہوگے تو ہمیں یہ قوت حاصل ہے کہ تمہیں علحدہ کرکے تمہاری جگہ تم سے زیادہ دیندار اور ایماندار شخص کو مقرر کردیں " ایلیزبیتھ تک نے ایک مرتبہ بد مزاجی کی حالت میں اسقف ایلی کو یہ دھمکی دی تھی کہ وہ " اس کی عبا اُتروالے گی " اصلاح کے زیادہ پُر جوش حامی، اساقفہ کے اس طرح تاج کے تابع ہوجانے کو اچھی طرح سمجھتے تھے ہنری ہشتم کے انتقال پر کرینمر نے اپنے منصب پر قائم رہنے کے لئے اڈورڈ سے ایک جدید فرمان حاصل کیا تھا۔ لیٹمر نے جب دیکھا کہ اس کے اعتقاد اور شاہی حکمت عملی میں تصادم ہوگیا ہے تو خود کو اسقفی ورسسٹر سے کنارہ کشی پر مجبور سمجھا۔ زمانۂ مابعد میں برطرفی کا یہ اختیار خاموشی کے ساتھ ترک ہوگیا مگر

اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ قوم کے مذہبی حسیات کا پاس ولحاظ کیا گیا تھا بلکہ صرف اس وجہ سے کہ اساقفہ کا انقیاد اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ اس کے عمل میں لانے کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی تھی۔

خانقاہوں کا تعطل

ہنری مجالس مذہبی پر حاوی ہوچکا تھا، اساقفہ بالکل اسکے دست قدرت میں تھے، اب "قانون سرگروہی کلیسا" کی رو سے خانقاہوں کے معائنہ و نگرانی کا اختیار پوپ کے ہاتھ سے نکل کر ہنری کے ہاتھ میں آگیا تھا اور اس طرح خانقاہوں پر بھی اس کا تسلط قائم ہوگیا تھا۔ "تعلیمات جدیدہ" اور بادشاہ دونوں کے لیئے ان امکنہ مذہبی سے نفرت کے اسباب خود انھیں کی طرف سے بہت جلد مہیا ہوگئے تھے۔ نشاۃ علوم کے ابتدائی زمانے میں تعلیم و تربیت کی اشاعت اور مذہبی اصلاح کی امیدوں کے خیر مقدم کرنے میں پوپ واساقفہ بادشاہوں اور عالموں کے دوش بدوش تھے۔ لیکن خانقاہوں کا حال بالکل برعکس تھا۔ اگرچہ کہیں کہیں راہب یا رئیس خانقاہ اس تحریک کی تائید میں شامل ہوگئے تھے۔ مگر بہ حیثیت مجموعی خانقاہوں نے نہایت غیر متزلزل سختی کے ساتھ اس تحریک کی مخالفت کی۔ جس قدر وقت گزرتا گیا یہ مناقشہ زیادہ سخت ہوتا گیا "تاریکی اور حجروں کو پسند کرنے والوں" پر ارسمیس نے طعن و تشنیع اور ہٹن نے مضحکہ کی خوب ہی بھرمار کی۔ انگلستان میں کالٹ اور مور نے اپنے دوستوں کے مضحکہ اور بدکلامی

کی پیروی کی مگر ذرا ضابط اور متین طریقے سے۔ درحقیقت جوش مذہبی کا منبع ہونے کے لحاظ سے خانقاہیں عملاً مردہ ہوچکی تھیں زائروں کے جوش اتقا اور ذہنی قوت کا زمانہ بھی گزر گیا تھا۔ اور اب وہ محض گراگر ہوگئے تھے راہب بالکل زمیندار بن گئے تھے۔ اکثر ائمۂ مذہبی کی کوشش صرف یہ رہ گئی تھی کہ اپنی آمدنی کو بڑھائیں اور اس کے شرکا کی تعداد کو گھٹائیں۔ جس طرح وہ تمام اجتماعی تنظیمات جو اپنے مقصد کے پورے ہوجانے کے بعد خرابیوں میں مبتلا ہوجاتی ہیں وہی حال ان خانقاہوں کا ہوا، جن روحانی مقاصد کا ان پر اعتماد کیا گیا تھا ان کی طرف سے ان میں عام بے پروائی اور جائدادوں کے انتظام میں ابتری و فضول خرچی پیدا ہوگئی، کاہلی اور عیش پرستی راہبوں کے خمیر میں داخل ہوگئی۔ عام طور پر خانقاہوں کا یہی حال تھا مگر وہ اس سے زیادہ ناکارہ نہیں تھیں جیسی اسی قسم کے اجتماعی تنظیمات بالعموم ہوا کرتی ہیں۔ ان خانقاہوں کے مٹا دینے کے لئے فرقۂ لولارڈ کا شور و غل فنا ہوچکا تھا۔ شمال میں جہاں بعض بہت ہی بڑی خانقاہیں واقع تھیں، وہاں راہبوں کے تعلقات شرفائے قصبات سے اچھے تھے، خانقاہیں ان شرفا کے بچوں کے لئے مدرسہ کا کام دیتی تھیں، اس کا کچھ ثبوت نہیں کہ دوسرے مقامات کے خیالات اس کے خلاف رہے ہوں مگر کرامول کے نظام عمل میں خانقاہی طریقے کے محاسن و معایب، کاہلی و وہم پرستی یا شاہی نگرانی سے

آزادی، کسی کی بھی گنجائش نہیں تھی۔ اس لئے شاہی کمشنر
(منصرف) مقرر کئے گئے کہ وہ گشت کرکے تمام خانقاہوں کا
معائنہ کریں۔ ان کی رپورٹوں (معروضات) سے ایک بلیک بک
(کالی کتاب) تیار ہوگیا اور ان کی واپسی پر اسے پارلیمنٹ
۱۵۳۶ کے روبرو پیش کیا گیا۔ اس امر کا اعتراف کیا گیا تھا کہ
ایک ثلث کے قریب خانقاہیں جن میں زیادہ تر بڑی خانقاہیں
شامل تھیں عمدگی و خوش اسلوبی سے چل رہی ہیں، باقی
خانقاہوں پر شراب خوری، عہدوں کے فروخت کرنے، ناپاک
ترین اور بدترین جرائم میں مبتلا ہونے کے الزامات عائد
کئے گئے تھے۔ اس پر ایک طول طویل مباحثہ ہوا اور اس
مباحثہ کی نوعیت سے اس امر میں کوئی شک باقی نہیں
رہا کہ ان الزامات میں بہت بڑی طرح مبالغہ کیا گیا تھا۔
لیکن اس وجہ سے کہ خانقاہیں پوپ کی نگرانی کے سوا اور
ہر طرح کی نگرانی سے مستثنیٰ تھیں ان پر کسی قسم کا ایسا دباؤ
باقی نہیں رہا تھا جو موثر ہوسکتا اور عدم انضباط کے باعث
ان کے اخلاق پر نہایت بُرا اثر پڑا تھا یہانتک کہ
سنٹ آلبنز کی سی خانقاہیں بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکیں۔
وارہم کے اعتراف اور نیز ان خانقاہوں کے بند کرنے کے لئے
وولزی کی جزوی کارروائی سے کافی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے
کہ چھوٹی چھوٹی خانقاہوں میں بے پروائی جرم کی حد تک
پہنچ گئی تھی۔ یہ رپورٹ جب دارالعوام میں پڑھی گئی تو ہر طرف سے

یہ شور بلند ہوا کہ خانقاہوں کو بند کرو۔ مگر باوجود اس کے ملک ابھی اس خواہش سے بہت دور تھا کہ خانقاہی طریقہ کلیتہً ناپید ہوجائے۔ ایک طول و تلخ مباحثے کا انجام اس مصالحت پر ہوا کہ دوسوپاونڈ سالانہ سے کم آمدنی کی خانقاہیں بند کردی جائیں، اور ان کی آمدنی بادشاہ کو دیدی جائے مگر بڑی بڑی خانقاہیں ابھی بدستور اپنی حالت پر قائم رہیں۔

پادریوں میں صرف وہی لوگ رہ گئے تھے جن میں دنیاداری پادریوں کی تھی، اور وِکر جنرل کے متواتر احکامات امتناعی نے رکٹر (Rector) غلامانہ حالت اور وکر (Vicar) کے ذہن نشین کردیا تھا کہ وہ خود کو محض میں کردیا شاہی غرض کی بجا آوری کا آلہ سمجھیں۔ کرامول نے اپنی تیزفہمی سے یہ محسوس کرلیا تھا کہ آنے والی مذہبی و سیاسی کشمکش میں منبروں کے وعظ کا کیا اثر پڑنے والا ہے کیونکہ اس زمانے میں عوام کو مخاطب کرنے کا یہی ایک ذریعہ تھا، اور اس لئے اسنے یہ عزم کرلیا تھا کہ اس ذریعے کو بادشاہ کے حصول مقصد کی طرف پھیر دے، وعظ کہنے کا حق صرف ان پادریوں تک محدود ہوگیا تھا جنھیں بادشاہ کی طرف سے اجازت حاصل ہوتی تھی اور اس طرح مخالفت کی تمام آوازیں بند ہوگئی تھیں جن لوگوں کو اس قسم کی اجازت حاصل ہوتی تھی انھیں بھی مذہب کے اختلافی مباحث میں پڑنا ممنوع تھا۔ اس پر بھی قناعت نکرکے دست تطاول اس حد تک دراز ہوا کہ وعظ کے لئے خاص مضامین اور خاص بیانات معین کئے جانے لگے اوراسوجہ

سے نازک موقع پر واعظین محض شاہی مرضی کے اظہار کا ذریعہ بن گئے۔ اس کارروائی کا پہلا قدم یہ تھا کہ ہر ایک اسقف راہب اور دیہاتی پادری کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ پوپ کے غاصب ہونے کا وعظ کہیں اور بادشاہ کو روئے زمین پر کلیسا (انگلستان) کا اعلیٰ سرپرست ظاہر کریں۔ وعظ کے مباحث تک نہایت احتیاط کے ساتھ معین کئے جاتے تھے۔ اساقفہ اس امر کے ذمہ دار قرار دئے گئے تھے کہ سب پادری ان احکام کی تعمیل کریں اور شیرف (ناظمان صوبہ) کا یہ فرض تھا کہ دیکھیں کہ اساقفہ اس کی پابندی کرتے ہیں یا نہیں۔ جب اس طرح مقاومت کا امکان تک باقی نہیں رہا۔ کلیسا کی آواز بند ہوگئی، منبروں کے وعظ صرف ہنری کی مرضی کی آواز بازگشت ہوگئے، اس وقت کرامول نے اپنی تجویز کی انتہائی حد کے عمل میں لانے کی جرأت کی اور یہ دعویٰ کیا کہ بادشاہ کو یہ حق حاصل ہے کہ مذہب و معتقدات کی جو صورت وہ مناسب سمجھے اسے تمام ملک میں رائج اور شائع کئے جانے کا حکم دے۔ ارسمس اور کالٹ جس قسم کے خالص کیتھولک مذہب کا خواب دیکھتے تھے، اب وہ تمام انگلستان کا مذہب ہونے والا تھا، لیکن "تعلیمات جدیدہ" کا یہ خواب تعلیم و پرہیزگاری
کی ترقی سے نہیں بلکہ شاہی جبروت سے پورا ہونے والا تھا۔ "عقاید مذہب" المذہب ۱۵۴
جنھیں مجلس مذہبی نے بغیر کسی قسم کے اعتراض کے قبول و منظور کرلیا تھا بذات خاص ہنری کے ترتیب دادہ تھیں کتاب مقدس

اور "تینوں عقائد" مذہب کی بنیاد قرار دئے گئے تھے۔ اصطباغ کے سات رسوم گھٹا کر صرف تین پر محدود کر دئے گئے تھے مگر کفارہ، اصطباغ اور عشائے ربانی کو برابر درجے میں قائم رکھا گیا تھا۔ عشائے ربانی کی روٹی اور شراب کا حضرت عیسیٰ کے گوشت اور خون سے مبدل ہوجانے کا عقیدہ اور اعتراف گناہ کا دستور اسی طرح قائم رہا جس طرح لوتھر کے کلیسا میں یہ عقائد برقرار رکھے گئے تھے خیالاتِ مذکورۂ ذیل میں اراسمس کی تعلیم کا اثر صاف نمایاں ہے مثلاً یہ عقیدہ تسلیم کرلیا گیا کہ ہر شخص کی نجات کا انحصار خود اس کے عقیدہ پر ہے جس کے تسلیم کئے جانے کے لئے تعلیمات جدیدہ کے موید پول اور کونتارینے خود روما میں کوشش کر رہے تھے، اس کے ساتھ مسئلہ برزخ ناقابلِ قبول قرار دیا گیا اعلیٰ عہدہ دارانِ کلیسا کا گناہوں سے معافیاں دینا ناجائز قرار دیا گیا، مردوں کے لئے نمازوں کا پڑھنا بھی بے سود سمجھا گیا البتہ مردوں کے لئے دعا کرنا جائز رکھا گیا اور کلیسا کے رسومات بلا اہم تغیرات کے بجال خود برقرار رہے۔ اگرچہ اس طرح پر عقائد میں نہایت سخت انقلاب پیدا ہوگیا مگر مجلس مذہبی میں اس کی منظوری کے وقت ایک شخص کی زبان سے بھی حرف شکایت نہیں نکلا اور وکر جنرل نے ان عقائد کو ہر صوبے میں بھیجنا شروع کر دیا تاکہ لوگ ان کی پیروی کریں اور بصورت خلاف ورزی انھیں سزا دی جائے۔ اس کے بعد متواتر شاہی احکامات کے۔

ذریعے سے اصلاح کی کارروائی برابر بڑھتی گئی۔ زیارتوں کے لئے جانا بند کردیا گیا، تہواروں کی غیر معمولی تعداد گھٹادی گئی۔ مجسمات اور آثار بزرگانِ سلف کی پرستش کی ایسے الفاظ میں مذمت کی گئی گویا وہ بالکل ہی ارسمس کے اعتراضات کی نقل تھے۔ ارسمس نے کتاب مقدس کے ایک ایسے ترجمے کے لئے پُر جوش تمنا ظاہر کی تھی جسے جولاہے اپنے کرگھے پر اور کسان ہل چلاتے وقت زبانی پڑھتے جائیں، یہ تمنا آخر پوری ہوئی۔ نارفک اور مور کی وزارت کے اوائل زمانے میں بادشاہ نے ٹنڈیل کے ترجمے کی (جو لوتھر کے اصول پر کیا گیا تھا) اشاعت کی ممانعت کرتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ خود انجیلوں کے ایک انگریزی ترجمے کا انتظام کرے گا مگر یہ کام اساقفہ کے ہاتھوں تعویق میں پڑا رہا اور بعد مدت کے ابتدائی کارروائی کے طور پر عقائد، حضرت عیسیٰؑ کی مناجات، اور احکام عشرہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ ہر معلم مدرسہ اپنے طلبہ کو اور ہر باپ اپنے بچوں کو ان کی تعلیم دے مگر اساقفہ کا ترجمہ پھر بھی معلق رہا۔ یہانتک کہ اس کی تیاری سے ناامید ہوکر اسقف اعظم کرنمیر کا ایک دوست مائلز کورڈیل اس کام پر مقرر کیا گیا کہ ٹنڈیل کے ترجمے پر نظر ثانی کرکے اسے درست کرے، اس طرح پر اس نے جو ترجمہ مرتب کیا وہ ۱۵۳۵ء میں خود ہنری کی مسلمہ سرپرستی میں شائع ہوا۔ اور شاہی سرکردگی کلیسا کی داستان اس کے صفحۂ عنوان ہی میں مندرج تھی۔ تمام انگلستان